BKID 013

اسلامک اسٹڈیز

پہلا پرچہ

سیرت نبویؐ، خلافت راشدہ اور اموی دور

برائے

بی اے

(سال اول)

نظامتِ فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد

© مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد
سلسلہ مطبوعات نمبر-41

ISBN: 978-93-80322-47-6

Edition: April, 2019

ناشر : رجسٹرار، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد

اشاعت : اپریل 2019

مطبع : پرنٹ ٹائم اینڈ بزنس انٹرپرائزز، حیدرآباد

ISLAMIC STUDIES

Paper-I

Sirat, the Pious Caliphate & the Umayyad Period

Edited by:

Dr. Abdul Majeed Qadeer Khwaja

Coordinator (Islamic Studies), DDE, MANUU

On behalf of the Registrar, Published by:

Directorate of Translation and Publications

Maulana Azad National Urdu University

Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS)

E-mail: directordtp@manuu.edu.in

for

Directorate of Distance Education

E-mail: dir.dde@manuu.edu.in; Website: manuu.ac.in

کورس کوآرڈینیٹر

ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ

اسلامک اسٹڈیز

نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

مصنفین

بلاک 1 : سیرت نبوی ﷺ

اکائی 1 تا 7 — مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (جنرل سکریٹری، اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

بلاک 2 : وحی اور قرآن

اکائی 8 — پروفیسر عمادالحسن آزاد فاروقی (ڈائرکٹر مرکز برائے مطالعات تقابلی مذاہب و تہذیب)

اکائی 9 تا 11 — مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (جنرل سکریٹری، اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

بلاک 3 : خلافت راشدہ اور اموی حکومت

اکائی 12 تا 16 — ڈاکٹر محمد ارشد (لکچرر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

اکائی 17 تا 20 — پروفیسر شاہ عبدالسلام (ڈپارٹمنٹ آف عربک اینڈ عرب کلچر، یونیورسٹی آف لکھنؤ)

ایڈیٹرز

1) محترمہ ذیشان سارہ، استاذ، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مانو

2) ڈاکٹر محمد سراج الدین، اسسٹنٹ پروفیسر، اسلامک اسٹڈیز، مانو، بڈگام، کشمیر

لینگویج ایڈیٹرز

1) پروفیسر محمد فہیم اختر ندوی، صدر شعبہ، اسلامک اسڈیز، مانو

2) ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ، کوآرڈینیٹر و ایڈیٹر، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

ٹائٹل پیج: ڈاکٹر ظفر گلزار

فہرست

اکائی نمبر	مضمون			صفحہ نمبر
	پیغام	:	وائس چانسلر	5
	پیش لفظ	:	ڈائرکٹر، ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز	6
	ڈائرکٹر کا پیغام	:	ڈائرکٹر، نظامتِ فاصلاتی تعلیم	7
	کورس کا تعارف	:	کورآرڈی نیٹر	8

بلاک 1 : سیرت نبویﷺ

اکائی:1	جاہلی دور پر اجمالی نظر	10-17
اکائی:2	جزیرۂ عرب میں یہودیت اور عیسائیت	18-25
اکائی:3	نبیﷺ کی مکی زندگی	26-36
اکائی:4	نبیﷺ کی مدنی زندگی	37-47
اکائی:5	شخصیت رسولﷺ	48-54
اکائی:6	ارشادات رسولﷺ – 1	55-60
اکائی:7	ارشادات رسولﷺ – 2	61-66

بلاک 2 : وحی اور قرآن

اکائی:8	مذہب کی حقیقت	68-78
اکائی:9	نبوت اور وحی	79-86
اکائی:10	قرآن مجید۔تعارف اور جمع وتدوین	87-99
اکائی:11	قرآنی تعلیمات	100-129

بلاک 3 : خلافت راشدہ اور اموی حکومت

اکائی:12	خلافت راشدہ اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت	131-139
اکائی:13	حضرت عمر بن خطابؓ: حیات اور کارنامے	140-146
اکائی:14	حضرت عثمان بن عفانؓ: حیات اور کارنامے	147-153
اکائی:15	حضرت علی بن ابی طالبؓ: حیات اور کارنامے	154-159
اکائی:16	خلافت راشدہ کا نظم ونسق وخصوصیات	160-168
اکائی:17	بنوامیہ کا قیام اور اہم حکمراں	169-177
اکائی:18	اموی حکومت کی توسیع	178-183
اکائی:19	بنوامیہ کا نظام حکومت	184-192
اکائی:20	اموی دور میں علوم کی ترقی	193-200

پیغام

وائس چانسلر

وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے جس ایکٹ کے تحت مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا ہے اُس کی بنیادی سفارش اُردو کے ذریعے اعلیٰ تعلیم کا فروغ ہے۔ یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جو ایک طرف اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد بناتا ہے تو دوسری طرف ایک امتیازی وصف ہے، ایک شرف ہے جو ملک کے کسی دوسرے اِدارے کو حاصل نہیں ہے۔ اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ بھی تصدیق کردیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند ''ادبی'' اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت رسائل و اخبارات کی اکثریت میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہماری یہ تحریریں قاری کو کبھی عشق و محبت کی پُر پیچ راہوں کی سیر کراتی ہیں تو کبھی جذباتیت سے پُر سیاسی مسائل میں اُلجھاتی ہیں، کبھی مسلکی اور فکری پس منظر میں مذاہب کی توضیح کرتی ہیں تو کبھی شکوہ شکایت سے ذہن کو گراں بار کرتی ہیں۔ تاہم اُردو قاری اور اُردو سماج آج کے دور کے اہم ترین علمی موضوعات چاہے وہ خود اُس کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، وہ جن مشینوں اور آلات کے درمیان زندگی گزار رہا ہے اُن کی بابت ہوں یا اُس کے گرد وپیش اور ماحول کے مسائل..... وہ ان سے نابلد ہے۔ عوامی سطح پر اِن اصناف کی عدم دستیابی نے علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کردی ہے جس کا مظہر اُردو طبقے میں علمی لیاقت کی کمی ہے۔ یہی وہ چیلنجز ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اسکولی سطح کی اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیر بحث آتے ہیں۔ چونکہ اُردو یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم ہی اُردو ہے اور اس میں علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔ اِسی مقصد کے تحت ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز کا قیام عمل میں آیا ہے اور احقر کو اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ اپنے قیام کے محض ایک سال کے اندر ہی یہ برگِ نو، ثمر آور ہوگیا۔ اس کے ذمہ داران کی انتھک محنت اور قلم کاروں کے بھرپور تعاون کے نتیجے میں کتب کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کم سے کم وقت میں نصابی اور ہم نصابی کتب کی اشاعت کے بعد اِس کے ذمہ داران، اُردو عوام کے واسطے بھی علمی مواد، آسان زبان میں تحریر عام فہم کتابوں اور رسائل کی شکل میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کریں گے تاکہ ہم اِس یونیورسٹی کے وجود اور اِس میں اپنی موجودگی کا حق ادا کرسکیں۔

ڈاکٹر محمد اسلم پرویز

خادمِ اوّل

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

پیش لفظ

ہندوستان میں اُردو ذریعہ تعلیم کی خاطر خواہ ترقی نہ ہو پانے کے اسباب میں ایک اہم سبب اُردو میں نصابی کتابوں کی کمی ہے۔اس کے متعدد دیگر عوامل بھی ہیں لیکن اُردو طلبہ کو نصابی اور معاون کتب نہ ملنے کی شکایت ہمیشہ رہی ہے۔ 1998ء میں جب مرکزی حکومت کی طرف سے مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تو اعلیٰ سطح پر کتابوں کی کمی کا احساس شدید ہوگیا۔اعلیٰ تعلیمی سطح پر صرف نصابی کتابوں کی نہیں بلکہ حوالہ جاتی اور مختلف مضامین کی بنیادی نوعیت کی کتابوں کی ضرورت بھی محسوس کی گئی۔ فاصلاتی طریقہ تعلیم کے تحت چونکہ طلبہ کو نصابی مواد کی فراہمی ضروری ہے لہٰذا اُردو یونیورسٹی نے مختلف طریقوں سے اُردو میں مواد کا نظم کیا۔ کچھ مواد یہاں بھی تیار کیا گیا مگر علمی کتابوں کی منظم اور مستقل اشاعت کا سلسلہ شروع نہیں کیا جاسکا۔

موجودہ شیخ الجامعہ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے اپنی آمد کے ساتھ ہی اُردو کتابوں کی اشاعت کے تعلق سے انقلاب آفریں فیصلہ کرتے ہوئے ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز کا قیام عمل میں لایا۔ اس ڈائرکٹوریٹ میں بڑے پیانے پر نصابی اور دیگر علمی کتب کی تیاری کا کام جاری ہے۔کوشش یہ کی جارہی ہے کہ تمام کورسز کی کتابیں متعلقہ مضامین کے ماہرین سے راست طور پر اُردو میں ہی لکھوائی جائیں۔اہم اور معروف کتابوں کے تراجم کی جانب بھی پیش قدمی کی گئی ہے۔توقع ہے کہ مذکورہ ڈائرکٹوریٹ ملک میں اشاعتی سرگرمیوں کا ایک بڑا مرکز ثابت ہوگا۔اب تک یہاں سے تین درجن سے زائد کتابیں شائع ہوچکی ہیں اور توقع ہے کہ آنے والے دنوں میں بھی یہاں سے کثیر تعداد میں اُردو کتابیں شائع ہوں گی۔

زیرنظر کتاب فاصلاتی طریقہ تعلیم کے تحت بی اے سال اول کے طلبہ کے لیے تیار کی گئی ہے جس سے روایتی طریقہ تعلیم کے طلبہ بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔کتاب کی تیاری میں حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ طلبہ یہاں جن موضوعات کا مطالعہ کریں ان پر انہیں بھرپور اور مکمل مواد دستیاب ہو جائے۔

یہ اعتراف ضروری ہے کہ حالیہ عرصے میں جو بھی کتابیں شائع کی جارہی ہیں ان میں شیخ الجامعہ کی راست سرپرستی اور نگرانی شامل ہے۔اُن کی خصوصی دلچسپی کے بغیر اس کتاب کی اشاعت ممکن نہ تھی۔نظامت فاصلاتی تعلیم اور شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے اساتذہ اور عہدیداران کا بھی عملی تعاون شامل رہا ہے جس کے لیے اُن کا شکریہ بھی واجب ہے۔

اُمید ہے کہ قارئین اور ماہرین اپنے مشوروں سے نوازیں گے۔

پروفیسر محمد ظفرالدین
ڈائرکٹر، ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز

ڈائرکٹر کا پیغام

فاصلاتی طریقۂ تعلیم سارے عالم میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاچکا ہے اور چہار سو اس طریقے سے بڑی تعداد میں لوگ تعلیم اور اسناد سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں سے ہی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اِس طریقے کو اختیار کیا تھا۔ بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اِس یونیورسٹی نے روایتی طریقۂ تعلیم سے پہلے فاصلاتی طریقے سے تعلیم کو اُردو عوام تک پہنچانے کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلے پہل یہاں کے تدریسی پروگراموں کے لیے بعض دوسری یونیورسٹیوں کے نصابی مواد سے من وعن اور بشکل ترجمہ استفادہ کیا گیا۔ اِرادہ یہ تھا کہ بہت تیزی سے اپنا نصابی مواد تیار ہوجائے گا اور بتدریج دوسری یونیورسٹیوں پر سے انحصار ختم ہوجائے گا۔ لیکن جب نصابی مواد کی تیاری کا سلسلہ شروع کیا گیا تو اندازہ ہوا کہ یہ اتنا آسان کام نہیں تھا۔ قدم قدم پر مسائل پیش آئے اور مختلف النوع اُلجھنوں نے رفتار کو سست کردیا۔ مگر کوششیں جاری رہیں اور نتیجے کے طور پر اب بہت تیزی سے یونیورسٹی نے اپنے نصابی مواد کی اشاعت شروع کردی ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم (ڈی ڈی ای)، مانو نے طلبا کی سہولت کے لیے ایک بہت بڑا نیٹ ورک تیار کیا ہے جس میں 9 علاقائی مراکز (بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکتہ، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور 5 ذیلی علاقائی مراکز (حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح اور امراوتی) شامل ہیں۔ ہر علاقائی/ذیلی علاقائی مرکز (Regional Centre/Sub Regional Centre) فاصلاتی تعلیم کے طلبا کو "Learner Support Centre" کے ذریعہ تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتا ہے۔ سال 18-2017 میں، نظامت فاصلاتی تعلیم میں علاقائی/ذیلی علاقائی مرکز کے ذریعہ 158 ''Learner Support Centres'' چلائے جارہے تھے۔ اپنے آپ کو جدید تر بنانے اور فاصلاتی طلبا کی سہولت کے لیے معیار میں اضافہ کرنے کی خاطر ڈی ڈی ای نے یو جی اور نئے ایم اے پروگراموں کے لیے 'انتخاب پر مبنی کریڈٹ سسٹم' (Choice Based Credit System-CBCS) متعارف کیا ہے۔ ڈی ڈی ای نے اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا استعمال شروع کردیا ہے۔ اب ڈی ڈی ای کے تمام پروگراموں کے لیے داخلے صرف آن لائن طریقے سے ہی دیے جارہے ہیں۔

کسی بھی وقت، کہیں بھی اکتسابی ماحول فراہم کرنے کے لیے یونیورسٹی کا 'انسٹرکشنل میڈیا سنٹر' ویڈیو لکچرز تیار کر رہا ہے جو یوٹیوب چینل http://youtube.com/u/imcmanuu پر دستیاب ہیں۔ مستقبل میں یونیورسٹی کی ویب سائٹ کے ذریعے طلبا کو اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں فراہم کرنے کا بھی منصوبہ ہے۔ ڈی ڈی ای اور طلبا کے درمیان رابطے کے لیے ایس ایم ایس کی سہولت فراہم کی جارہی ہے جس کے ذریعہ طلبا کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، تفویضات (Assignments)، کونسلنگ اور امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔

فی الحال نظامتِ فاصلاتی تعلیم میں یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورس پر مشتمل جملہ پندرہ کورسز چلائے جارہے ہے۔ بہت جلد تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز (Skill Based Courses) بھی شروع کیے جائیں گے۔ اپنی کاوشوں کے ذریعہ ڈی ڈی ای نارساؤں تک پہنچنے کی بھرپور کرشش کر رہی ہے۔ امید ہے کہ سماج کے تعلیمی، معاشی اور ثقافتی طور پر پچھڑے طبقات کو مرکزی دھارے میں لانے میں ڈی ڈی ای، مانو کا بھی نمایاں کردار رہے گا۔

پروفیسر پی فضل الرحمٰن

ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

کورس کا تعارف

نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، کے لیے یہ بات انتہائی باعث مسرت ہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی)، ڈسٹنس ایجوکیشن بیورو (ڈی ای بی) کے 2017 ضابطوں اور دوسرے ترمیمی ضوابط 2018 کے مطابق اسلامک اسٹڈیز کے موضوع پر اردو زبان میں درسی مواد تیار کیا گیا ہے۔ یو جی سی ہدایت کے تحت یونیورسٹی کے روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کے لئے ایک ہی نصاب لازمی قرار دیا گیا ہے؛ تاکہ نہ صرف ان دونوں نظام تعلیم کے طلبہ کا معیار یکساں ہو، بلکہ حصول تعلیم کے لیے فراہم کی جانے والی مختلف سہولیات کے اس دور میں ایک نظام تعلیم کے طلبہ کے لئے دوران تعلیم دوسرے نظام تعلیم کی طرف منتقلی بھی قابل عمل ہو۔

ان ضوابط کے تحت یونیورسٹی میں فراہم کیے جارہے تمام مضامین میں روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک ہی نصاب تیار کیا گیا، اور اس کے مطابق درسی مواد کی تیاری کی گئی جو بیک وقت دونوں نظام تعلیم کے طلبہ وطالبات کے لیے ذریعہ استفادہ بن سکے۔ یہ مواد بی اے کے تین سالہ کورس اور ایم اے کے دوسالہ کورس کے لیے تیار کروایا گیا ہے۔ اس درسی مواد کی تیاری میں ملک بھر کے ماہرین اسلامیات، دانشوران اور اسلامی علوم پر گہری نظر رکھنے والے علما کی معیاری خدمات یونیورسٹی کو حاصل رہیں، اور اس میں اسلامیات کے تقریباً تمام ہی موضوعات اور پہلوؤں کا جامع احاطہ کیا گیا۔ اس طرح یونیورسٹی کے ذریعہ تیار ہونے والا یہ درسی مواد ایک معیاری، ہمہ گیر اور اسلامیات کے پورے کورس پر محیط بن کر تیار ہوا، جس سے نہ صرف یہ کہ اسلامیات کے طلبہ وطالبات کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہوئی بلکہ اسلامی مطالعات کے میدان میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

اس نصاب کی تیاری میں قدیم نصاب کی خوبیوں کو باقی رکھتے ہوئے ضروری حذف واضافہ کے ساتھ مضامین کی ایسی ترتیب اختیار کی گئی جو روایتی تعلیم کے سمسٹر سسٹم اور فاصلاتی تعلیم کے سالانہ نظام کی ضرورت بیک وقت پوری کر سکے۔

یکساں نصاب کی تیاری کے بعد اسی کے مطابق درسی مواد کی تیاری بھی مطلوب تھی جس میں نئے نصاب کے مطابق پرانے تحریر شدہ مواد میں کہیں کم اور کہیں زیادہ حذف وترمیم اور تبدیلی کی ضرورت تھی۔ کئی مقامات پر کم یا زیادہ اضافہ بھی مطلوب تھا۔ بعض ذیلی عناوین پر بالکل نئی تحریر لکھنے کی ضرورت تھی اور بعض جگہوں پر مکمل اکائی کے اضافہ کی بھی ضرورت پیش آئی۔ ان سب کے علاوہ مواد کی ترتیب کو نئے نصاب کے مطابق بنایا گیا۔ نیز ہر اکائی کے تحت خلاصہ بحث اور متنوع قسم کے سوالات کے تفصیلی نمونے شامل کیے گئے۔ ان تبدیلیوں کے بعد تیار ہونے والا مواد قدیم وجدید کا مجموعہ بن کر سامنے آیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم بی اے کورس کی یہ کتاب آپ کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ سال اول کے اس پہلے پرچہ کا عنوان ''سیرت نبوی، خلافت راشدہ اور اموی دور'' ہے۔ یہ روایتی تعلیم کے تحت بی اے سال اول کے دونوں سمسٹرس اول ودوم کے لیے ہے۔ اس پرچہ میں کل بیس اکائیاں ہیں جن کو تین بلاکوں ہیں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس میں سیرت نبوی ﷺ کے علاوہ خلافت راشدہ اور اموی حکومت (دمشق) پر تحریری مواد مہیا کیا گیا ہے۔

واللہ الموفق

پروفیسر محمد فہیم اختر ندوی
صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مانو

ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ (الازہری)
کوآرڈینیٹر وایڈیٹر، اسلامک اسٹڈیز
نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

سیرت نبویؐ، خلافت راشدہ اور اموی دور

بلاک 1 : سیرت نبوی ﷺ

اکائی 1 : جاہلی دور پر اجمالی نظر

اکائی کے اجزا

1.1 تمہید

1.2 عرب اور جزیرۃ العرب

1.3 سیاسی حالات

1.4 مذہبی حالات

1.5 سماجی وتمدنی حالات

1.6 معاشی حالات

1.7 خلاصہ

1.8 نمونۂ امتحانی سوالات

1.9 سفارش کردہ کتابیں

1.1 تمہید

بعثت نبی ﷺ سے پہلے معاشرہ کی اس اکائی میں سب سے پہلے جزیرۃ العرب کے جغرافیائی نقشہ پر روشنی ڈالی گئی ہے،اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ عرب کے لوگوں میں کس نوعیت کا سیاسی اور انتظامی نظم تھا اور اپنے نظام کو وہ کس طرح چلاتے تھے؟ پھر عربوں کے مذہبی حالات سے متعارف کرایا گیا ہے۔اس کے بعد عرب کی سماجی زندگی اور تمدنی احوال کا تعارف کراتے ہوئے اس سماج کے معاشی حالات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

1.2 عرب اور جزیرۃ العرب

عرب اور اعراب کا لغوی معنی ہے بیان واظہار اور اس میں مہارت رکھنا،عربوں کو چوں کہ اپنی قوت بیان پر ناز تھا،اسی لئے وہ اپنے آپ کو ”عرب“ کہتے تھے اور اپنی برتری کے اظہار کے لئے دوسروں کو ’عجم‘ کہا کرتے تھے،جس کے معنی ’گونگے‘ کے ہیں۔عربوں کی تاریخ خاصی قدیم ہے، یہ حضرت نوح علیہ السلام کے صاحبزادے سام بن نوح کی نسل میں شمار کیے گئے ہیں۔مورخین نے عرب قبائل کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے،ایک ’عرب بائدہ‘ یعنی وہ قدیم عرب قبائل جو بعثت نبی ﷺ سے پہلے ہی ختم ہو چکے تھے۔دوسرے ’عرب عاربہ‘ یعنی بنوقحطان،جو یمن سے عمان تک کے علاقوں میں رہائش پذیر تھے،تیسرے ”عرب مستعربہ“ جو حجاز میں آباد ہوئے،ان کو عدنانی بھی کہا جاتا ہے،یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے پیدا ہونے والے قبائل ہیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کئی پشتوں کے بعد ایک مشہور شخصیت عدنان نامی پیدا ہوئی،یہ انھیں کی طرف منسوب ہیں،اسی قبیلہ نے شہر مکہ کو آباد رکھا۔

جزیرۃ العرب کے مغرب میں بحیرۂ قلزم،مشرق میں خلیجِ فارس اور جنوب میں بحرِ ہند واقع ہے۔اور شمال یعنی خشکی کے علاقہ میں جزیرۃ العرب کی

حدیں کیا ہیں؟ اس میں اہل علم کے درمیان اختلاف رہا ہے۔ بحیثیتِ مجموعی عرب کا کل رقبہ بارہ لاکھ انیس ہزار سات سو اڑتالیس میل ہے، عراق اور شام کے عربی علاقوں کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب کے چار حصے کئے جاتے تھے: تہامہ، نجد، حجاز اور یمن؛ مغربی حصہ تہامہ کا تھا جو نشیبی علاقہ تھا۔ مشرقی حصہ نجد کا، جس کی سطح نسبتاً بلند تھی۔ ان کے درمیانی علاقہ کو 'حجاز' کہا جاتا تھا، جو ریگستانوں اور پہاڑوں پر مشتمل تھا، حجاز زیادہ تر بنجر اور بے آب و گیاہ علاقہ تھا، اسی میں پہاڑیوں سے گھرا ہوا ایک شہر مکہ تھا، جس کی آبادی حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ علیہما السلام کی آمد اور کعبۃ اللہ کی تعمیر سے شروع ہوئی اور یہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

1.3 سیاسی حالات

دور جاہلی میں عربوں کی مختلف حکومتوں کا ذکر ملتا ہے، زیادہ تر یہ حکومتیں یمن کے علاقہ میں قائم ہوئیں۔ لیکن جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے، اس وقت عرب میں عمومی طور پر نراج کی کیفیت تھی، یمن کے علاقہ میں ابتدا میں حبشہ کی حکومت تھی اور عیسائیوں کو غلبہ حاصل تھا، پھر یہ ایرانی عمل داری میں آ گیا۔ شام میں عرب کے ایک قبیلہ ''غسان'' کی حکومت تھی، جو قیصر روم کے زیر اثر تھا۔ باقی دوسرے حصوں اور خاص کر حجاز میں باضابطہ کوئی حکومت نہیں تھی۔ مختلف قبائل اپنے اپنے علاقوں میں حکمراں تھے، اور قبائلی نظام کے تحت اپنے افراد کا تحفظ کرتے تھے، قبائل ایک دوسرے سے امن و امان اور بوقت ضرورت جنگ و مدافعت میں تعاون کا معاہدہ بھی کرتے تھے۔ قبائل میں باہم چپقلش بھی رہا کرتی تھی، اس لئے معمولی معمولی باتوں پر جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی تھی۔ اگر قبیلہ کا ایک شخص کسی کو اپنی پناہ میں لے لیتا، تو یہ پورے قبیلہ کی طرف سے پناہ سمجھی جاتی اور اس کا احترام ضروری سمجھا جاتا تھا۔

مکہ میں عدنان کی نسل سے ایک شخص ''فہر'' پیدا ہوئے، انھیں کا لقب ''قریش'' ہے۔ انھوں نے اپنے خاندان کے بکھرے ہوئے لوگوں کو مکہ میں جمع کیا، کعبہ کی تولیت پر بنو خزاعہ قابض ہو گئے تھے، بنو کنانہ کی مدد سے انھوں نے بنو خزاعہ کو شکست دی، انھیں مکہ سے نکال باہر کیا اور دوبارہ کعبۃ اللہ کی تولیت حاصل کی۔ انھوں نے قریش میں اجتماعیت پیدا کرنے کے لئے ایک شورائی نظام کی بنیاد رکھی اور اجتماعی مسائل پر مشورہ کے لئے ''دارالندوہ'' قائم کیا، جب کوئی اہم بات ہوتی تو قریش کے مختلف قبائل کے سرداران دارالندوہ میں جمع ہوتے اور باہمی مشاورت سے مسائل کو طے کرتے۔

قریش نے انتظامی سہولت کے لئے کعبۃ اللہ کی خدمت اور مکہ کے انتظامی اُمور کو اپنی دس شاخوں پر تقسیم کر دیا تھا، اختصار کے ساتھ یہاں ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

(1) بنو ہاشم: سقایہ اور عمارہ، یعنی زائرین کعبہ کے کھانے پینے کی ذمہ داری اس قبیلہ سے متعلق تھی، حضور ﷺ کی ولادت کے وقت آپ کے دادا حضرت عبد المطلب اس فریضہ کو انجام دیتے تھے، ان کی وفات کے بعد زبیر، ابوطالب اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس کے ذمہ دار قرار پائے--- سقایہ اور عمارہ کی ذمہ داری سب سے زیادہ معزز سمجھی جاتی تھی۔

(2) بنو اُمیہ: یہ اُمورِ جنگ کے ذمہ دار تھے اور قریش کا قومی جھنڈا جس کو ''عقاب'' کہا جاتا تھا، ان کے سپرد تھا، آپ کی بعثت کے وقت بنو امیہ کے سردار حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے یہ ذمہ داری متعلق تھی۔

(3) بنو نوفل: رفادہ یعنی 'غرباء کی نگہداشت اور مدد' کا فریضہ انجام دیتے تھے، جب آپ کی بعثت ہوئی تو اس قبیلہ کے نمائندہ حارث ابن عامر اس کے ذمہ دار تھے۔

(4) بنو عبد الدار: حجابت کعبہ ان سے متعلق تھی، یعنی یہ کعبۃ اللہ کے محافظ تھے، کلید کعبہ انھیں کے پاس رہتی تھی، یہی روزانہ کعبہ کا دروازہ کھولنے اور بند کرنے کے ذمہ دار تھے، آپ کی بعثت کے وقت اس قبیلہ کے ایک رکن حضرت عثمان ابن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کعبہ کے کلید بردار تھے۔

(5) بنواسد : یہ دارالندوہ کے ذمہ دار تھے،مشورہ کے لئے سردارانِ قریش کوطلب کرتے تھے،یہیں بعض اوقات قریشی خواتین کی شادیاں ہوتی تھیں،رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت یہ خدمت یزید ابن زمعہ سے متعلق تھی۔

(6) بنوتیم : انصاف کا شعبہ اس قبیلہ سے متعلق تھا، یہ قصاص، دیت، تاوان وغیرہ کے فیصلے کرتے تھے، بعثتِ نبوی کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کے سربراہ تھے۔

(7) بنومخزوم : جنگ سے متعلق مختلف شعبے تھے، ان میں ایک شعبہ فوجی کیمپ کے انتظام کا تھا، ایک اور شعبہ سوار دستہ کی سپہ سالاری کا تھا، فوج سے متعلق یہ دونوں خدمات بنومخزوم انجام دیا کرتے تھے، آپ ﷺ کی بعثت کے وقت پہلی ذمہ داری حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے اور دوسری ذمہ داری ابوجہل سے متعلق تھی۔

(8) بنوعدی : سفارتی اُموراس قبیلہ سے متعلق تھے، یہ دوسرے قبائل اوراقوام میں قریش کی طرف سے نمائندگی اور ترجمانی کا فریضہ انجام دیتے تھے، بعثت نبوی کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ذمہ داری متعلق تھی۔

(9) بنوجمح : عربوں میں ایک طریقہ بتوں سے استخارہ کا تھا، جسے''ایسار'' کہا جاتا تھا، جب آپ ﷺ نبی بنائے گئے تھے،تو اس کا نگراں صفوان ابن اُمیہ تھا۔

(10) بنوسہم : عربوں میں کثرت سے بتوں پر چڑھاوے کا رواج تھا، ان چڑھائی ہوئی چیزوں کو''اموالِ محجرہ'' کہا جاتا تھا، یہ چڑھاوے کعبہ اوراس کے زائرین کی خدمت اوراہل مکہ کی اعانت کے لئے بڑا اہم ذریعہ تھے،ایک طرح سے اسے مکہ کی اس چھوٹی موٹی حکومت کا خزانہ بھی کہا جاسکتا ہے، اس کی حفاظت ونگرانی بنوسہم سے متعلق تھی اورظہور اسلام کے وقت حارث ابن قیس اس پر مامور تھے۔

قریش کی یہی دس شاخیں اس وقت مکہ مکرمہ میں آباد تھیں، جن میں بنو ہاشم، اور بنوامیہ زیادہ طاقت ور قبائل سمجھے جاتے تھے اوراس نسبت سے ان میں رقابت بھی رہا کرتی تھی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قریش کا اپنا ایک فوجی نظام بھی قائم تھا، بحیثیتِ مجموعی عسکری نظام کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا:

(1) عقاب : یعنی فوجی جھنڈے کا حامل ہونا، اس قبیلہ کی حیثیت سپہ سالار اعظم کی ہوتی تھی۔

(2) قبہ : اس سے مراد فوجی کیمپ کا انتظام اور دیکھ ریکھ تھا۔

(3) آعنہ : فوج کے سوار دستہ کی کمانڈ۔

(4) سفارت : یعنی بین قبائل تعلقات، مراسلت، معاہدات وغیرہ، جن پر جنگ وامن کی بنیاد ہوتی تھی۔

ماقبل بعثت اہل مکہ کے حالات وروایات کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں فی الجملہ عدل وانصاف کے لئے بھی کچھ قوانین مقرر تھے، قصاص اور دیت کے باضابطہ فیصلے ہوتے تھے، یہ اور بات ہے کہ زورآور قبائل بعض دفعہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے سے مکر جاتے تھے، فی الجملہ عدالتی نظام چار عہدوں پر مشتمل تھا :

(1) حکومت : یعنی استغاثہ اور صفائی کے بیان کوسننا اور فیصلہ کرنا، اس میں قریش کے آپسی مقدمات تو ہوتے ہی تھے، بعض اوقات قریش اور دوسرے قبائل کے درمیان بھی مقدمات ہوا کرتے تھے، زمانۂ جاہلیت میں اس شعبہ کے اصل ذمہ دار بنوسہم تھے، اس زمانہ میں مقدمات کا فیصلہ کرنے کے سلسلہ میں ہاشم بن عبد مناف، ابولہب بن عبدالمطلب ، عاص ابن وائل، قیس ابن ساعدہ اور اُمیہ بن صلت کے نام ملتے ہیں اور جیسا کہ مذکور ہوا، بعثت نبوی کے وقت حارث ابن قیس اس شعبہ کے نگران تھے۔

(2) اشناق : یہ فوجداری مقدمات سے متعلق شعبہ تھا، جس میں خوں بہا اور جرمانہ کا فیصلہ کیا جاتا تھا، بنوتیم اس کے نگراں تھے۔

(3) مشورہ : اہم اُمور میں سردارانِ قریش سے مشورہ کا کام 'بنو اسد' کے حوالے تھا۔

(4) ندوہ : دارالندوہ قریش کی اعلیٰ ترین مشاورتی کونسل تھی، جو بنوعبدالدار کے ذمہ تھی --- ان مشاورتی اداروں میں بعض دفعہ آپسی مقدمات بھی زیر بحث آتے تھے، اسی لئے یہ انتظامی شعبہ کے ساتھ ساتھ عدالتی شعبہ سے بھی مربوط تھے۔

اس طرح مجموعی طور پر یہ چودہ عہدے تھے، جو دس قبیلوں پر منقسم تھے، ذمہ دار قبیلہ اپنے قبیلہ میں سے، یا اس کام کی لیاقت رکھنے والے دوسرے قبیلہ کے کسی شخص کو متعلقہ خدمت پر مامور کرتے تھے، اس طرح جہاں نجد، تہامہ اور حجاز کے علاقہ میں عام طور پر کوئی باضابطہ حکومت نہیں تھی، ہر قبیلہ کا کوئی سردار ہوتا تھا اور قبائلی روایات پر عمل کیا جاتا تھا، مکہ میں ایک حد تک ایک بے ضابطہ حکومت کی شکل موجود تھی، جو لاقانونیت کو کنٹرول بھی کرتی تھی، جب ہی اہل مکہ کی عام مخالفت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے رفقا کا نبوت کے بعد تیرہ سال تک مکہ میں قیام ممکن ہو سکا۔

1.4 مذہبی حالات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت جزیرۃ العرب میں بحیثیت مجموعی چار مذاہب موجود تھے، یہودیت، عیسائیت، ستارہ پرستی اور بت پرستی۔ غسان، نجران اور یمن وغیرہ میں زیادہ تر عرب عیسائی تھے، عربوں کی ایک شاخ قضاعہ میں بھی عیسائی مذہب کے ماننے والے لوگ تھے، خود مکہ میں حضرت ورقہ بن نوفل صنہ صرف عیسائی تھے، بلکہ انجیل کے بڑے عالم تھے۔ خیبر، مدینہ، یمن اور شام کے قریب کے بعض علاقوں میں یہودی قبائل آباد تھے، مدینہ اور خیبر میں یہودیوں کے تین مشہور اور بااثر قبائل 'بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع' رہا کرتے تھے، جو عالی شان قلعوں میں مقیم تھے۔ یمن کے کچھ علاقوں میں ستاروں کی پرستش کرنے والے لوگ بھی تھے، جو الگ الگ ستاروں کے پرستار تھے، قبیلۂ حمیر کے لوگ آفتاب کے پرستار تھے، کنانہ چاند کو پوجتے تھے، بنوتمیم، قیس، بنو اسد، لخم اور جذام مختلف الگ الگ ستاروں کی پرستش کرتے تھے، بنوتمیم میں بعض لوگ مجوسی مذہب کے ماننے والے بھی تھے، چنانچہ اس قبیلہ کے سردار زرارہ تمیمی نے مجوسیوں کے طریقہ پر خود اپنی بیٹی سے شادی کر لی تھی۔

لیکن عرب کا بڑا حصہ بت پرستوں پر مشتمل تھا، حجاز اور اس کے مرکزی شہر مکہ میں بت پرستی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، مختلف قبائل اور علاقے خاص خاص بتوں کے عقیدت مند تھے، چنانچہ مکہ مکرمہ میں قریش اور کنانہ کے یہاں خاص طور پر ''عزی'' نامی بت کی پرستش ہوتی تھی، مدینہ منورہ میں ''منات'' کی پوجا کی جاتی تھی، اہل طائف کا خاص بت ''لات'' تھا، مکہ میں سب سے بڑا بت ''ہبل'' تھا، جو کعبۃ اللہ کی چھت پر نصب تھا، یہ انسان کی شکل میں تھا اور سرخ سنگ عقیق سے بنایا گیا تھا، قریش جنگوں میں اسی کی بلندی کا نعرہ لگاتے تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد سے عربوں کا اصل مذہب 'عقیدۂ توحید' تھا اور بت پرستی کے اس غلبہ کے دور میں بھی بعض لوگ اس سے نفرت کرتے تھے، لیکن یہ محض تین چار حضرات تھے، اس سلسلہ میں ورقہ بن نوفل، عبداللہ ابن جحش، عثمان ابن حویرث اور زید ابن عمرو ابن نفیل کا ذکر ملتا ہے، ان میں سے پہلے تین شخص بعد میں عیسائی ہوئے اور زید اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا حامل کہتے تھے۔ مکہ میں بت پرستی کی ابتداء عمرو ابن لحیٔ سے ہوئی، جس کا اصل نام ربیعہ ابن حارثہ تھا، عمرو ابن لحیٔ قبیلۂ بنوخزاعہ کے مورث اعلیٰ ہیں، انھوں نے بنو جرہم کو مکہ سے نکال باہر کر کے حرم کی تولیت حاصل کی تھی، یہ شام کے سفر پر گئے تھے، وہاں انھوں نے لوگوں کو بت پرستی کرتے دیکھا اور چند بت مکہ میں لے آئے، یہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے چند سو سال پہلے کا واقعہ ہے۔ قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں اکا دکا دہریہ بھی تھے، جو خدا کا انکار کرتے تھے، چنانچہ قرآن کی آیت میں ہے: **قَالُوا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا**، (جاثیہ:24) (انھوں نے کہا کہ دنیا کی زندگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے) بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بت پرستی کے باوجود فی الجملہ یہ ایک خدائے اکبر کے بھی قائل تھے اور ان دیوتاؤں اور دیویوں کو اس کے قرب کے لئے وسیلہ خیال کرتے تھے قرآن میں ہے: **مَا نَعْبُدُ**

هُمْ إِلاَّ لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللهِ زُلْفٰى ۔(زمر: 3)(ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کواللہ کا قرب دلائیں گے)۔

مکہ میں بت پرستی کے باوجود حرم کی حرمت اور کعبۃ اللہ کی عظمت تمام ہی عربوں کے دل میں عموماً اور اہل مکہ کے دل میں خصوصاً موجود تھی ، اسی نسبت سے چھ اہم مذہبی عہدے تھے، جن کا ضمنی طور پر اوپر ذکر آچکا ہے :

(1) عمارہ : (کعبہ کی نگرانی)---- یہ بنو ہاشم کے ذمہ تھی۔

(2) سقایہ : (حجاج وزائرین کے لئے پانی کا انتظام)---- یہ خدمت بھی بنو ہاشم کے سپرد تھی۔

(3) رفادہ : (باہر سے آنے والے حجاج کے لئے کھانے وغیرہ کا انتظام)---- یہ خدمت بنونوفل سے متعلق تھی۔

(4) ایسار : (یہ خانۂ کعبہ میں رکھے ہوئے تیر اور پانسے تھے، جن سے لوگ قسمت کا حال معلوم کیا کرتے تھے)---- پانسے دیکھنا بنوجمح کے ذمہ تھا۔

(5) اموال المحجر ہ : (یعنی بتوں کے چڑھاوے اور نقد وجنس اور اوقاف کا انتظام)----- بنوسہم پر اس کی ذمہ داری تھی۔

(6) سدانہ : (کعبۃ اللہ کی دربانی اور کلید برداری)---- اس کے ذمہ دار بنوعبدالدار تھے۔

اہل مکہ کے مذہبی تصورات میں ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ حرم اور حرام مہینوں (رجب، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ) کا خاص طور پر احترام کرتے تھے ، اس میں نہ صرف یہ کہ ناحق چھیڑ چھاڑ سے گریز کرتے تھے، بلکہ مجرموں اور اپنے دشمنوں پر بھی ہاتھ اٹھانے سے بچتے تھے، یہ وہ مذہبی صورتِ حال تھی ، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

1.5 سماجی وتمدنی حالات

جب اسلام کا ظہور از سرِ نو ہوا، تو سماجی اعتبار سے عربوں میں بعض خوبیاں بھی تھیں اور خامیاں بھی ، عام طور پر ان کی طبیعت میں نفاق نہیں ہوتا تھا ، ایفائے عہد کا اہتمام کیا جاتا تھا، صادق القول ہوتے تھے، شجاعت و بہادری کو سرمایۂ فخر تصور کیا جاتا تھا، ان کی ضیافت ضرب المثل تھی ، عام طور پر عورتوں کے بارے میں غیرت مند ہوا کرتے تھے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہدایت آسمانی سے محرومی اور لاقانونیت کی وجہ سے بہت سی برائیاں بھی ان میں پیدا ہوگئی تھیں، شراب نوشی عام تھی ، مذہبی تقریبات بھی جام وسبو کے بغیر نامکمل سمجھی جاتی تھیں۔ نکاح کے لئے کوئی تعداد مقرر نہیں تھی ، دس دس بیویاں کی جاتی تھیں۔ زنا اور بے حیائی کا ایسا غلبہ تھا کہ شعرا اشعار میں اپنی بدکاری کا ذکر کرتے تھے، کہیں کہیں چند شوہری کا بھی رواج پایا جاتا تھا، جسے نکاح ''رھط'' کہتے تھے۔ پیشہ ورخواتین علی الاعلان اپنے گھروں پر جھنڈا نصب کئے رہتی تھیں ، جو دعوتِ گناہ کی ایک صورت تھی۔ باپ کے بعد سوتیلی ماں کو اپنے تصرف میں لے آتے تھے، اچھی نسل کے حاصل کرنے کے لئے اپنی بیوی کو دوسرے مردوں کے پاس بھیجنے سے بھی گریز نہیں ہوتا تھا۔

عورتوں کے ساتھ بڑی زیادتی روا رکھی جاتی تھی ، طلاق کی کوئی حد نہیں تھی ، اور سینکڑوں طلاق پانے کے بعد بھی مظلوم عورت اپنے شوہر سے نجات نہیں پاسکتی تھی۔ انھیں میراث میں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ شوہر کی وفات کے بعد ایک سال کی عدت ہوتی تھی اور یہ عدت بھی اصطبل وغیرہ میں گذارنی پڑتی تھی۔ بعض قبائل میں لڑکیاں زندہ دفن کردی جاتی تھیں ، جنگ میں جو لوگ فتح یاب ہوا کرتے تھے ، وہ مقتولین کی عورتوں کو برسرِ عام بے آبرو کرتے تھے۔ غلاموں اور باندیوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔یتیموں کے مال پر قابض ہوجاتے تھے، اگر دشمن پر قابو پالیتے ، تو ان کا مثلہ کرتے ، یہاں تک کہ فخر یہ ان کی کھوپڑی میں شراب پیتے۔ غیر قریش کو اگر قریش کی طرف سے کوئی کپڑا نہیں مل پاتا، تو دن میں مرد اور رات میں عورتیں بے لباس کعبۃ اللہ کا طواف کیا کرتے۔ نسلی اور قبائلی تعصب حد سے گذرا ہوا تھا، اس تعصب کا اثر شادی بیاہ اور جنگ سے لے کر عباداتی

رسوم تک وسیع تھا، اسی لئے قریش حج میں 'مزدلفہ' یعنی حدودِ حرم سے آگے نہیں جاتے تھے اور عرفات میں جانے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے، انھوں نے کعبۃ اللہ کا دروازہ اسی لئے اونچا کر دیا تھا کہ عام لوگ قریش کی اجازت کے بغیر کعبہ میں داخل نہ ہو سکیں، غرض کہ بے شمار سماجی برائیاں عرب معاشرہ میں پیدا ہو گئی تھیں۔

تمدنی اعتبار سے حجاز میں ایک گروہ نسبتاً متمدن لوگوں کا تھا، جو شہروں میں آباد تھا، لیکن ان کی زندگی بھی بہت سادہ تھی، گھروں میں بیت الخلاء نہیں ہوتے تھے، میدانوں میں قضائے حاجت کی جاتی تھی، خورد و نوش میں تنوع نہیں تھا۔ مکانات کچی اینٹوں اور پتھروں کے بنائے جاتے تھے۔ لباس پُر وقار اور موسم کے لحاظ سے پورے جسم کو چھپائے رکھنے والا ہوتا تھا۔ بعض روایتوں کے مطابق ظہورِ اسلام کے وقت مکہ میں سترہ افراد اور مدینہ میں گیارہ افراد یا اس سے کچھ زیادہ لوگ تھے، جو لکھنے پڑھنے کے فن سے واقف تھے اور اَن پڑھ ہونے کو قابلِ مذمت خیال نہیں کرتے تھے، اس لئے اپنے اُمّی ہونے پر انھیں فخر تھا، البتہ شعر و سخن اور خطابت کے شہسوار تھے اور قدر شناس بھی۔ حجاز میں ایک گروہ خانہ بدوشوں کا تھا، جو اپنے خیموں کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہتا تھا، یہ تمدن سے اور بھی دور تھا۔

1.6 معاشی حالات

معاشی اعتبار سے زیادہ تر تین پیشے پائے جاتے تھے: مویشیوں کی پرورش، تجارت اور کاشت کاری۔ مکہ کے لوگ زیادہ تر تاجر تھے اور مدینہ کے لوگ زیادہ تر کاشت کار، کیوں کہ مکہ میں زراعت کے لائق زمین نہیں تھی، سامانِ ضرورت کی فراہمی کا بڑا ذریعہ تجارتی اسفار اور تجارتی میلے ہوا کرتے تھے، اہلِ حجاز گرما میں شام کا اور سرما میں یمن کا تجارتی سفر کیا کرتے تھے اور سال کے مختلف مہینوں میں تجارتی میلے لگا کرتے تھے، جن میں حج کے اجتماع کے علاوہ ذوقعدہ میں لگنے والا عکاظ کا میلہ بڑا اہم تھا۔ حج کے موسم میں ذوالمجاز اور منیٰ میں بڑے میلے لگا کرتے تھے، اس کے علاوہ بعض چھوٹی صنعتیں، جیسے خنجر سازی اور کپڑا بنائی وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔ مویشی بھیڑ، بکریاں، گھوڑے اور اونٹ کی پرورش عرب کے تمام علاقوں میں مروج تھی اور یہ ان کی غذائی اور سفری ضروریات کی تکمیل کا بڑا اہم ذریعہ تھی۔ ریگستان کے مخصوص حالات کی وجہ سے ان کی خاص سواری اونٹ تھی، سودی کاروبار عام تھا، جوا کی مختلف شکلیں مروج تھیں اور مزدوروں اور غریبوں کا مختلف طریقوں سے استحصال کیا جاتا تھا۔

1.7 خلاصہ

- عرب سام ابن نوح کی نسل سے ہیں۔ اور عرب عدنانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے پیدا ہونے والے قبائل ہیں، جو شروع سے حجاز کے علاقے میں قیام پذیر ہوئے۔
- بعثتِ نبوی ﷺ سے پہلے عالمِ عرب میں نراج کی کیفیت تھی، البتہ قبائلی نظام کے تحت لوگوں کا تحفظ ہوتا تھا، مکہ میں بھی کوئی باضابطہ حکومت نہیں تھی، لیکن ایک کمزور سا حکومتی نظام قائم تھا۔
- عرب میں اس وقت بت پرستی کے علاوہ یہودیت، عیسائیت، مجوسیت اور ستارہ پرستی بھی موجود تھی اور مکہ میں حرم اور کعبہ کی نسبت سے مختلف مذہبی شعبے مختلف قبیلوں کے زیرِ نگرانی تھے۔
- بعثتِ نبوی ﷺ کے وقت عرب کی سماجی حالت نہایت ہی زوال و انحطاط کا شکار تھی اور تمدنی اعتبار سے بھی کچھ زیادہ بہتر حال نہیں تھا۔
- عام طور پر عرب قبائل کا ذریعۂ معاش تجارت، کاشت کاری اور مویشیوں کی پرورش تھی اور سامانِ ضرورت تجارتی اسفار اور تجارتی میلوں کے ذریعہ حاصل ہوا کرتے تھے۔

1.8 نمونۂ امتحانی سوالات

(1) بحیرۂ قلزم کا دوسرا نام .... ہے۔

(2) مورخین نے عرب قبائل کو .... حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(3) قریش نے انتظامی سہولت کے لئے کعبۃ اللہ کی خدمت اور مکہ کے انتظامی اُمور کو اپنی .... شاخوں پر تقسیم کردیا تھا۔

(4) دور جاہلی میں اہم اُمور میں سردارانِ قریش سے مشورہ کا کام قبیلہ '............' کے حوالہ تھا۔

(5) باہر سے آنے والے حجاج کے لئے کھانے وغیرہ کا انتظام کرنے کی ذمہ داری کو .... کہتے ہیں۔

مختصر جوابی سوالات:

(1) عرب اپنے آپ کو عرب کیوں کہتے تھے؟

(2) قریش کے مختلف قبائل سے کیا کیا انتظامی ذمہ داریاں متعلق تھیں؟

(3) مکہ میں کیا کیا فوجی عہدے تھے؟

(4) دور جاہلی میں معاشی حالات پر مختصر نوٹ لکھیے۔

(5) جزیرۃ العرب کے جغرافیائی نقشہ پر ایک نوٹ لکھیے۔

طویل جوابی سوالات:

(1) عرب میں مذہبی اعتبار سے کیا کیا ذمہ داریاں تھیں اور کون قبیلہ اس کا ذمہ دار تھا؟ بیان کیجیے۔

(2) بعثت نبوی ﷺ سے پہلے عرب میں کیا کیا مذاہب تھے اور مختلف قبائل خاص طور پر کن بتوں کی پوجا کرتے تھے؟

(3) دور جاہلی میں عربوں کے سماجی و تمدنی حالات کیا تھے؟ بیان کیجیے۔

(4) بعثت کے وقت عربوں کے معاشی ذرائع و وسائل پر مضمون لکھیے ۔

(5) جزیرہ عرب کے سیاسی حالات پر ایک مضمون قلم بند کیجیے۔

1.9 سفارش کردہ کتابیں

1۔ سیرۃ النبی (اول و دوم)	علامہ شبلی نعمانی / علامہ سید سلیمان ندوی
2۔ رحمت للعالمین	قاضی سلیمان منصور پوری
3۔ اصح السیر	مولانا عبدالرؤف دانا پوری
4۔ محمد عربی	ڈاکٹر حمید اللہ
5۔ سیرت سرور عالم	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
6۔ نبیٔ رحمت	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
7۔ سیرۃ المصطفیٰ	مولانا محمد ادریس کاندھلوی
8- سیرۃ المجتبیٰ	جناب مصباح الدین شکیل
9- الرحیق المختوم	مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

۔:oOo:۔

اکائی 2 : جزیرہ عرب میں یہودیت اور عیسائیت

اکائی کے اجزا

2.1 تمہید

2.2 دین ابراہیمی

2.3 یہودیت

2.3.1 مذہبی کتاب

2.3.2 عقائد

2.3.3 مذہبی رسوم

2.4 عیسائیت

2.4.1 عقائد

2.4.2 مذہبی کتابیں

2.5 خلاصہ

2.6 نمونہ امتحانی سوالات

2.7 سفارش کردہ کتابیں

2.1 تمہید

اس اکائی میں دور جاہلی کے جزیرہ عرب میں موجودہ دومشہور ومعروف سامی مذاہب یعنی یہودیت اور عیسائیت کا تعارف کرایا جائیگا۔ یہودیت کے بارے میں بتایا جائے گا کہ اس کا آغاز کہاں سے ہوا، کن کن کتابوں کو یہودی اپنی مقدس مذہبی کتابیں شمار کرتے ہیں، خدااورانسان کے بارے میں ان کے عقائد کیا ہیں اور وہ اپنے مذہبی تہوار میں کیا رسوم انجام دیتے ہیں؟ اس کے بعد دوسرے بڑے مذہب عیسائیت کے آغاز وارتقا پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے مشہور عقائد اور مذہبی رسومات کا تعارف کرایا جائے گا اور آخر میں ان کی بنیادی مذہبی کتاب بائبل کا تعارف کرایا جائے گا۔

2.2 دین ابراہیمی

جزیرہ عرب کے شمالی اور جنوبی علاقے دور جاہلیت میں دینِ ابراہیمی سے وابستہ تھے۔ دور جاہلی کا حجاز بین الاقوامی تجارتی کوریڈور پر واقع تھا، جو شام کے ذریعے روم اور بازنطین سے اور یمن کے ذریعے ایک جانب حبشہ اور ہند سے اور دوسری جانب فارس سے جڑا ہوا تھا۔

حجاز میں مکہ اور یثرب توحید الٰہی اور دینِ ابراہیمی کے دو بڑے مرکز تھے۔ یثرب میں دو جنوبی عرب کے قبیلے، اوس وخزرج، وہاں آباد تھے اور وہ

بھی رواجی دین عرب کے ساتھ دین ابراہیمی سے تعلق رکھتے تھے۔ یہودیت اور عیسائیت کا رشتہ جزیرہ عرب سے کافی قدیم تھا۔ یہودیوں کے متعدد قبیلے یثرب اور اس کے اطراف کے علاقوں میں سکونت پذیر تھے۔گو کہ وہ دین ابراہیمی کی شاخیں تھیں انہوں نے اصل دین میں انحرافات پیدا کر کے اس کی اصل صورت بگاڑ کر اسے یہودیت بنا دیا تھا۔

اس دور کا جزیرہ عرب ان یہودی اور عیسائی آبادی کے مذہب اور ثقافت سے کچھ حد تک متاثر تھا۔ یہود و نصاریٰ کے کئی مذہبی رسوم و رواج کا مقامی عرب کو علم تھا۔ یہ تجارت اور دیگر قسم کے میل ملاپ کا نتیجہ تھا۔مثال کے طور پر اہل یثرب کو یہود کے روزہ اور نماز کا علم تھا، کیونکہ وہ ان کے درمیان موجود تھے۔عراق اور شام کے عربوں کو نصاریٰ کے مذہبی طقوس کا علم تھا، کیونکہ ان میں ایسے عرب قبائل موجود تھے جو عیسائی ہو گئے تھے۔

اس تعریف کے ساتھ ہم اب ان دونوں سامی مذاہب کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں۔

2.3 یہودیت

یہودی اپنے آپ کو جس نبی کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ حضرت موسیٰ ہیں،جن کو ''موزز'' بھی کہا جاتا ہے، یہ رمسیس فرعون کے زمانہ میں مصر میں پیدا ہوئے، جو تقریباً 1234 قبل مسیح کی بات ہے،آپ کے والد کا نام ''عمرام یا عمران'' والدہ کا نام ''یوخابذ یا یوکابذ'' ہے،آرون (ہارون) موسیٰ کے بڑے بھائی اور مریم بڑی بہن تھیں، یہود کہتے ہیں کہ فرعون کی بیٹی نے آپ کو آغوش میں لیا اور ایک شاہزادہ کی طرح فرعون کے دربار میں آپ کی تربیت ہوئی،آپ آغاز عمر میں میڈین (مدائن) گئے اور پیشوا بن گئے،مصر سے اسرائیلیوں کو فرعون کی غلامی سے آزاد کرا کر کنعان کے نواح میں پھرتے رہے،''پس گاہ'' کے پہاڑ کے پاس آپ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔

2.3.1 مذہبی کتاب

-1 عہد نامہ عتیق (Old Testament) یعنی بائبل کا وہ حصہ جو عہد نامۂ عتیق کے نام سے شامل ہے، یہ عبرانی زبان میں 39 / کتابیں ہیں،ان میں قانون اور پیغمبروں وغیرہ کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

بائبل کے جملہ 1189 / ابواب ہیں،جن میں سے 929 / عہد عتیق میں اور 260 / عہد جدید میں ہیں، اور عہد عتیق میں 23214 / ورسیس (جملے) اور عہد جدید میں 7959 / جملے ہیں، کہا جاتا ہے کہ ساری بائبل میں 74,680 / الفاظ ہیں۔

-2 اپاکریفا: یہ وہ مذہبی تحریرات ہیں جن کا وجود عبرانی زبان کے عہد عتیق میں نہیں پایا جاتا،مگر یہودی اور عیسائی اس کو مانتے ہیں، وہ صرف یونانی زبان کے سپٹوا جنٹ اور لاطینی ولگیٹ میں پائی جاتی ہیں،ان تحریرات میں مطالب کو مثالوں کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے۔

-3 سپٹوا جنٹ:عبرانی کتابوں کا یونانی ترجمہ ہے،جس کو تیسری اور دوسری صدی قبل مسیح میں اسکندریہ میں یہودی علما نے مرتب کیا تھا۔

-4 ولگیٹ: بائبل کا لاطینی ترجمہ ہے،جس کو جروم نے چوتھی صدی عیسوی میں لکھا تھا، ولگیٹ کا مکمل ترجمہ انگریزی میں سب سے پہلے جان ویکلف نے 1380ء میں کیا۔

-5 تالمود: ربیین کی مختلف تحریرات کے مجموعہ کا نام ہے،جس کو یہودیوں میں بائبل کا رتبہ دیا جاتا ہے،''ربی'' عبرانی لفظ ہے،جس کے معنی ہیں: میرا مالک، ربی سے مراد وہ عالم ہے جو یہودی قانون اور رسم و رواج کی نسبت فتویٰ دیتا ہے، تالمود کو بعض حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بعض عذراء کی طرف،--تالمود کے دو حصے ہیں: (1) مشنا، (2) جمارا۔ مشنا میں قواعد اور فرائض کا ذکر ہے، اور جمارا میں اس کی شرح ہے۔

2.3.2 عقائد (الف) خدا کا تصور:

یہودی مذہب میں ایک خدا کا تصور ہے، چنانچہ وہ کلمہ جو خدا نے موسیٰ کی زبان سے یہودیوں کو سنایا تھا، اور بچے کو بچپن میں پہلی بات جو سکھائی

جاتی ہے، یہی کلمہ ہے، زندگی کی آخری سانس میں اس کلمہ کا دہرانا باعث نجات ہے،کلمہ اس طرح ہے :

شِیمَا یَسْروئِلُ اَدُوْنَائے اِلُوْهِیمَا اَدُوْنَاهے اِکُوْدُ ۔(عبرانی)

سنو! اے اسرائیل رب ہمارا خدا ہے، رب ایک ہے۔

(ب) خدا کے اوصاف:

''میں ہوں جو ہوں سو ہوں'' موسیٰ کی زبان سے خدا کہتا ہے کہ دوسری ساری مخلوق بالکلیہ اس کی محتاج ہے، ساری نیکیاں اسی سے نکلتی ہیں، وہ بذاتہٖ خدا ہے، اس معنی میں نہیں کہ اس کا جسم ہے، وہ انسان کے ساتھ اپنی مرضی سے عمل کرتا ہے، انصاف، مہر، اور محبت سے۔

(ج) انسان کی حیثیت:

انسان مشت خاک ہے، لیکن اس میں نورالٰہی کی تجلی ہے، انسان خدا کی صورت پر بنایا گیا ہے، یعنی اس میں آزادی اور خود مختاری ہے، وہ قدرت کے تحت زندگی بسر کرتا ہے، لیکن ہر وقت اس کو نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کا اختیار حاصل ہے، انسان ہونے کی حیثیت سے انسان گناہ سے نہیں بچ سکتا۔ آدم کا جنت سے اتارا جانا ایسا دھبہ نہیں ہے جو وراثتاً منتقل ہوتا رہا، بلکہ وہ ایک ایسی فطری کمزوری ہے جو بار بار دہرائی جاتی ہے۔ خدا سے محبت کرنے کے لئے اس کی صفات کی تقلید کرے اور اس کے حصول کے لئے بنی نوع انسان سے محبت اور ہمدردی کرے۔

(د) دیوار گریہ:

مسجد اقصیٰ کی مغربی دیوار کو ویلنگ وال (دیوار گریہ) کہتے ہیں، یہ دیوار حضرت سلیمان کے زمانہ سے چلی آرہی ہے، اور یہودیوں کے یہاں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

(ہ) یہودیوں کے دوسرے عقائد:

یہودیوں کا خیال ہے کہ وہ اللہ کا کنبہ ہیں اور یہودیوں کی روح اللہ کا جزو ہے، ان کے نزدیک ایک یہودی اور غیر یہودی میں وہی فرق ہے جو انسان اور جانور کے درمیان ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ یہودی اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے آخرت، حشر ونشر، جنت وجہنم وغیرہ کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔

2.3.3 مذہبی رسوم

سبت: یعنی ہفتہ کا دن یہودیوں کے یہاں عبادت وآرام کے لئے خاص ہے۔ یہ دن جمعہ کے روز سورج کے غروب سے شروع ہوتا ہے اور دوسرے دن سورج کے غروب پر ختم ہوتا ہے، جمعہ کی شام کو گھر کی مالکہ سات شاخوں والی شمع جلاتی ہے۔ صاحب خانہ کھانے کی میز پر جام شراب پر قدوس پڑھتا ہے، سبت کی صبح کی عبادت خاص اہمیت رکھتی ہے، اس دن تورات کی تلاوت ثواب میں داخل ہے۔

پاسُوْوَرْ:

یہ اہم عید ہے جو سات روز منائی جاتی ہے، یہ فرعون کی غلامی سے اسرائیلیوں کی خلاصی پانے کی یادگار ہے، اس کے لئے ایک پر تکلف ضیافت ترتیب دی جاتی ہے۔

یوم کپور:

اس کو بخشائش کا دن تصور کیا جاتا ہے، جو سالِ نو کے سات دن بعد آتا ہے، اس میں یہود ۲۴/ گھنٹے روزہ رکھتے ہیں، گناہ سے توبہ کرتے ہیں اور دُعا مانگتے ہیں۔

ہنوخہ:

یہ چراغوں کی عید ہے، جو نومبر یا دسمبر میں منائی جاتی ہے، یہ عید اہل یہود میں اس طرح منائی جاتی ہے جیسا کہ کرسمس عیسائیوں میں منائی جاتی ہے۔

معلومات کی جانچ

1۔ یہودی مذہب کی کتابوں کے کیا نام ہیں؟

2۔ یہودیت کے مذہبی رسوم کیا کیا ہیں؟

2.4 عیسائیت

عیسائی مذہب حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب ہے، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں عیسائیت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے :

وہ مذہب جو اپنی اصلیت کو ناصرہ کے باشندے یسوع کی طرف منسوب کرتا ہے اور اسے خدا کا منتخب (مسیح) مانتا ہے۔

حضرت عیسیٰ فلسطین کے ایک مشہور شہر ''بتلہم'' (بیت اللحم) میں پیدا ہوئے، آپ کا کوئی باپ نہیں، والدہ کا نام حضرت مریم ہے۔ اکثر عیسائیوں کا خیال ہے کہ ولادت کے کچھ دنوں بعد آپ کو کنیسہ لے جایا گیا، پھر آپ نے ناصرہ میں اپنے خاندان میں پرورش پائی، آپ کے بچپن کا ایک اہم واقعہ بتایا گیا ہے کہ بارہ سال کی عمر میں یروشلم میں کنیسہ کے مذہبی علماء کے ساتھ آپ نے بحث کی تھی، تیس سال کی عمر تک آپ نجاری کا پیشہ انجام دیتے رہے، اس کے بعد آپ کے ایک رشتہ دار ''جان'' (یحیٰ) نے شرق اردن میں آپ کا بپتسمہ کیا، آپ نے چالیس دن صحرانوردی کی، لوٹ کر آئے تو بارہ پیروؤں کو جمع کیا اور ان کو ساتھ لے کر تین برس گھومتے پھرتے اور تعلیم وتلقین کرتے رہے، آپ کی ایک تقریر ''سرمن آن دی ماونٹ'' (پہاڑ پر وعظ) کے نام سے مشہور ہے، آپ سے بہت سے معجزے ظہور میں آئے۔ آپ زیادہ تر حکومت کے نمائندوں پر تنقید کرتے اور ان کے سلوک پر اعتراض کرتے۔ آپ کے ملفوظات میں ہے کہ خدا اپنے بندوں کے ساتھ بے حد محبت کرتا ہے، آپ کی تقریریں حکمت اور دانشمندی سے بھرپور ہوتی تھیں، عیسائیوں کے مطابق آپ نے اپنی حیثیت خدا کے بیٹے کی ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپ بیٹے کی حیثیت سے خدائی پیغام انسانوں تک پہنچاتے ہیں۔

حکام وقت نے آپ کی اس تعلیم کو عوام کے لئے مضر قرار دیا اور آپ کو اس کی تبلیغ سے روکنا چاہا، آپ یروشلم میں اپنے پیروؤں کے ساتھ آخری کھانا (Last Supper) کھا چکے تھے کہ آپ کے ایک پیرو ''جوڈس اسکاریٹ'' کی مخبری سے آپ کو گرفتار کیا گیا، اور ''پن ٹیس پیلیٹ'' کے روبرو آپ کے حالات کی تحقیقات کی گئی، آپ نے دوران تحقیقات انتہائی عزم و استقلال کا ثبوت دیا، کچھ تذبذب کے بعد پیلیٹ نے سزائے موت تجویز کی، عیسائیوں کی اکثریت کے عقیدہ کے مطابق آپ کو کالواری کے ٹیلہ پر سولی پر چڑھا دیا گیا اور وہ بھی دو سارقین کے ساتھ۔ عیسائیوں کے گمان کے مطابق جس دن آپ نے وفات فرمائی، اس کو گڈ فرائی ڈے (مبارک جمعہ) کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ جوزف نامی ایک شخص نے آپ کے جسدِ مبارک کو لے کر دفنایا، وہ کہتے ہیں کہ تیسرے دن آپ قبر سے نمودار ہوئے اور اکثر و بیشتر اپنے پیروؤں پر ظاہر بھی ہوتے رہے، چالیس دن کے بعد ان پیروؤں کے روبرو آپ نے آسمان کی طرف رجوع کیا۔

2.4.1 عقائد

عیسائی خدا پر ایمان، آخرت پر ایمان، حشر ونشر پر ایمان اور جنت وجہنم پر ایمان رکھتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ان کے کچھ دوسرے قابل ذکر عقائد ہیں جو حسب ذیل ہیں :

عقیدۂ تثلیث

عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (Persons) سے مرکب ہے، تین اقانیم سے کون مراد ہیں؟ بعض عیسائی حضرات کے نزدیک تین اقانیم سے مراد خدا (باپ) عیسیٰ (بیٹا) اور روح القدس ہے،-------- روح القدس سے مراد باپ اور بیٹے کی صفتِ حیات اور صفت محبت ہے، جس کی وجہ سے بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے محبت کرتا ہے، یہ صفت ایک جوہری وجود رکھتی ہے۔ اور باپ بیٹے کی طرح قدیم اور جاودانی ہے، اس لئے ایک مستقل اقنوم ہے۔

بعض عیسائیوں کے نزدیک تین اقانیم سے مراد خدا، (باپ) عیسیٰ (بیٹا) اور کنواری مریم ہے۔

توحید در تثلیث

اکثر عیسائی حضرات تینوں اقانیم کو مستقل مان کر بھی ایک ہی سمجھتے ہیں، اس سلسلہ میں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں لکھا گیا ہے کہ:

> تثلیث کے عیسائی نظریئے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جاسکتا ہے، کہ باپ خدا ہے، بیٹا خدا ہے، اور روح القدس خدا ہے، لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہے۔

عقیدۂ حلول و تجسم

اکثر عیسائیوں کا خیال ہے کہ خدا کی صفت کلام ایک جوہر ہے، جو خدا کی ماہیت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے، اسی صفت کے ذریعہ تمام اشیاء پیدا ہوئی ہیں، خدا کی یہی صفت ''یسوع مسیح'' کی انسانی شخصیت میں حلول کرگئی تھی، جس کی وجہ سے یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے۔

عقیدۂ مصلوبیت

عیسائی مذہب کے مطابق حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے پنطیس پلاطیس (پن ٹیس پیلیٹ) کے حکم سے سولی پر چڑھادیا تھا، اور اس سے ان کی وفات ہوگئی، تاہم عیسائیوں کے اکثر فرقوں کے نزدیک پھانسی اقنوم: ''ابن'' کونہیں دی گئی، جو ان کے نزدیک خدا ہے، بلکہ اس اقنوم ابن کے انسانی مظہر یعنی حضرت مسیح کو دی گئی، جو اپنی انسانی حیثیت میں خدا نہیں تھا، بلکہ مخلوق تھا۔

بہرحال عیسائیوں کے مطابق حضرت مسیح سولی پر وفات پانے اور قبر میں دفن ہونے کے بعد تیسرے دن پھر زندہ ہوگئے تھے اور حواریوں کو کچھ ہدایات دینے کے بعد آسمان پر تشریف لے گئے۔

عقیدۂ کفارہ

عقیدۂ کفارہ عیسائیوں کے بنیادی عقائد میں سے ایک ہے، کفارہ سے کیا مراد ہے؟ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> ''عیسائی علم عقائد'' میں ''کفارہ'' سے مراد یسوع مسیح کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعہ ایک گناہ گار انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہوجاتا ہے، اس عقیدے کی پشت پر دو مفروضے کارفرما ہیں، ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہوگیا تھا، دوسرے یہ کہ خدا کی صفت کلام (بیٹا) اس لئے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کردے۔

یعنی ان کے نزدیک حضرت آدم نے شجرۂ ممنوعہ کھا کر ایک گناہِ عظیم کیا اور وہ گناہ انسان میں منتقل ہوتا رہا، حضرت عیسیٰ نے سولی پر چڑھ کر تمام انسانیت کے گناہ کو دھودیا۔

بپتسمہ

یہ ایک قسم کا غسل ہوتا ہے، جو عیسائی مذہب میں داخل ہونے والے کو دیا جاتا ہے اور اس کے بغیر کسی انسان کو عیسائی نہیں کہا جا سکتا، عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان یسوع مسیح کے واسطے سے ایک بار مر کر دوبارہ زندہ ہوتا ہے، موت کے ذریعہ اسے ''اصلی گناہ'' کی سزا ملتی ہے اور نئی زندگی سے اسے آزاد قوت ارادی حاصل ہوتی ہے۔

عشاء ربانی

مشہور عالم جسٹن مارٹر اپنے زمانہ میں اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھتے ہیں کہ ہر اتوار کو کلیسا میں ایک اجتماع ہوتا ہے، شروع میں کچھ دُعائیں اور نغمے پڑھے جاتے ہیں، اس کے بعد حاضرین ایک دوسرے کا بوسہ لے کر مبارک باد دیتے ہیں، پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے اور صدر مجلس اس کو لے کر باپ، بیٹے اور روح القدس سے برکت کی دُعا کرتا ہے، جس پر تمام حاضرین آمین کہتے ہیں، پھر کلیسا کے خدام (Deacons) روٹی اور شراب کو تمام حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں، اس عمل سے فوراً روٹی مسیح کا بدن بن جاتی ہے اور شراب مسیح کا خون، اور تمام حاضرین اسے کھا پی کر اپنے عقیدۂ کفارہ کو تازہ کرتے ہیں۔

2.4.2 مذہبی کتابیں

عیسائیوں کی بنیادی مذہبی کتاب بائبل کا عہد نامۂ جدید (New Testament) ہے، جس میں چار بنیادی انجیلیں ---- انجیل یوحنا، انجیل مرقس، انجیل لوقا، انجیل متی ---- شامل ہیں، ان کے علاوہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں اور ان حواریوں کے تلامذہ کے مکتوبات، مکاشفات اور الہامات پر مشتمل صحائف بھی ہیں، نیز بائبل کے عہد عتیق پر بھی عیسائی ایمان رکھتے ہیں، جس کا یہودیوں کی مذہبی کتابوں کے ضمن میں ذکر آچکا ہے، بعض ایسی انجیلیں بھی ہیں جو موجودہ عیسائی فرقوں کے نزدیک معتبر نہیں مانی گئی ہیں، جیسے انجیل برناباس۔

معلومات کی جانچ

1۔ عیسائی مذہب کے عقائد کیا کیا ہیں؟

2۔ عہد نامہ جدید میں چار اناجیل کو شامل کیا گیا ہے۔ ان کے کیا نام ہیں؟

2.5 خلاصہ

اس اکائی میں یہودیت کا تعارف کراتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اس مذہب کے ماننے والے اپنے آپ کو حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں ،جن کا زمانہ تیرہویں صدی قبل مسیح میں ہے۔ حضرت موسیٰ کی پرورش رمسیس فرعون کے دربار میں مصر میں ہوئی، آپ نے اسرائیلیوں کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائی۔

یہودیوں کی مذہبی کتابوں میں عہد نامہ عتیق، اپاکریفا، سپٹواجنٹ، ولگیٹ اور تالمود کا ذکر کیا جاتا ہے، عہد نامہ عتیق میں قانون اور پیغمبروں کے حالات ہیں۔ اور تالمود جو ربیین کی مختلف تحریروں کے مجموعہ کا نام ہے، اس کے دو حصے ہیں: ایک مشنا، جس میں قواعد اور فرائض کا ذکر ہے اور دوسرے جمارا، جس میں اس کی شرح ہے۔

یہودی ایک خدا کا تصور رکھتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ ساری مخلوق خدا کی محتاج ہے، ساری نیکیاں اسی سے نکلتی ہیں اور وہ انسان کے ساتھ اپنی مرضی سے عمل کرتا ہے، انسان ایک مشت خاک ہے لیکن اس کو نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ یہودیوں کا خیال ہے کہ وہ اللہ کا کنبہ ہیں اور ایک یہودی اور غیر یہودی میں وہی فرق ہے جو انسان اور جانور کے درمیان ہوتا ہے۔

یہودیت کے مذہبی رسوم میں سبت یعنی ہفتہ کا دن عبادت اور آرام کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ پاسُوۡوَر (Passover) ایک اہم عید ہے جو سات روز منائی جاتی ہے، یوم کپور بخشائش کا دن ہے جو سال نو کے بعد آتا ہے، اور ہنوخہ چراغوں کی عید ہے جو بڑی اہمیت کے ساتھ منائی جاتی ہے۔

اس کے بعد عیسائیت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ مذہب حضرت عیسی کی طرف منسوب ہے جو بیت اللحم میں پیدا ہوئے، ناصرہ میں پرورش ہوئی۔ بڑے ہو کر تعلیم و تلقین کرتے رہے، آپ سے بہت سے معجزے ظاہر ہوئے۔ حکام وقت نے آپ کی تعلیم کو عوام کے لیے مضر قرار دیا، آپ کو سزا دی اور جس دن آپ کی وفات ہوئی اس کو گڈ فرائی ڈے کہتے ہیں۔

عیسائیوں کے مشہور عقائد میں عقیدۂ تثلیث ہے جس کا مطلب ہے کہ خدا تین اقانیم سے مرکب ہے، اس کے علاوہ عقیدۂ حلول، عقیدۂ مصلوبیت اور عقیدۂ کفارہ ہے۔ عیسائی مذہب میں داخل ہونے والے کو ایک قسم کا غسل دیا جاتا ہے جس کو بپتسمہ کہتے ہیں۔ اسی طرح ہر اتوار کو کلیسا میں وہ مخصوص طریقے پر روٹی اور شراب کھاتے ہیں جس کو عشاء ربانی کہا جاتا ہے۔

ان کی مذہبی بنیادی کتاب بائبل کے عہد نامۂ جدید میں چار بنیادی انجیلیں داخل ہیں، یہ ہیں: انجیل یوحنا، انجیل مرقس، انجیل لوقا اور انجیل متی۔ ان کے علاوہ حواریوں اور ان کے تلامذہ کے مکتوبات، مکاشفات اور الہامات پر مشتمل صحائف بھی اس میں شامل ہیں۔

2.6 نمونۂ امتحانی سوالات

(1) یوم .... ، جو سالِ نو کے سات دن بعد آتا ہے، اس میں یہود ۲۴/ گھنٹے روزہ رکھتے ہیں، گناہ سے توبہ کرتے ہیں اور دُعا مانگتے ہیں۔

(2) ربیین کی مختلف تحریرات کے مجموعہ کا نام .... ہے۔

(3) حضرت عیسیٰ فلسطین کے ایک مشہور شہر .... میں پیدا ہوئے۔

(4) عیسائی مذہب میں داخل ہونے والے کو .... (ایک قسم کا غسل) دیا جاتا ہے۔

(5) عہد نامۂ جدید میں .... بنیادی انجیلیں داخل ہیں۔

مختصر جوابی سوالات:

(1) یہودیت کے بانی کے مختصر حالات بیان کیجیے۔

(2) یہودیوں کے کسی تین عقیدوں پر نوٹ لکھیے۔

(3) عقیدۂ تثلیث سے کیا مراد ہے؟ بیان کیجیے۔

(4) عقیدۂ کفارہ کیا ہے؟ بیان کیجیے۔

(5) ''عشاء ربانی'' کیا چیز ہے؟ بیان کیجیے۔

طویل جوابی سوالات:

(1) یہودیت کی تاریخ پر ایک مضمون لکھیے۔

(2) یہودیوں کے رسوم کا تعارف پیش کیجیے۔

(3) حضرت عیسیٰ کی نبوت پر روشنی ڈالیے۔

(4) بائبل کے بارے میں اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

(5) تالمود کا تعارف پیش کیجیے۔

2.7 سفارش کردہ کتابیں

1۔ بائبل سے قرآن تک ۔ (ترجمہ اظہار الحق)	مولانا رحمت اللہ کیرانوی (اُردو)
2۔ الیہود، نشاتھم وعقیدتھم ومجتمعھم	زکی شنودہ (عربی)
3۔ الأدیان، والفرق والمذاہب المعاصرہ	عبدالقادر شبیۃ الحمد (عربی)
4۔ التوراۃ، عرض وتحلیل	فواد حسین (عربی)
5۔ دنیا کے بڑے مذاہب	پروفیسر عماد الحسن آزاد فاروقی
6۔ یہودیت اور نصرانیت	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
7۔ امریکن لائف میگزین 13 / جون 1955ء (اُردو)	
8۔ اسٹانڈرڈ انسائیکلوپیڈیا (اُردو)	

۔:oOo:۔

اکائی 3 : نبی ﷺ کی مکی زندگی

اکائی کے اجزا

3.1 تمہید
3.2 تدوین سیرت
3.3 بعثت سے پہلے کی زندگی
3.4 بعثت اور تبلیغ اسلام
3.5 ہجرت حبشہ
3.6 ہجرت مدینہ
3.7 خلاصہ
3.8 نمونہ امتحانی سوالات
3.9 سفارش کردہ کتابیں

3.1 تمہید

سیرت نبوی اسلامیات کا ایک اہم ماخذ ہے۔ اس کے تمام چھوٹے بڑے واقعات کو تاریخی طور پر پورے استناد کے ساتھ محفوظ کیا گیا ہے۔ اس اکائی میں سب سے پہلے تدوین سیرت کے موضوع پر روشنی ڈالی جائے گی۔ پھر رسول خدا ﷺ کی حیات قبل نبوت سے متعارف کرایا جائے گا۔ نبوت ملنے کے بعد آپ ﷺ کی مکی زندگی کے اہم واقعات کا ذکر کیا جائے گا۔

3.2 تدوین سیرت

پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مذہبی پیشواؤں میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ محفوظ شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے، آپ ﷺ کا نسب، ولادت باسعادت اور نبوت سے لے کر آپ ﷺ کی وفات تک کے تمام حالات روشنی میں ہیں۔ اور یہ بات من جانب اللہ ہوئی ہے کیوں کہ آپ کی نبوت قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے ضروری تھا کہ آپ کی زندگی کا ایک ایک ورق محفوظ ہو جائے، جسے انسانیت اپنے لیے نمونہ بنا سکے۔

سیرت نبوی ﷺ کا ماخذ بنیادی طور پر '' قرآن وحدیث '' ہے، قرآن میں آپ کی زندگی کے بہت سے واقعات کا ذکر موجود ہے اور حدیث میں کتاب المناقب، کتاب المغازی، کے علاوہ دوسرے ابواب میں بھی سیرت کے واقعات آ گئے ہیں، اسی طرح محدثین نے 'شمائل' کے عنوان سے جو حدیثیں جمع کی ہیں، وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہی سے متعلق ہیں، سیرت کی طرف فطری طور پر صحابہ ؓ کی بڑی توجہ تھی اور صحابہ میں جن

حضرات نے آپ ﷺ کے احوال سے متعلق روایتیں نقل کی ہیں، ان میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت براء بن عازب، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت انس بن مالک اور حضرت جابر بن عبداللہ کے نام نمایاں ہیں۔ پھر تابعین میں حضرت عروہ بن زبیر (م: 94ھ)، ابان بن عثمان البجلی (م: 105ھ)، عاصم بن عمر بن قتادہ (م:119ھ)، محمد بن شہاب زہری (م: 124ھ)، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم (م: 135ھ) اور موسیٰ بن عقبہ رحمہم اللہ اجمعین (م:141ھ) کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

سیرت کی روایت کرنے والوں میں بعض ایسے رواۃ بھی ہیں جن کی بیانِ واقعات کے اعتبار سے بڑی اہمیت ہے، لیکن محدثین کی نگاہ میں وہ قابل قبول نہیں ہیں، ان میں ایک نام محمد بن اسحاقؒ (م: 151ھ) اور دوسرا نام محمد بن عمر واقدیؒ (م: 207ھ) کا ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سیرت نبوی کی ترتیب میں ان دونوں بزرگوں کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ محمد بن اسحاقؒ ہی کو اہل علم کے نزدیک پہلا سیرت نگار ہونے کا شرف حاصل ہے، ان کی کتاب اپنی اصل حالت میں اس وقت موجود نہیں ہے، لیکن ابو محمد عبدالملک ابن ہشام کی شہرۂ آفاق سیرت کی بنیاد اسی کتاب پر ہے، ابن ہشامؒ کی وفات 213ھ یا 218ھ میں ہوئی ہے، گویا سیرت کی وہ کتاب ہمارے درمیان موجود ہے، جس کی تالیف دوسری صدی ہجری میں ہوئی ہے، سیرت ابن ہشامؒ کی شرح عبدالرحمٰن سہیلی کی ''الروض الأنف'' ہے، جو سیرت نبوی کا اہم ماخذ ہے، ان کی وفات 508ھ یا 581ھ میں ہوئی ہے۔

ابن ہشامؒ کے بعد محمد بن سعدؒ (م: 230ھ) کا نام آتا ہے، جن کی کتاب ''الطبقات الکبری'' نہایت اہم کتاب ہے، اس کی پہلی دو جلدیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر مشتمل ہیں۔ طبقات ابن سعدؒ کے بعد سیرت کی قدیم کتابوں میں ابن سید الناس (م:734ھ) کی ''عیون الأثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر''، امام ذہبیؒ کی ''السیرۃ النبویۃ'' (جو مکی زندگی پر مشتمل ہے) اور ''المغازی'' (جو مدنی زندگی کو شامل ہے)، امام ابن قیم جوزیؒ (م: 751ھ) کی ''زاد المعاد فی ھدی خیر العباد''، اور حافظ ابن کثیرؒ (م:774ھ) کی ''البدایۃ والنھایۃ'' کا سیرت سے متعلق حصہ ہے۔

اُردو زبان میں سیرت کی قابل ذکر کتابوں میں سرفہرست علامہ شبلی نعمانیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ''سیرت النبی'' ہے، اس کے علاوہ قاضی سلیمان منصور پوری کی ''رحمۃ للعالمین''، مولانا عبدالرؤف دانا پوریؒ کی ''اصح السیر''، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی ''النبی الخاتم''، ڈاکٹر حمید اللہؒ کی ''محمد رسول اللہ''، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی ''سیرت المصطفیٰ''، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ''نبی رحمت''، شاہ مصباح الدین شکیل کی ''سیرت احمد مجتبیٰ'' اور مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کی ''الرحیق المختوم'' سیرت کی نہایت اہم کتابیں ہیں۔

3.3 بعثت سے پہلے کی زندگی

20/اپریل 571ء پیر کے دن آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، محققین کے نزدیک یہ ربیع الاول کی 9/تاریخ تھی، دادا نے آپ کا نام محمد رکھا، بعض روایت کے مطابق والدہ نے احمد، جب آپ بڑے ہوئے تو صاحبزادے کی نسبت سے 'ابوالقاسم' کنیت اختیار فرمائی، والد ماجد کا نام حضرت عبداللہ، دادا کا عبدالمطلب اور پردادا کا ہاشم، نانا کا وہب، دادی کا فاطمہ اور نانی کا برہ تھا۔ آپ کے والد دس بھائی تھے :

(1) عباس، (2) حمزہ، (3) ابولہب، (4) ابوطالب، (5) زبیر، (6) حارث، (7) مقدم، (8) حجل، (9) ضرار، (10) قثم۔

ان میں سے حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ مشرف بہ اسلام ہوئے، ابوطالب آپ کے نہایت ہی محسن اور محبوب چچا تھے اور ابولہب اسی قدر بدترین دشمن۔ آپ کی پھوپھیاں چھ تھیں۔

(1) اُم حکیم، (2) عاتکہ، (3) برہ، (4) امیمہ، (5) اروی، (6) صفیہ۔

ان میں سے حضرت صفیہؓ نے اسلام قبول کیا تھا، اور اُم حکیم آپ ا کے والد کی جڑواں بہن تھیں۔

آپ ﷺ کا خاندان والد کی طرف سے اس طرح ہے :

عبداللہ --- عبدالمطلب ہاشم --- عبد مناف --- قصی --- کلاب --- مرۃ --- کعب --- لؤ وی --- غالب --- فہر بن مالک --- (قریش)۔

والدہ کی طرف سے آپ کا خاندان، کلاب پر جا کر مل جاتا ہے :

آمنہ --- وہب --- عبد مناف --- زہرہ --- کلاب۔

آپ ﷺ کی ولادت سے دو ماہ قبل ہی آپ کے والد ماجد کی وفات ہوگئی۔ ولادت کے بعد پہلے خود آپ ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ اور پھر ابو لہب کی باندی حضرت ثوبیہؓ نے دودھ پلایا۔ عرب کا دستور تھا کہ دیہات کی خواتین شہر آتیں اور معزز قبائل کے بچوں کو دودھ پلانے کے لیے لے جاتیں، بچوں کے سرپرست ان کی مالی مدد کرتے، اور وہ بھی اس کو پسند کرتے، کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ شہر کے لوگوں کی زبان مختلف قبائل کے اختلاط کی وجہ سے بگڑ جاتی ہے اور دیہات کے لوگوں کی زبان اصل حالت میں محفوظ رہتی ہے۔ چنانچہ حضورص اس دستور کے مطابق حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے حوالہ ہوئے، یہ قبیلہ بنوسعد سے تعلق رکھتی تھیں، جن کی فصاحت و بلاغت اور عربی زبان واُسلوب میں مہارت مشہور تھی، دو سال کی عمر تک حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا اور آپ کی وجہ سے ہونے والی برکتوں کو دیکھتے ہوئے حضرت حلیمہ کی خواہش پر آپ نے مزید دو سال ان کے یہاں گزارے۔ آپ کے رضاعی بھائیوں (یعنی حضرت حلیمہؓ کے بچوں کے نام) عبداللہ، حذیفہ، انیسہ اور شیما ہے، آپ ﷺ کے رضاعی والد یعنی حضرت حلیمہؓ کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزیٰ تھا۔ حضرت ثوبیہؓ اور حضرت حلیمہؓ آپ ﷺ پر پہلے ایمان لائیں، حارث بن عبدالعزیٰ، عبداللہ اور شیما کو بھی بعد میں قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت ثوبیہ کا دودھ حضرت حمزہ، حضرت جعفر، حضرت اُم سلمہ کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہ اور حضرت ثوبیہ کے صاحبزادے حضرت مسروح نے بھی پیا تھا، نیز حضرت حلیمہ کے دودھ پینے والوں میں آپ کے چچازاد بھائی حضرت سفیان بن حارثؓ بھی تھے۔ اس طرح یہ سب آپ کے رضاعی بھائی ہوئے، ان کے علاوہ بعض اور خواتین نے بھی آپ کو مختصر عرصہ کے لئے دودھ پلایا ہے۔

حضرت آمنہ کا میکہ مدینہ میں تھا، حضرت عبداللہ کی وہیں وفات ہوگئی تھی، چنانچہ حضرت آمنہ اپنے صاحبزادے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی وفادار باندی حضرت ام ایمن کے ساتھ مدینہ گئیں اور واپسی میں ''ابوا'' کے مقام پر حضرت آمنہ کی وفات ہوگئی، اس وقت آپ کی عمر مبارک 6 سال تھی۔ یہاں سے حضرت ام ایمن آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر مکہ واپس آئیں اور آپ ﷺ اپنے دادا حضرت عبدالمطلب کی پرورش میں آگئے۔ حضرت ام ایمن نے ایک ماں کی طرح بھرپور شفقت و محبت کے ساتھ آپ کی پرورش کی، آپ ﷺ کہتے تھے کہ یہ میری ''ماں'' کے بعد ''ماں'' ہیں، جو آپ ﷺ سے بے حد محبت کرتی تھیں، جب عمر مبارک آٹھ سال کی ہوئی تو دادا نے بھی داغ فراق دے دیا۔

حضرت ابوطالب آپ کے والد ماجد کے سگے بھائی تھے، یعنی دونوں کی ماں ایک تھیں، حضرت عبدالمطلب نے اپنی وفات سے پہلے آپ ﷺ کو حضرت ابوطالب کے حوالہ کر دیا، ان کی زوجہ حضرت فاطمہ بنت اسد بھی آپ سے بے حد پیار کرتی تھیں، جس کا آپ ﷺ نے خود ذکر فرمایا ہے۔ ان چچا اور چچی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو والدین کی محبت عطا کی، عبدالمطلب نے حضرت ام ایمن کو بھی آپ ﷺ کی پرورش کے بارے میں خصوصی ہدایت فرمائی، حضرت عبدالمطلب کے بعد آپ کے حسب وصیت آپ کے چچا 'زبیر' بنوہاشم کے سردار ہوئے اور تیرہ سال تک سردار رہے، ان کے انتقال کے وقت آپ ﷺ کی عمر 22-21 سال تھی۔ پھر حضرت ابوطالب بنوہاشم کے سردار رہے اور 28 سال تک اس ذمہ داری پر رہے، ان کی وفات کے بعد ابولہب سردار ہوئے جب آپ ﷺ کی عمر مبارک تقریباً پچاس سال کی تھی۔

عرب کے عام دستور کے مطابق آپ نے بچپن میں بھیڑ بکریاں بھی چرائی ہیں، جب آپ کی عمر مبارک بارہ سال تھی، تو حضرت ابوطالب نے شام کے تجارتی سفر کا ارادہ کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصرار پر آپ ﷺ کو بھی حضرت ابوطالب نے ساتھ رکھ لیا، راستہ میں ''تیماء'' نامی مقام پر قیام کا موقع ہوا، وہاں ''بحیرہ'' نامی ایک راہب تھا، اس نے آپ ﷺ کے اندر ''خاتم النبیین'' ہونے کی علامتیں دیکھیں، اس کو اندیشہ ہوا کہ اگر شام کے یہود آپ ﷺ کو پہچان لیں تو کہیں آپ ﷺ کی جان کے درپے نہ ہوجائیں، چنانچہ بحیرہ کی خواہش پر حضرت ابوطالب نے آپ ﷺ کو واپس کر دیا، دوبارہ جب عمر مبارک 25 سال کے قریب ہوئی تو حضرت خدیجہ الکبریٰ کی خواہش پر ان کا مال لے کر آپ ﷺ نے شام کا سفر فرمایا، تاکہ وہاں تجارت کریں اور نفع میں دونوں شریک ہوں، حضرت خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ کو بھی آپ ﷺ کے ساتھ کر دیا تھا، اس تجارت میں بہت نفع ہوا۔

آپ ﷺ کی دیانت وامانت سن کر اور میسرہ کے ذریعہ آپ ﷺ کے احوال جان کر حضرت خدیجہ بے حد متاثر ہوئیں اور انھوں نے آپ کو پیغام نکاح بھیجا، اس وقت آپ کی عمر مبارک 25 سال تھی، حضرت خدیجہؓ کی عمر مشہور قول کے مطابق چالیس سال تھی اور بعض حضرات کی رائے میں اٹھائیس سال، آپ نے اسے قبول فرمایا۔ اس زمانہ میں نکاح کے موقع پر عاقدین میں سے ہر ایک کی طرف سے خطبہ دیا جاتا تھا، جس میں اپنے اپنے خاندان کی تعریف ہوتی تھی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت ابوطالب نے اور حضرت خدیجہ کی طرف سے ورقہ بن نوفل نے نکاح کا خطبہ دیا۔ مہر کے بارے میں تین روایتیں ہیں، بیس اونٹ، چارسو دینار یا پانچ سو درہم۔ آپ ﷺ کی طرف سے حضرت حمزہؓ، حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے سرداران قریش مجلس نکاح میں موجود رہے۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے بعد آپ محلّہ بنو ہاشم سے حضرت خدیجہ کے گھر 'دار خزیمہ' منتقل ہوگئے۔ حضرت خدیجہ کو ان کے بھتیجے حکیم بن حزام نے ایک غلام ''زید بن حارثہ'' دیا تھا، جو اصل میں یمن کے قبیلہ کے بنو خزاعہ کے سردار حارثہ بن شراحبیل کے صاحبزادے تھے، جنھیں ڈاکوؤں نے زبردستی آٹھ سال کی عمر میں اغوا کر کے بیچ دیا تھا، حضرت خدیجہ نے اپنے ہونہار غلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دے دیا۔ وہ آپ ﷺ کے ایسے جاں نثار ثابت ہوئے کہ والد اور چچا جب لینے کے لیے آئے تو بھی آپ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی۔ نبوت کے بعد بھی وہ آپ کے جاں نثار و محبوب صحابہؓ میں ہوئے۔

نبوت سے پہلے کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ کچھ لوگ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں اس مقصد سے جمع ہوئے کہ سب لوگ مل کر ظالم کو ظلم سے روکنے کی کوشش کریں، اور مظلوم کی مدد کریں، اس معاہدہ کو ''حلف الفضول'' کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں شریک ہوئے، آپ کو یہ معاہدہ اس قدر پسند تھا کہ آپ ﷺ نبوت کے بعد بھی فرماتے تھے کہ اگر اب بھی مجھے ایسے معاہدہ کی طرف دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کروں گا۔

جب عمر مبارک 25 سال کی ہوئی، تو خانہ کعبہ میں بارش کی وجہ سے شگاف پڑ جانے کے سبب کعبۃ اللہ کی تعمیر نو انجام پائی، تعمیر کعبہ میں دروازے والی دیوار بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کے ذمہ آئی، رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیانی دیوار بنو مخزوم اور بنو تیم نے تعمیر کی۔ حطیم والا حصہ بنو عبدالدار اور بنو اسد اور بنو عدی کے حصہ میں آیا اور پیچھے کی دیوار بنو سہم اور بنو جمح نے تعمیر کی۔ اس میں جب حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے کا موقع آیا تو مختلف قبائل کے درمیان کشمکش شروع ہوئی، اور قتل و قتال کا اندیشہ پیدا ہوگیا، ایسے موقع پر مکہ کے ایک بزرگ ''امیہ بن مغیرہ'' نے تجویز پیش کی کہ کل جو شخص سب سے پہلے کعبۃ اللہ میں آئے وہ حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھے۔ کل سب سے پہلے کعبہ میں آنے والی شخصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، چنانچہ آپ ا نے ایک چادر منگائی، اس کے وسط میں پتھر رکھا، ہر ہر قبیلہ سے ایک ایک نمائندہ طلب کیا، اور ان سب سے کہا کہ وہ چادر کے کنارے پکڑ کر حجر اسود کو اس جگہ تک لے جائیں، جہاں اسے نصب کیا جانا ہے، پھر جب وہاں پہنچے تو اپنے دستِ مبارک سے پتھر کو اپنی جگہ پر نصب فرما دیا۔

نبی بنائے جانے سے پہلے بھی آپ ﷺ نے کبھی بتوں کی پوجا نہیں کی، اور کوئی ایسا کام نہیں کیا جو گناہ کا ہو یا جو شرم و حیا کے تقاضوں کے خلاف

ہو، آپ ﷺ کے خصوصی احباب حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت حکیم بن حزام، اور حضرت ضماد بن ثعلبہ تھے، اور یہ سبھی بعد کو مشرف بہ اسلام ہوئے۔ خوش اخلاقی اور راست گوئی کی وجہ سے نبی بنائے جانے سے پہلے بھی لوگ آپ کو امین اور صادق کہا کرتے تھے۔

3.4 بعثت اور تبلیغ اسلام

جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال کے قریب ہوئی، تو ایک خاص کیفیت یہ پیدا ہوئی کہ آپ ﷺ تنہائی کو پسند فرماتے، مکہ کے قریب ایک پہاڑی ''حرا'' کی بلندی پر واقع ایک غار میں جا کر کئی دنوں کے لئے قیام پذیر ہوجاتے اور مسلسل غور وفکر میں مشغول رہتے اور کعبۃ اللہ کی طرف دیکھتے رہتے۔ حرا کی پہاڑی مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے، جس کی اونچائی تقریباً دو ہزار فٹ ہے۔ اس پر موجود یہ غار مستطیل شکل میں ہے اور کعبہ رُخ ہے، نیز اندر سے تقریباً چار گز لمبا پونے دو گز چوڑا اور قدآدم اونچا ہے، اور فرش قدرتی طور پر مسطح ہے۔ ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ تقریباً چھ ماہ سے ایک خاص بات یہ پیش آنے لگی کہ آپ ﷺ خواب دیکھتے اور وہ دن کے اجالوں میں حقیقت بن کر ظہور پذیر ہوتی، اس درمیان ایک شب حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے، انھوں نے آپ ﷺ کو اپنے سینہ سے لگا کر بھینچا اور کہا: ''پڑھیئے! آپ ﷺ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں''، تین بار اسی طرح ہوا، پھر ''إقرا باسم ربك '' کی ابتدائی آیات آپ ﷺ پر نازل ہوئیں۔ اس طرح آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت کا تاج پہنایا گیا، اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال چھ ماہ تھی۔ قرآن مجید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رمضان المبارک میں پیش آیا، بعض اہل علم کی تحقیق کے مطابق 14 راگست 610ء کا واقعہ ہے۔

آپ ﷺ اس واقعہ سے گھبرا گئے، گھر آئے، حضرت خدیجہ سے ذکر فرمایا، حضرت خدیجہؓ نے تسلی دی، کہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، لوگوں کی مصیبتوں میں کام آتے ہیں، مہمانوں کو پناہ دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ضائع نہیں کرسکتے۔ مکہ میں توراۃ وانجیل کے ایک بڑے عالم ورقہ بن نوفل تھے، یہ حضرت خدیجہؓ کے قریبی عزیز تھے اور انجیل کا سریانی سے عربی زبان میں ترجمہ کیا کرتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو ان کے پاس لے گئیں اور ان سے پوری کیفیت سنائی، حضرت ورقہ بن نوفل نے حالات سن کر اور خود سوالات کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آیا تھا، ورقہ نے اطمینان دلایا اور کہا کہ کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی قوم نکال دے گی، آپ ﷺ کو اس پر حیرت ہوئی، ورقہ نے کہا کہ جس شخص کو بھی اس منصب سے نوازا گیا ہے، اس کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا ہے۔ اس کے بعد ابتداءً تین سال تک آپ خاموشی سے لوگوں کو دین کی طرف بلاتے رہے، پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ آپ ﷺ اپنے قریبی رشتہ داروں کو دین حق کی طرف بلائیں، '' **أنذر عشيرتک الأقربين** '' (الشعراء: 214) تو آپ ﷺ نے بنو ہاشم کو کھانے پر مدعو کیا اور ان کے سامنے دین حق کا پیغام رکھا، ابولہب نے سختی سے آپ ﷺ کی مخالفت کی اور تنہا حضرت علیؓ تھے، جنھوں نے کمسنی کے باوجود تائید وتقویت کا اعلان کیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا'' **فاصدع بما تؤمر وأعرض عن المشركين** '' (حجر: 94) پھر تمام اہل مکہ کو دعوت دینے کے لئے آپ ایک صبح صفا کی پہاڑی پر چڑھے، اور مکہ کے قدیم دستور کے مطابق ندا لگائی، سارے لوگ جمع ہوگئے، آپ نے فرمایا: تم لوگوں نے مجھے سچا پایا یا جھوٹا؟ اور امانت دار پایا یا خائن؟ سبھوں نے کہا کہ آپ صادق وامین ہیں! پھر آپ نے مزید توثیق کے لئے فرمایا: اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمنوں کی فوج ہے جو حملہ کرنا چاہتی ہے، تو کیا تم اسے سچ مانو گے؟ لوگوں نے کہا: گو بظاہر یہ خبر غیر متوقع ہوگی، لیکن اگر آپ کہیں گے تو ہم قبول کریں گے۔ پھر آپ نے ان پر توحید ورسالت کو پیش فرمایا، ابوجہل اور ابولہب نے سنتے ہی مخالفت شروع کردی، اور کسی شخص نے آپ ﷺ کی دعوت قبول نہیں کی۔

نبوت کے بعد آپ ﷺ نے مکہ میں تیرہ سال گذارے، آپ ﷺ کی دعوت پر عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے، مردوں میں

حضرت ابوبکر صدیق ﷛ نے، بچوں میں حضرت علی ﷛ نے اور غلاموں میں زید بن حارثہ ﷛ نے لبیک کہا۔ ابتدائی دور میں جن لوگوں کو قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا، ان کو سابقون اولون بھی کہا جاتا ہے، ان کے نام یہ ہیں :

حضرت بلال حبشی، حضرت خباب بن ارت ﷛، حضرت عثمان غنی ﷛، حضرت زبیر بن عوام ﷛، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷛، حضرت سعد بن ابی وقاص ﷛، حضرت طلحہ بن عبداللہ ﷛، حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد ﷛، حضرت ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن الجراح ﷛، حضرت ارقم ﷛، حضرت عثمان بن مظعون ﷛، حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛، حضرت سعید بن زید ﷛، حضرت فاطمہ بنت الخطاب ؓ، حضرت اُم الفضل لبابۃ الکبریٰ ؓ (زوجہ حضرت عباس ﷛)، حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت یاسر بن عامر ﷛، حضرت عمار بن یاسر ﷛، حضرت سمیہ بنت مسلم ؓ، حضرت عبیدہ بن حارث ﷛، حضرت خالد بن سعید بن عاص ﷛، حضرت نعیم بن عبداللہ ﷛، حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛، حضرت جعفر بن ابی طالب ﷛، حضرت عبداللہ بن جحش ﷛، حضرت سائب بن مظعون ﷛، حضرت عبداللہ بن مظعون ﷛، حضرت قدامہ بن مظعون ﷛، حضرت سعد بن عثمان ﷛، حضرت مسعود بن ربیعہ ﷛، حضرت خنیس بن حزامہ سہمی ﷛، حضرت عیاش بن ربیعہ ﷛ اور مکہ کے باہر کے لوگوں میں حضرت ابوذر غفاری ﷛۔

نبوت کے بعد تیرہ سالہ مکی زندگی میں جو اہم واقعات پیش آئے، وہ اس طرح ہیں :

چوں کہ اس دور میں کھلے طور پر اسلام کی دعوت نہیں دی جاسکتی تھی، اس لیے آپ نے اپنے جان نثار مسلمان حضرت ارقم ﷛ کے محفوظ مکان دار ارقم کو اپنے کام کا مرکز بنایا جو صفا کی پہاڑی پر واقع تھا، یہیں سے دعوت وتبلیغ کا کام انجام دیتے اور جو لوگ مسلمان ہوجاتے ان کی تربیت فرماتے۔

سن 6 / نبوی میں حضرت حمزہ ﷛ اور اس کے بعد حضرت عمر ﷛ نے اسلام قبول کیا، ان دونوں کے مسلمان ہونے سے اسلام کو بہت قوت پہنچی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری قوت اور توجہ کے ساتھ دعوت کا کام کرتے رہے، جو صحابہ ایمان لا چکے تھے، انھوں نے بھی اپنے دوستوں کو ایمان کی دعوت دی اور اس کی وجہ سے بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ آپ ﷺ نے حج کے اجتماع اور عکاظ کے میلہ میں بھی دعوت پیش فرمائی، اس طرح پورے جزیرۃ العرب میں اسلام کی آواز پہنچ گئی۔

اہل مکہ نے مسلمانوں اور خاص کر اسلام قبول کرنے والے غلاموں کو بڑی تکلیفیں پہنچائیں، لیکن سب کے سب ایمان پر ثابت قدم رہے، جن غلاموں کو سخت اذیتیں پہنچائی گئیں ان میں حضرت بلال، حضرت خباب، حضرت زبیر، حضرت حمامۃ، حضرت یاسر، حضرت سمیہ اور حضرت عمار ﷢ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور راہ حق میں جن کا پہلا خون ناحق بہایا گیا وہ حضرت سمیہ ؓ ہیں، جنھیں ابوجہل نے نہایت بے دردی سے شہید کردیا۔ جو لوگ غلام نہیں تھے، ان کو بھی کچھ کم تکلیفیں نہیں دی گئیں، ان تکلیف اٹھانے والوں میں حضرت ابوبکر، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ اور حضرت مصعب بن عمیر ﷢ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی گئیں، آپ کے مکان کے دونوں جانب ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط کا مکان تھا، یہ دونوں پڑوسی آپ کے گھر میں گندگی اور کوڑا کرکٹ پھینک دیتے، آپ کی دونوں صاحبزادیاں حضرت رقیہ ؓ اور حضرت ام کلثوم ؓ نبوت سے پہلے ابولہب کے دو بیٹوں عقبہ اور عتبہ سے منسوب تھیں، ابولہب نے دباؤ ڈال کر یہ نسبتیں توڑ دیں، ابولہب کی بیوی ام جمیل بھی آپ کو ہمیشہ برا بھلا کہتی رہتی، آپ کی عداوت میں ابوجہل بن ہشام، عقبہ بن ابی معیط اور ابولہب خاص طور پر پیش پیش تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ دین سے روکنے کے لئے پیش کش کی گئی کہ اگر آپ ﷺ حکومت چاہتے ہیں تو اہل مکہ آپ ﷺ کو اپنا بادشاہ بنالیں گے، دولت چاہتے ہیں تو سب لوگ مل کر دولت وثروت اکٹھا کردیں گے، اور کسی حسین لڑکی سے نکاح کے خواہش مند ہیں تو ان سے نکاح کردیں گے، آپ ﷺ نے اس کے جواب میں قرآن کریم کی چند آیات پڑھیں اور انھیں دین کی حقیقت سمجھانے کی کوشش کی۔

جب وہ اس سے مایوس ہوگئے تو انھوں نے آپ ﷺ کے محسن اور سب سے بڑے پشت پناہ حضرت ابوطالب سے کہا، کہ یا تو آپ اپنے بھتیجے کو

اس نئے دین کی دعوت سے روکیں یا پھر آپ بھی میدان میں آجائیں؟ حضرت ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: بھتیجے! بوڑھے چچا پر اتنا ہی بوجھ ڈالو جتنا وہ برداشت کر سکے، یہ سن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، آپ ﷺ نے سمجھا کہ شاید چچا کا سہارا بھی ختم ہونے والا ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور ایک ہاتھ میں چاند رکھ دیں تب بھی میں اس دعوت سے باز نہیں آ سکتا---آپ ﷺ کے اس عزم کو دیکھ کر ابوطالب نے کہا، تم جو کچھ کرتے ہو کرتے رہو، میرے جیتے جی کوئی تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

3.5 ہجرت حبشہ

مکہ والوں کی اذیت رسانی کو دیکھتے ہوئے نبوت کے پانچویں سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کی اجازت دیدی، چنانچہ رجب 5 نبوی، مطابق 614ء میں 11 مرد اور 6 عورتیں شعیبہ کی بندرگاہ سے حبش کے لئے روانہ ہوئے، ان کے نام اور ان کے قبائل کے نام اس طرح ہیں:

1۔	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	(بنی امیہ)
2۔	حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ	(بنی عبدشمس)
3۔	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ	(بنی مخزوم)
4۔	حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ	(بنی عدی کے حلیف)
5۔	حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم عامر رضی اللہ عنہ	(بنی عامر)
6۔	حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ	(بنی اسد)
7۔	حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	(بنی زہرہ)
8۔	حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ	(بنی جمح)
9۔	حضرت ابوحاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ	(بنی جمح)
10۔	حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	(بنی عبدالدار)
11۔	حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ	(بنی حارث)
12۔	حضرت رقیہؓ زوجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	(بنی ہاشم)
13۔	حضرت سہلہؓ زوجہ حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ	(بنی عامر)
14۔	حضرت ام سلمہؓ زوجہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ	(بنی مخزوم)
15۔	حضرت لیلیٰؓ زوجہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ	(بنی عدی)

مہاجرین حبشہ کو کسی طرح یہ غلط خبر پہنچی کہ مکہ کے لوگ مسلمان ہو چکے ہیں، چنانچہ کچھ لوگ واپس آ گئے، لیکن مکہ میں تو مسلمانوں کے خلاف جور و ستم اپنے شباب پر پہنچ چکا تھا، اس لئے نبوت کے چھٹے سال کے اوائل میں دوبارہ مسلمانوں کا وفد حبشہ کی طرف ہجرت کر گیا، اس طرح حبشہ میں تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں جمع ہو گئے، انھیں جانے والوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اہل مکہ نے پہلے تو ہجرت کرنے والوں کا تعاقب اور روکنے کی کوشش کی، لیکن جب اس میں کامیابی نہ ہوسکی تو حبشہ کو تحائف لے کر اپنا نمائندہ بھیجا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ شاہ حبش کے نام ایک خصوصی مکتوب روانہ فرمایا تھا جس میں مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی گئی تھی، اہل مکہ کی طرف سے مسلمانوں کے

خلاف جونمائندے گئے تھے، وہ تھے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ۔ ان نمائندوں نے پہلے تو شاہ حبش اصحمہ نجاشی کوتحفہ پیش کیا اور دوسرے مذہبی پیشواؤں کوتحائف دے کر ہموار کیا، پھر بادشاہ کے سامنے اپنی درخواست پیش کی کہ یہ ہمارے بھاگے ہوئے غلام ہیں، انھیں واپس کر دیا جائے، بادشاہ نے مسلمانوں سے صفائی طلب کی۔ مسلمانوں نے حضرت جعفرؓ کو اپنا ترجمان بنایا، انھوں نے نہایت برجستہ، مؤثر اور حقیقت پسندانہ خطاب کیا اور سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ سنایا، بادشاہ ان کے خطاب سے بہت متاثر ہوا اور مسلمانوں کو اپنے ملک میں امان دے دی۔

قریش کے نمائندوں کو یہ بات بہت گراں گذری، چنانچہ دوسرے دن انھوں نے ایک نیا نکتہ اٹھایا کہ مسلمان لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایسی بات کہتے ہیں جو آپ کے لیے بالکل قابل قبول نہیں، مسلمانوں کو دوبارہ طلب کیا گیا، یہ بڑا نازک موقع تھا، تمام مسلمانوں نے طے کیا کہ اسلام کا جو عقیدہ ہے اس کو بے کم وکاست پیش کیا جائے، چنانچہ حضرت جعفرؓ نے فرمایا: ''ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، وہ اس کی طرف سے ایک روح اور کلمہ ہیں، جسے اللہ نے کنواری مریم پر القاء کیا تھا''۔ نجاشی نے کہا کہ تم نے جو کہا وہی حضرت عیسیٰ کے بارے میں صحیح عقیدہ ہے۔

حبشہ میں اہل مکہ کی مہم ناکام ہونے کے بعد قریش کا ایک اور وفد حضرت ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک خوبصورت قریشی نوجوان عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو ساتھ لایا اور پیش کیا کہ اس خوبصورت نوجوان کو قبول کرلیں اور اس کے بدلہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حوالہ کردیں، حضرت ابوطالب نے اس کو قبول نہیں کیا اور فرمایا: یہ بات تو خوب رہی کہ میں تمہارے بچے کی پرورش کروں اور اپنے لڑکے کو قتل کے لیے حوالہ کردوں،---اس طرح آپ نے اس نامعقول پیش کش کو نامنظور فرمادیا۔

نبوت کے ساتویں سال کا ایک اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوطالب کی طرف سے حضور صلی اللہ کی پشت پناہی کے پس منظر میں بنو ہاشم، بنو مطلب اور بنوعبد مناف کا بائیکاٹ کردیا گیا، اس بائیکاٹ میں جو دفعات لکھی گئیں وہ یہ تھیں: ''ان لوگوں سے کوئی خرید وفروخت نہ کی جائے، انھیں نہ لڑکیاں دی جائیں اور نہ ان سے لڑکیاں لی جائیں، ان سے گفتگو نہ کی جائے، کوئی حمایتی خوراک پہنچائے تو پہنچنے نہ دیا جائے، اور انھیں گلیوں اور بازاروں میں گھومنے پھرنے نہ دیا جائے، یہ بائیکاٹ اس وقت تک رکھا جائے جب تک بنو ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حوالہ نہ کردیں۔ نیز انھیں واجب التعمیل بنانے کے لیے بیت اللہ کی چھت سے لٹکا دیا گیا۔ یکم محرم سن 7 نبوی میں یہ معاہدہ لکھا گیا، حضرت ابوطالب بنو ہاشم اور بنو مطلب کو ساتھ لے کر شعب ابی طالب نامی گھاٹی میں مقیم ہوگئے، بنو ہاشم میں ابولہب حضرت ابوطالب کے ساتھ نہیں آیا اور وہ دشمنان رسول کے ہی خیمہ میں رہا، نبوت کے نویں سال کے اختتام پر یہ بائیکاٹ ختم ہوا، اس بائیکاٹ کو ختم کرنے میں ہشام بن عمرو بن حارث، زبیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی بن نوفل، ابوالبختری بن ہشام اور زمعہ بن اسود پیش پیش تھے، جب ان سرداران نے معاہدہ نامہ پھاڑنے کے لئے نکالا تو پورا معاہدہ نامہ دیمک خوردہ تھا، صرف اللہ تعالیٰ کا مبارک نام محفوظ تھا۔

نبوت کے 10 ویں سال آپ ﷺ کے ساتھ دو بڑے حادثات پیش آئے، ایک 11 رمضان 10 نبوی میں آپ ﷺ کی غمگسار رفیق حیات ام المومنین حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوگیا، دوسرے آپ ﷺ کے چچا حضرت ابوطالب بھی داغ فراق دے گئے۔ اہل مکہ کی ایذارسانیوں کے مقابلہ میں ظاہری طور پر آپ ﷺ کو سہارا دینے والے اور دلداری کرنے والے یہی دونوں تھے، اس لئے اس واقعہ سے آپ ﷺ کو بڑا صدمہ ہوا اور آپ ﷺ نے اس سال کو عام الحزن (غموں کا سال) قرار دیا۔

سن 10 نبوی ہی میں آپ ﷺ نے اہل مکہ کی بے رُخی دیکھتے ہوئے طائف کا سفر فرمایا، کہ شاید وہاں کے لوگ اسلام قبول کرلیں، لیکن اہل طائف کا سلوک اہل مکہ سے بھی بدتر ثابت ہوا، انھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ بہت بدسلوکی کا معاملہ کیا، اس طرح آپ ﷺ پر پتھر برسائے کہ جسم لہولہان ہوگیا، اور نعلین مبارکین میں خون کی تہیں جم گئیں۔ اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہؓ بھی تھے، یہ سفر 27 شوال 10 نبوی میں ہوا تھا۔

رجب سن 10 نبوی میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو معراج سے سرفراز فرمایا، حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر مکہ سے بیت المقدس گئے، بیت المقدس میں آپ ﷺ نے انبیا کی امامت فرمائی، پھر وہاں سے آپ ﷺ کو آسمان پر لے گئے، ساتوں آسمان کی سیر کرائی، حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام وغیرہ سے ملاقاتیں ہوئیں اور جنت و دوزخ کے بھی مناظر دکھائے گئے۔ اسی موقعہ سے آپ ﷺ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں، جو بار بار کی درخواست پر پانچ باقی رہ گئیں، اسی موقعہ پر سورۂ بقرہ کی آخری دو آیت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر القاء فرمائی، ابوجہل اور اہل مکہ نے اس واقعہ پر خوب استہزا کیا اور حضرت ابوبکر صدیق نے خوب خوب تصدیق فرمائی، اور آخر ''صدیق'' قرار پائے۔

3.6 ہجرت مدینہ

حج کے موقع سے عرب کے کونے کونے سے لوگ مکہ ومنیٰ پہنچتے تھے اور آپ ہمیشہ ان کو دعوت حق پیش فرماتے تھے، اکثر قبیلوں کا جواب انکار کا ہوتا تھا۔ سن 10 نبوی کے حج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات مدینہ کے وفد سے ہوئی، آپ ﷺ نے ان پر دعوت اسلام پیش کی، اور چار مردوں اور دو عورتوں نے اسلام قبول کیا۔ آئندہ سال حج کے موقع سے دوبارہ اہل مدینہ سے ملاقات ہوئی، یہ بارہ آدمی تھے، جن میں سے پانچ گذشتہ سال کے اہل ایمان تھے، اور سن 13 نبوی میں 73 مرد اور 2 عورت مسلمان ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان مسلمانوں کے لئے بارہ نقبا (سردار) بھی منتخب فرمائے، جن میں 9 کا تعلق بنوخزرج سے تھا اور 3 کا بنی اوس سے۔ اس موقعہ سے اہل مدینہ سے یہ بات طے پا گئی کہ مسلمان اگر ہجرت کر کے مدینہ جائیں گے تو مدینہ کے لوگ پناہ دیں گے، پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ہجرت کرنے کا حکم دیا، آہستہ آہستہ لوگ مدینہ منتقل ہونے لگے، یہاں تک کہ صرف چند مسلمان مکہ میں باقی رہ گئے، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم کے انتظار میں تھے، بالآخر آپ ﷺ کو بھی ہجرت کا حکم ملا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت طے پائی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو اونٹنیاں خاص اسی مقصد کے لئے خرید رکھی تھیں اور مدینہ کا راستہ بتانے کے لئے ایک رہنما بھی طے کر لیا تھا، ایسے راستہ بتانے والے کو ''دلیل'' کہا جاتا تھا۔

ادھر جب اہل مکہ نے دیکھا کہ مسلمان مدینہ میں جمع ہوگئے ہیں اور انھیں خیال ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی چلے جائیں گے تو انھوں نے دارالندوہ میں مشورہ کیا اور مشورہ میں یہ بات طے پائی کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک نوجوان تلوار لے کر آپ ﷺ کے دولت خانہ کا محاصرہ کر لے، اور سب لوگ مل کر یکبارگی آپ ﷺ پر اس وقت حملہ کریں جب آپ ﷺ صبح کو باہر آئیں۔ تمام قبائل کی شرکت کی وجہ سے بنوہاشم سبھوں سے بدلہ نہیں لے سکیں گے۔ اسی رائے پر اتفاق ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دے دی، آپ ﷺ نے لوگوں کی امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ کیں، اپنے بستر پر ان کو سلا دیا اور ایک مشت خاک پھینکتے ہوئے گھر سے باہر نکل آئے، دشمنوں کو کوئی خبر بھی نہ ہوسکی۔ آپ ﷺ سیدھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر آئے اور 27 صفر 13 نبوی بروز جمعرات ان کو ساتھ لے کر کوہ ثور کے اونچے غار کی پناہ لی، تین دنوں وہیں مقیم رہے۔ پھر یکم ربیع الاول 13 نبوی بروز اتوار شب کو مدینہ کی طرف نکلے، یہ قافلہ چار آدمیوں ---- آپ ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر کے غلام اور راستہ بتانے والا شخص عبداللہ بن اریقط ---- پر مشتمل تھا۔ مورخہ 8 ربیع الاول 13 نبوی مطابق 20 ستمبر 622ء روز پیر کو قبا پہنچے، قبا میں آپ ﷺ کا قیام چودہ دنوں تک رہا اور یہیں آپ ﷺ نے مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ قبا میں انصار کے قبائل نے آپ ﷺ کا نہایت گرم جوش استقبال کیا، آپ ﷺ نے جمعہ کے دن یہیں نماز جمعہ ادا فرمائی، یہ اسلامی تاریخ کا پہلا جمعہ تھا، پھر اسی دن قبا سے مدینہ تشریف لائے، مدینہ میں انصار نے بڑی ہی محبت کے ساتھ آپ ﷺ کا گرم جوش خیر مقدم کیا۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ آپ کا قیام اس کے گھر پر ہو، آخر آپ ﷺ کی اونٹنی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر رکی اور آپ انھیں کے مہمان ہوئے۔ اس طرح اسلام کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

3.7 خلاصہ

- آپ ﷺ کی سیرت ابتدائی ادوار میں نقل و روایت کے ذریعہ محفوظ ہوگئی تھی اور دوسری صدی میں کتابی شکل میں سیرت مرتب ہو چکی تھی۔
- نبوت سے پہلے عرب میں قبائلی نظام قائم تھا اور مکہ کو پورے خطہ میں مرکزی اہمیت حاصل تھی، جس کی عظمت کعبۃ اللہ کی وجہ سے تھی۔
- آپ ﷺ کی نبوت سے پہلے کی زندگی چالیس سال پر مشتمل تھی، آپ ﷺ کی یہ پوری زندگی صداقت و امانت، طبعی شرافت اور عفت و حیا کا نمونہ تھی۔
- نبوت کے بعد آپ ﷺ نے تیرہ سال مکہ میں گزارے اور شب و روز لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلایا، دعوتِ دین کے لیے طائف کا سفر فرمایا، ایذا رسانیوں سے بچنے کے لیے مسلمانوں کو حبش اور پھر مدینہ ہجرت کی اجازت دی اور اسی درمیان آپ ﷺ کو معراج سے نوازا گیا۔
- آپ ﷺ کی ولادت 20 اپریل 571 کو پیر کے دن ہوئی۔ مشہور اقوال کے مطابق یہ 12 ربیع الاول کی تاریخ تھی؛ لیکن محققین کے نزدیک یہ ربیع الاول کی 9 تاریخ تھی۔ ولادت کے بعد پہلے آپ ﷺ کی والدہ نے دودھ پلایا پھر ابولہب کی باندی ثوبیہ نے دودھ پلایا، اس کے بعد حضرت حلیمہ نے آپ کو دودھ پلایا۔
- عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے، جو مختلف بیویوں سے تھے، ان میں ابو طالب اور حضور ﷺ کے والد عبداللہ ایک ماں سے تھے، اسی لیے عبدالمطلب نے آپ ﷺ کی پرورش کی ذمہ داری ابو طالب کو سونپی۔
- حلف الفضول ایک اہم معاہدہ کا نام ہے، جس میں مکہ کے چند نیک سیرت لوگوں نے آپس میں یہ طے کیا تھا کہ ہم مظلوموں کی مدد کریں گے، ظالم کے ہاتھ کو روکیں گے۔ اس معاہدہ میں حضور ﷺ بھی شریک تھے۔
- عرب تجارت پیشہ تھے، اس لیے آپ ﷺ نے بھی اسی پیشہ کو اختیار کیا۔ آپ ﷺ انتہائی ایمانداری سے تجارت کرتے تھے، آپ ﷺ کی ایمانداری کو سن کر حضرت خدیجہ نے بھی آپ کو اپنے سامان تجارت کے لے جانے کی پیشکش کی؛ چنانچہ آپ ﷺ ان کے سامان کو لے کر شام تشریف لے گئے۔ اس تجارت میں خوب فائدہ ہوا، آپ ﷺ کے حسن معاملگی کو دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئیں؛ چنانچہ آپ ﷺ کو نکاح کا پیغام دیا، آپ ﷺ نے ابو طالب سے مشورہ کرکے بعد اس پیغام کو قبول کرلیا، اور شادی ہوئی۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر 25 سال اور حضرت خدیجہ کی عمر 40 سال تھی۔
- جب حضرت محمد ﷺ کی عمر 40 سال کے قریب ہوئی تو آپ ﷺ تنہائی کو پسند کرنے لگے اور مکہ سے دور حرا کی ایک غار میں غور وفکر کرنے لگے، اسی دوران حضرت جبرئیل تشریف لائے اور آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا۔ یہ 17 رمضان 13 قبل ہجرت دوشنبہ کا دن تھا۔
- مسلمانوں کو مکہ میں جب دو سے زیادہ ستایا جانے لگا، تو آپ ﷺ کی اجازت سے 5 نبوی کو 41 مرد اور 4 خواتین نے حبشہ (Ethiopia) ہجرت کر گئے، بعد میں اور مسلمانوں نے بھی ہجرت کی۔
- دس نبوی کو آپ ﷺ کے چچا ابو طالب اور بیوی حضرت خدیجہ کا انتقال ہوگیا، اس لیے اس سال کو عام الحزن (غموں کا سال) کہا جاتا ہے۔
- مشرکین نے جب اذیتوں کی حد کر دی اور آپ ﷺ کی غمگسار بیوی اور چچا کا انتقال بھی ہو گیا تو دس نبوی کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے پاس بلایا جس کو معراج کہا جاتا ہے۔
- مسلمان اذیتوں سے مجبور ہو کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے اور تقریباً آپ ﷺ اور آپ کے چند ساتھیوں کے سوا سب ہجرت کر گئے تو مشرکین نے آپ ﷺ قتل کرنے کے منصوبہ بنایا، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے اس منصوبہ سے مطلع کر دیا؛ چنانچہ آپ ﷺ بھی حضرت علی کو کفار کی امانتیں سپرد کر کے مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ آپ کے ساتھ ابوبکر بھی تھے۔

3.8 نمونۂ امتحانی سوالات

(1) سب سے پہلے قریش کا لقب .... کو ملا۔

(2) حضور ﷺ کی ولادت .... کو ہوئی۔

(3) حضرت محمد ﷺ کے .... چچا تھے۔

(4) حضرت حلیمہ سعدیہ کا تعلق .... کے قبیلہ سے تھا۔

(5) شام کے سفر میں ایک عیسائی راہب نے، جس کا نام .... تھا، آپ کے نبی ہونے کی بشارت دی۔

مختصر جوابی سوالات:

(1) سیرت کی روایت پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

(2) حلف الفضول پر ایک نوٹ لکھیے۔

(3) ہجرت مدینہ کے اسباب کیا تھے؟ بیان کیجیے۔

(4) ہجرت حبشہ کے اسباب ونتائج بیان کیجیے۔

(5) نبوت کے 10 ویں سال کے اہم واقعات پر روشنی ڈالیے۔

طویل جوابی سوالات:

(1) نبوت سے قبل کی زندگی کے اہم واقعات تحریر کیجیے۔

(2) آپ ﷺ کی وہ خاص کیفیت پر روشنی ڈالیے جو آپ کو چالیس سال کی عمر مبارک کے قریب ہوئی۔

(3) ہجرت مدینہ پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔

(4) مکی دور میں تبلیغ اسلام پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

(5) ''سیرت نبوی ﷺ کا ماخذ بنیادی طور پر قرآن وحدیث ہے''۔ اس عبارت کو وضح کرتے ہوئے ابتدائی سیرت کی کتابوں کا جائزہ لیجیے۔

3.9 سفارش کردہ کتابیں

1۔ سیرۃ النبی (اول ودوم)	علامہ شبلی نعمانی / علامہ سید سلیمان ندوی
2۔ رحمت للعالمین	قاضی سلیمان منصور پوری
3۔ اصح السیر	مولانا عبدالرؤف دانا پوری
4۔ محمد عربی	ڈاکٹر حمید اللہ
5۔ سیرت سرور عالم	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
6۔ نبیٔ رحمت	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
7۔ سیرۃ المصطفیٰ	مولانا محمد ادریس کاندھلوی
8۔ سیرۃ المجتبیٰ	جناب مصباح الدین شکیل
9۔ الرحیق المختوم	مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

-:oOo:-

اکائی 4 : نبی ﷺ کی مدنی زندگی

اکائی کے اجزا

4.1 تمہید
4.2 مواخات اور میثاق مدینہ
4.3 اہم غزوات
4.4 صلح حدیبیہ اور اس کے بعد کے اہم واقعات
4.5 فتح مکہ اور دیگر اہم واقعات
4.6 حجۃ الوداع
4.7 خلاصہ
4.8 نمونہ امتحانی سوالات
4.9 سفارش کردہ کتابیں

4.1 تمہید

ہجرت مدینہ سے اسلام کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے، اسلام کی نشر و اشاعت اور اسلامی احکام کی تکمیل اسی دور میں ہوئی، اسی اہمیت کے پیش نظر اسلامی سال کا آغاز ہجرت کے سال سے کیا گیا، اس اکائی میں مدنی زندگی کے اہم واقعات ذکر کیے جائیں گے۔ مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی آمد سے مدنی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ مدینہ میں آپ ﷺ کی تشریف آوری کے وقت مدینہ کے اکثر لوگ اسلام قبول کر چکے تھے، شب و روز اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہو رہی تھی، اور لوگ تیزی سے اسلام قبول کر رہے تھے، اور اسلامی احکام کا بھی نفاذ ہو رہا تھا۔

آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ دیگر مذاہب کے لوگ ایک امت کے تحت امن و امان کے ساتھ رہیں۔ اس نیت سے میثاق مدینہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ مگر یہودیوں نے اور مکہ کے قریش اور ان کے معاونین نے دین اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ چاہا۔ اس سلسلہ میں جو واقعات پیش آئے ان کا بھی یہاں ذکر کیا جائے گا۔

4.2 مواخات اور میثاق مدینہ

مواخات:

مہاجرین مکہ معظّمہ سے بے سروسامان آئے تھے۔ ان میں بعض دولتمند بھی تھے؛ لیکن کفار سے چھپ کر نکلنے کی وجہ سے کچھ بھی اپنے ساتھ نہ لا سکے تھے۔ انصار کا گھر مہاجرین کے لیے پناہ گاہ تھا، انہوں نے اپنے ان مہاجرین بھائیوں کے لئے اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا؛ تاہم ایک مستقل انتظام کی

ضرورت تھی۔مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد آپ نے اس طرف توجہ فرمائی اور حضرت انسؓ کے گھر پر انصار کو جمع کیا اور انصار کو مخاطب کر کے فرمایا: یہ تمہارے بھائی ہیں۔اور پھر مہاجرین وانصار میں سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔انصار نے رسول اللہﷺ کی طرف سے قائم کیے ہوئے اس دینی اخوت کے رشتہ کو حقیقی رشتہ سے بڑھ کر نبھایا۔چنانچہ انصار مہاجرین کو اپنے گھر لے گئے اور اپنے گھر کے ہر سامان کو دو حصوں میں تقسیم کیا ،ایک حصہ اپنے لیے رکھا اور دوسرا حصہ اپنے بھائی کو پیش کر دیا،حتی کہ اگر کسی کے پاس دو بیویاں تھیں ،تو انہوں نے یہ پیشکش کی کہ ایک کو میں طلاق دیدیتا ہوں ،آپ ان سے نکاح کرلیں،لیکن مہاجرین نے کوشش کی کہ انصار کی جانب سے پیش کیے گئے مال واسباب پر انحصار کرنے کے بجائے،خود ذریعہ آمدنی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے،چنانچہ انہوں نے تجارت کی طرف توجہ دی اور تجارت کرنے لگے،حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے تجارت میں اتنی ترقی کی کہ بہت جلد مدینہ کے امیر لوگوں میں ان کا شمار ہونے لگا۔

میثاق مدینہ:

حضرت محمدﷺ نے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد سب سے پہلے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم فرمایا، پھر یہاں کے رہنے والے مختلف طبقات: یہود،نصاریٰ اور مدینہ کے غیر مسلم اور مسلمانوں کے درمیان ایک معاہدہ کیا،جو میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے، یہ پہلا بین الاقوامی تحریری معاہدہ ہے،اس معاہدہ میں 53 دفعات تھے،اس کے اہم دفعات درج ذیل ہیں:

1۔آپس میں اختلاف کی صورت میں حضورﷺ کا فیصلہ حتمی فیصلہ ہوگا۔ 2۔خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آرہا ہے وہ اب بھی قائم رہے گا۔ 3۔یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائیگا۔ 4۔یہود اور مسلمان باہم اچھے تعلقات رکھیں گے۔ 5۔یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی ہوجائے تو ایک فریق دوسرے کی مدد کریگا۔ 6۔کوئی فریق قریش کو امان نہیں دیگا۔ 7۔مدینہ پر کوئی حملہ آور ہوگا تو تمام لوگ مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔ 8۔کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی صلح میں شریک ہوگا،لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

مسجد نبوی کی تعمیر:

مدینہ آنے کے بعد آپ نے سب سے پہلے ایک خانۂ خدا کی تعمیر ضروری سمجھی؛ چنانچہ قریب ہی خاندان نجار کی زمین خالی پڑی تھی جس کے مالک دو یتیم بچے تھے۔آپ ﷺ نے ان دونوں کو بلا کر وہ زمین اللہ کے گھر کی تعمیر کے لئے بقیمت خرید لی۔تعمیر کا کام شروع ہوا۔شہنشاہ دو عالم ایک عام مزدور کی طرح تعمیری کام میں مشقت برداشت کر رہے تھے۔صحابہ کرام پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور یہ رجزیہ اشعار پڑھتے جاتے،آپ ﷺ بھی ان کی آواز میں آواز ملا کر فرماتے:

اللھم لا خیر الا خیر الآخرہ	اے اللہ! کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے
فاغفر الانصار والمھاجرہ	اے اللہ! مہاجرین وانصار کی مغفرت فرما

مسجد نبوی تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل ہی آپ نے ازواج مطہرات کے لئے حجرے تعمیر کروائے۔اس وقت تک حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ آپﷺ کے نکاح میں آچکی تھیں،اس لئے دو ہی حجرے بنائے گئے، جیسے جیسے ازواج مطہرات آتی گئیں مزید کمرے بنتے گئے۔

4.3 اہم غزوات

مدینہ میں مسلمانوں کا اس طرح سکون سے رہنا اور اپنے دین کی تبلیغ کرنا اہل مکہ کو گوارہ نہ ہوا، اس لئے انھوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگی مہمات شروع کر دیں، چنانچہ بارہ صفر سن دو ہجری میں مسلمانوں کو جہاد اور ظالموں کے خلاف تلوار اٹھانے اور اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے مسلح جدوجہد کی

اجازت ملی اور جہاد کے سلسلہ کی اجازت میں آیت نازل ہوئی، یہ آیت سورہ حج کی آیت نمبر: 39 ہے۔ بعض روایات میں پہلی آیت جہاد کی حیثیت سے سورہ بقرہ کی آیت نمبر: 190 کا ذکر آیا ہے، مشرکین مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر پہلا باضابطہ حملہ رمضان 2ھ میں ہوا، مسلمانوں کو اطلاع ہوئی، وہ بھی آگے بڑھے اور مدینہ سے 80 میل فاصلہ پر بدر کے میدان میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔

غزوۂ بدر:

قریش نے آپ ﷺ کی ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کو انہوں نے خط لکھا تھا کہ محمد (ﷺ) کو قتل کر دو، ورنہ ہم حملہ کر کے ان کے ساتھ تم سب کا بھی کام تمام کر دیں گے۔

جنگ کے لیے سب سے ضروری چیز اسباب کی فراہمی ہے، اس لیے جمادی الآخر 2 ہجری میں قریش مکہ نے ایک تجارتی قافلہ ملک شام بھیجا جس میں مکہ کے ہر فرد نے اپنی تمام پونجی لگا دی اور اس کے پس پشت یہ مذموم اور ناپاک ارادہ کارفرما تھا کہ اس تجارت سے ہونے والے پورے نفع کو اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی پر صرف کیا جائے گا۔ اسی دوران مکہ میں یہ افواہ اڑ گئی کہ مسلمان اس تجارتی قافلہ پر حملہ آور ہونے والے ہیں، قریش اپنے اس قافلہ کی حفاظت کے لئے ایک ہزارا ہتھیاروں سے لیس لشکر کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا، خصوصاً انصار سے مشورہ طلب کیا۔ انصار نے ہر حال میں وفاداری اور جاں نثاری کا یقین دلایا۔ تو آپ تین سو تیرہ صحابہ کرام کو لیکر بدر کے مقام پر پہنچے۔ ادھر ابوسفیان اور قافلہ کے صحیح سالم مکہ پہنچنے کی خبر پا کر لشکر قریش نے واپسی کا ارادہ کیا؛ لیکن ابو جہل نے اصرار کیا کہ مسلمانوں سے جنگ کر کے ان کا صفایا کر دیا جائے۔

17 رمضان 2 ہجری / 23 مارچ 624 عیسوی کو بدر کے مقام پر حق و باطل کا یہ معرکہ پیش آیا، جس میں انتہائی بے سر و سامانی کے باوجود مسلمانوں کو زبردست فتح حاصل ہوئی اور خاصی مقدار میں مال غنیمت بھی حاصل ہوا۔ اس جنگ میں 14 مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا جبکہ لشکر قریش کے 70 افراد مقتول ہوئے، جن میں ابوجہل، عتبہ اور شیبہ جیسے بڑے سردار اور کفر کے سرغنہ بھی شامل تھے اور 70 لوگوں کو قید کیا گیا جنہیں بعد میں فدیہ لیکر چھوڑ دیا گیا۔ اور جو لوگ فدیہ ادا نہیں کر سکتے، اور وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، ان کو حکم ہوا کہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو چھوڑ دیے جائیں گے۔

بدر کے میدان میں مسلمانوں کی حیرت انگیز فتح نے قریش کو کمزور اور مرعوب کر دیا۔ آس پاس کے قبائل نے مسلمانوں کی طرف امن و دوستی کا ہاتھ بڑھانا شروع کر دیا۔ اسلام کی اشاعت میں تیزی آئی، لیکن ساتھ ہی اسلام دشمن عناصر چوکنا ہو گئے۔

مدنی زندگی کے ابتدائی واقعات میں ایک یہ ہے کہ مدینہ سے مکہ اور بیت المقدس دو مخالف سمتوں میں واقع تھے، اس لئے نماز میں کسی ایک ہی طرف رُخ کیا جا سکتا تھا، چنانچہ ابتداءً آپ ﷺ نے بیت المقدس کو قبلہ بنایا، پھر سولہ مہینوں کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے کعبۃ اللہ قبلہ نماز متعین ہوا، اسی سال غزوہ بدر کے بعد حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا نکاح سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا، یہ واقعہ ذی الحجہ، محرم یا صفر کا ہے۔

بدر سے فارغ ہو کر آئے ہی تھے کہ آپ کو یہودیوں کے ایک قبیلہ بنی قینقاع کی بدعہدی کا سامنا کرنا پڑا، آپ ﷺ جنگ سے بچنا چاہ رہے تھے، لیکن ان کے معاندانہ رویے سے مجبوراً جنگ کی نوبت آئی اور بنی قینقاع نے ہتھیار ڈال دیا، پھر انھیں جلا وطن کر دیا گیا۔

بدر کی شکست فاش نے اہل مکہ کو جذبۂ انتقام سے لبریز کر دیا، اور آئندہ سال پھر اہل مکہ زیادہ تیاریوں کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔

غزوۂ احد:

بدر کی شکست کا انتقام لینے کے لیے ابوسفیان کی قیادت میں تین ہزار کا لشکر حملہ کے ارادہ سے شوال 3 ہجری مطابق 625 عیسوی کو مدینہ آپہونچا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، مہاجرین کی اور انصار میں سے اکابرین کی رائے تھی کہ عورتیں باہر قلعوں میں بھیج دی جائیں اور مدینہ

میں رہ کر ہی دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے ،لیکن بعض نوجوان صحابہ نے اصرار کیا کہ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔آپ ﷺ نے ان نوجوانوں کی رائے اوران کے جذبے کا احترام کیا اور اپنے اصحاب کولیکر میدان احد پہنچ گئے۔ جنگ شروع ہونے سے قبل آپ ﷺ نے تیر اندازوں کے ایک دستے کو ایک درے پر متعین فرمایا، اور تاکید کی کہ جنگ کی صورت حال کچھ بھی ہوتم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا؛ جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں کا پلڑا بھاری رہا، اور دشمن فوج کے پاؤں اکھڑ گئے ،مسلمانوں نے یہ دیکھ کر مال غنیمت اکٹھا کرنا شروع کردیا۔تیر اندازوں نے بھی جب یہ دیکھا تو اپنی جگہ سے ہٹ گئے اور وہ بھی مال غنیمت جمع کرنے میں شامل ہوگئے ،ادہر دشمن نے جب دیکھا کہ مسلمان مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہیں تو اسی درے کی طرف سے مسلمانوں پر پلٹ کر حملہ کردیا، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک جیتی ہوئی جنگ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی۔مسلمانوں کو سخت جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ستر مجاہدین نے جام شہادت نوش فرمایا جن میں حضرت حمزہ اور حضرت مصعب بن عمیر جیسے صحابہ کرام بھی شامل تھے۔خود آپ ﷺ بھی سخت زخمی ہوئے اور دندان مبارک شہید ہوگئے۔ان حالات میں بھی آپ ﷺ نے عزم واستقلال کے پہاڑ بن کر ڈٹے رہے اور پھر مسلمان لشکر کی ایسی صف بندی کی کہ کفار کو پیچھے ہٹنے پر مجبور ہونا پڑا۔

ہجرت کے چوتھے سال دو اہم واقعات پیش آئے ،ایک یہ کہ نجد کے قبیلہ کلاب کا سردار ابو براء عامر بن مالک مدینہ حاضر ہوا اور حضور ﷺ سے خواہش کی کہ آپ اپنے رفقا کی ایک جماعت میرے ساتھ بھیجئے ،اُمید ہے کہ نجد میں بسنے والے قبائل مسلمان ہوجائیں ،آپ ﷺ نے اہل صفہ میں سے ستر قرا یعنی قرآن مجید کے عالموں کو ان کے ساتھ روانہ کردیا اور حضرت منذر بن عمرو کو ان کا امیر بنایا ،لیکن قبیلہ کے لوگوں نے بدعہدی کی اور یہ ستر صحابہ شہید کردیئے گئے ، یہ واقعہ چوں کہ بئر معونہ کے پاس صفر سن چار ہجری میں پیش آیا ،اس لئے یہ اسی نام سے مشہور ہے۔ آپ ﷺ نے اس واقعہ کے بعد چالیس دن تک نماز فجر میں ان کے خلاف قنوت نازلہ پڑھی ،آخر یہ پوری بستی طاعون کی وبا میں مبتلا ہوکر ہلاک ہوگئی۔

یہودیوں کا ایک اہم قبیلہ بنو نضیر تھا ، جو مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ میں شامل تھا ،اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی ایک گھناؤنی سازش رچی جو کھل گئی اور کامیاب نہ ہوسکی ، بالآخر مسلمانوں کو اس کے سوا چارہ نہیں رہا کہ کم سے کم انھیں شہر بدر کردیا جائے تاکہ مسلمان اندرون خانہ کی سازش سے محفوظ رہیں۔ یہ واقعہ ربیع الاول سن چار ہجری مطابق اگست 625ء میں پیش آیا۔

پھر ہجرت کے پانچویں سال اہل مکہ نے بنو غطفان اور بعض دوسرے قبائل کو ساتھ لے کر دس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ مدینہ کی چھوٹی سی بستی پر حملہ کردیا ، یہودی قبائل جو مسلسل مسلمانوں کے ساتھ خفیہ طور پر غداری کررہے تھے ، اور ان کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھتے تھے ، وہ بھی اس مشکل وقت میں اہل مکہ کے ساتھ ہوگئے ، یہ مسلمانوں کے لئے بڑا نازک وقت تھا۔

غزوۂ خندق:

شوال 5 ہجری/ مارچ 627 عیسوی میں غزوۂ خندق پیش آیا۔قریش نے جب دیکھا کہ ان کی اب تک کی کوششیں اسلام کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہوئیں تو انہوں نے مختلف قبیلوں غطفان، بنوسلیم اور بنو اسد جیسے قبائل کو اپنے ساتھ شامل کر کے ایک متحدہ محاذ بنایا۔ ادھر مدینہ کے یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے بھی قریش کو اپنی مدد اور تعاون کا یقین دلایا۔ یہ لشکر کئی لشکروں اور فوجوں پر مشتمل تھا، اس لیے اس کو غزوہ احزاب بھی کہا جاتا ہے۔اس طرح دس ہزار مسلح اور تجربہ کار سپاہیوں پر مشتمل لشکر جرار مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوا ،مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی۔یہ خبر سن کر آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسی نے مشورہ دیا کہ مدینہ کے شمالی جانب گہری خندق کھود دی جائے اور چونکہ مدینہ کے تینوں طرف ناقابل عبور ٹیلے ہیں،تو دشمن مدینہ پر حملہ نہیں کرسکیں گے ، یہ مشورہ پسند کیا گیا ، چنانچہ مدینہ کے شمال میں صحابہ کرام نے ایک خندق کھودی،خندق کھودنے میں حضور ﷺ خود بھی شریک تھے،مسلمانوں کی یہ حکمت عملی دیکھ کر دشمن حیران رہ گئے اور کوئی راستہ نہ پا کر محاصرہ کر کے بیٹھ گئے۔طوفانی ہواؤں اور تیز وتند سردی کے جھکڑوں نے ان کے خیموں کو اکھاڑ پھینکا اور ہانڈیوں کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔اس طرح نصرت خداوندی نے فوج کو منتشر اور

ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ابوسفیان محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے اور ناکام ونامراد واپس لوٹ گئے۔

یہود کی اس بدعہدی کی وجہ سے جس سے مسلمان بار بار دوچار ہو چکے تھے، اوراس بار تو بدعہدی انتہا کو پہنچ گئی تھی، مسلمانوں نے جوابی کارروائی کی اور یہودیوں کے قبیلہ بنوقریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور پھر یہودیوں کی حَکم بنائی ہوئی شخصیت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ پر یہ جنگ ختم ہوئی، اس میں چارسو سے زیادہ یہودی مارے گئے، اگرچہ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ یہ تعداد کافی حد تک مبالغہ ہے۔

4.4 صلح حدیبیہ اوراس کے بعد کے اہم واقعات

ذی قعدہ 6 ہجری میں رسول اللہ ﷺ اپنے چودہ سو یا پندرہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کو روک دیا۔آپ ﷺ نے متعدد لوگوں کو بھیجا کہ قریش کو یہ یقین دلائیں کہ ہم صرف عمرہ کرنے کے ارادہ سے آئے ہیں اور کچھ نہیں؛ لیکن قریش اپنی ضد پر اڑے رہے، بالآخر حضرت عثمانؓ کو بات چیت کے لیے بھیجا گیا؛ لیکن ان کی بات بھی رد کر دی گئی۔ادھر اسلامی لشکر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ قریش نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا۔اس خبر کو سن کر آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے صحابہ سے ایک درخت کے نیچے موت کی بیعت لی کہ جان کی پرواہ کیے بغیر حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لیں گے، راہ فرار اختیار نہ کریں گے۔اس کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔

قریش کو اس بیعت کا علم ہوا تو سہیل بن عمرو کو مصالحت کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا، طویل گفت وشنید کے بعد حسب ذیل شرائط کے ساتھ مصالحت ہوگئی:

(1) مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

(2) آئندہ سال صرف تین دنوں کے لیے آئیں اور عمرہ کرلیں، اس موقع پر ان کے پاس تلوار کے علاوہ کوئی اور ہتھیار نہ ہو۔

(3) مکہ سے کوئی شخص مسلمان ہوکر مدینہ جائے تو اسے واپس کردیں، اور مدینہ سے کوئی شخص مرتد ہوکر مکہ آئے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا

(4) دس سال کے لئے دونوں فریق میں ناجنگ معاہدہ رہے گا، اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے گریز کریں گے، نیز جو قبیلہ جس کا حلیف ہو وہ اس معاہدہ میں شریک سمجھا جائے گا۔

چنانچہ بنوبکر اہل مکہ کے حلیف ہوئے اور بنوخزاعہ مسلمانوں کے۔ چوں کہ یہ صلح حدیبیہ نامی مقام پر ہوئی تھی، اس لئے اس کو ''صلح حدیبیہ'' کہا جاتا ہے۔ حدیبیہ میں آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ انیس دن قیام فرمایا، اس صلح کو قرآن مجید میں ''فتح مبین'' سے تعبیر کیا گیا، (سورہ فتح: 1) کیوں کہ اس صلح نے اہل مکہ اور عرب کے دوسرے قبائل میں دعوت اسلام کا راستہ کھول دیا، یہی وجہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع سے آپ ﷺ کے ساتھ چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم تھے اور صرف دو سال بعد فتح مکہ کے موقع سے دس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔

صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ نے بادشاہوں اور مختلف قبائل کے سرداروں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے، یہ خطوط نہ صرف عرب کے قرب و جوار کے حکمرانوں قیصر وکسریٰ، نجاشی وغیرہ تک پہنچے بلکہ شاہ چین تک بھی آپ نے مکتوبِ دعوت بھیجا، اور ان کوششوں سے جزیرۃ العرب کے بہت سے قبائل نے اسلام قبول کیا، خود حبش کے بادشاہ نجاشی بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

اس سلسلہ میں چھ خطوط کا عام طور پر سیرت کی کتابوں میں ذکر آیا ہے :

(1) اصحمہ نجاشی (شاہ حبش) سفیر : حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ

(2) ہرقل (قیصر روم) سفیر : حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ

(3) خسرو پرویز (کسریٰ عجم) سفیر : حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ

(4) جریج بن متی مقوقس (عزیز مصر) سفیر : حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ

(5) حارث بن ابی شمر غسانی (شاہ دمشق) سفیر : حضرت شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ

(6) ہوزہ بن علی حنفی (والئ یمامہ) سفیر : حضرت سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ

یہ خطوط آپ ﷺ نے سن چھ اور سات ہجری میں روانہ کیے۔

غزوۂ خیبر:

مدینہ منورہ سے تقریباً چھیانوے میل کے فاصلے پر خیبر واقع تھا، اس شہر میں بہت سے قلعے زمانہ قدیم سے بنے ہوئے تھے، جس میں یہودیوں کے مختلف خاندان آباد تھے، جو یہودی مدینہ سے جلاوطن کیے گئے ان میں سے بھی بہت سارے لوگ یہیں آ کر مقیم ہو گئے، انھوں نے مدینہ کے شمال مشرق میں واقع مشہور جنگجو قبیلہ بنو غطفان کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو دوبار آپ ﷺ نے صورتِ حال کی تحقیق کے لئے نمائندے بھیجے، معلوم ہوا کہ خیبر کے یہود بنو غطفان اور دوسرے قبائل کے ساتھ مل کر بڑے حملہ کی تیاری کر رہے ہیں، چنانچہ حدیبیہ سے واپسی پر محرم سن سات ہجری میں آپ ﷺ نے چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ خیبر کی طرف کوچ کیا، یہودی قلعہ بند ہو گئے، چنانچہ ایک ماہ ان کا محاصرہ جاری رہا، اس جنگ میں ترانوے یہودی ہلاک ہوئے اور پندرہ مسلمانوں کی شہادت ہوئی، آخر اس بات پر صلح ہوئی کہ خیبر یہودیوں کے قبضے میں چھوڑ دیا جائے گا اور وہ بطور خراج خیبر کی پیداوار کا نصف حصہ مدینہ کو ادا کیا کریں گے۔

حدیبیہ میں طے پائے معاہدے کے مطابق ذوقعدہ سن سات ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے اور معاہدہ کی پوری پوری پاسداری کرتے ہوئے تین شب و روز کے بعد واپس ہوئے، اسی موقع سے حضرت ام المؤمنین حضرت میمونہؓ بنت حارث سے آپ ﷺ کا نکاح ہوا۔

غزوۂ موتہ:

ہجرت کے آٹھویں سال ایک اہم واقعہ غزوہ موتہ کا پیش آیا، آپ ﷺ کے سفیر حضرت حارث بن عمیر ازدی روم کے سرحدی علاقہ 'بلقاء' سے گذر رہے تھے کہ قیصر روم کے گورنر شرحبیل عمرو غسانی نے انھیں گرفتار کر کے شہید کر دیا۔ یہ بات واضح طور پر سفارتی آداب کے خلاف تھی، اس لیے آپ نے مسلمانوں کو شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا، بادشاہ روم ہرقل نے ایک لاکھ کی فوج مقابلہ کے لیے بھیجی، ان کے علاوہ مختلف عرب قبائل کے مزید ایک لاکھ جنگ جوان کے ساتھ ہو گئے، مسلمانوں کی فوج صرف تین ہزار نفوس پر مشتمل تھی، رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق بالترتیب حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کو کمانڈر مقرر کیا گیا کہ ان میں سے ایک شہید ہو جائے تو دوسرا اپنے ہاتھ میں کمان لے لے، اگر یہ تینوں شہید ہو جائیں تو جس پر لوگ متفق ہو جائیں وہ مسلمانوں کا سپہ سالار ہوگا، چنانچہ یہ تینوں شہید ہو گئے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کمان سنبھالی اور وہ بڑی حکمت کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو باہر نکالنے میں کامیاب ہو گئے، اسی موقع سے آپ ﷺ نے انھیں ''سیف اللہ'' کا خطاب دیا---- اس جنگ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے اور محض تین ہزار لشکر کے ذریعہ دو لاکھ کی فوج کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے رومیوں کے درمیان مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

4.5 فتح مکہ اور دیگر اہم واقعات

ادھر ایسا ہوا کہ بنو بکر اور بنو خزاعہ کی پرانی خصومت جاگ اٹھی اور دونوں کے درمیان جم کر لڑائی ہوئی، اس لڑائی میں اہل مکہ معاہدہ کے مطابق غیر

جانب دار نہیں رہے، بلکہ انھوں نے کھل کر بنوبکر کے ساتھ مل کر اور عین حرم میں بنوخزاعہ کے لوگوں پر حملے کیے اور بعض کو قتل کر دیا، بنوخزاعہ آپ ﷺ سے رُجوع ہوئے، آپ ﷺ جنگ سے بچنا چاہتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے مکہ اپنا سفیر بھیجا اور تین باتوں کی پیش کش کی: اہل مکہ یا تو بنوخزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کر دیں، یا بنوبکر سے اپنا تعلق توڑ لیں، یا پھر صلح حدیبیہ کی تنسیخ کا اعلان کریں۔ اہل مکہ نے کہا: ہمیں پہلی دو باتیں منظور نہیں، صرف تیسری صورت منظور ہے، اس طرح بنوخزاعہ کی حمایت میں مسلمانوں کو مکہ پر فوج کشی کرنی پڑی، چنانچہ 8 ھ میں دس ہزار صحابہ ؓ کے ساتھ آپ ﷺ مکہ کی طرف بڑھے، آپ ﷺ جنگ سے بچنا چاہتے تھے، اس لئے ہر طرح کوشش کی کہ قتل وقتال کی نوبت نہ آئے، بالآخر پرامن طریقہ پر مکہ فتح ہو گیا، کہیں کہیں اہل مکہ نے مزاحمت کی اور اس میں چند مشرکین مارے گئے، جن کی تعداد اکثر مورخین کے بقول 13 ہے، نیز دو مسلمان بھی شہید ہوئے، اگر آپ ﷺ چاہتے تو اپنے تمام دشمنوں سے انتقام لے سکتے تھے، اور آپ ﷺ انتقام لینے میں حق بہ جانب بھی ہوتے، لیکن آپ ﷺ نے یک قلم انھیں معاف کر دیا، اور فرمایا کہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو معاف کیا تھا، اسی طرح میں بھی تمھیں معاف کرتا ہوں، اب پھر کعبۃ اللہ میں ایک خدا کی عبادت ہونے لگی، جس کے لئے اس گھر کی تعمیر ہوئی تھی، 20 / رمضان المبارک 8 ہجری مطابق 11 / جنوری 630ء بروز جمعہ کو مکہ میں داخل ہوئے۔ مورخہ 10 / رمضان 8 ھ کو آپ ﷺ مکہ کے لیے نکلے تھے اور حنین وبنوثقیف کی مہم سے فارغ ہو کر ذوقعدہ میں آپ ﷺ مدینہ واپس ہو گئے۔

فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف کا واقعہ پیش آیا، حنین مقام کا نام ہے، اور یہاں قبیلہ بنوہوازن کے لوگ آباد تھے، اس لیے اس کو 'غزوۂ ہوازن' بھی کہا جاتا ہے، فتح مکہ کے انیس دن بعد چھ شوال سن آٹھ ہجری روز ہفتہ کو مسلمانوں کی فوج نے حنین کی طرف کوچ کیا، اس جنگ میں ابتداً مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی، لیکن پھر وہ سنبھل گئے اور بالآخر مسلمان فتح یاب ہوئے، جنگ میں دشمن کے ستر آدمی مارے گئے اور مسلمانوں میں چار شخص شہید ہوئے۔ بعض مورخین نے شہدا کی تعداد اس سے زیادہ بھی لکھی ہے۔

فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ صحابہ ؓ کی تربیت اور احکام شریعت کی تعلیم نیز دعوتِ دین میں یکسو ہو گئے۔ عبادات، معاملات، عائلی زندگی، مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلقات وغیرہ سے متعلق احکام وقوانین، مدینہ ہی کی دس سالہ زندگی میں نازل ہوئے۔

رجب سن نو ہجری میں غزوہ تبوک کا واقعہ پیش آیا، اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ شام کی رومی حکومت اور بعض عرب قبائل خاص کر عیسائیوں کی طرف سے مدینہ کے خلاف فوجی تیاری اور جنگی عزائم کی مسلسل اطلاع آرہی تھی، اس وقت کے حالات کے تحت یہ بات ضروری محسوس ہوئی کہ مسلمان خود آگے بڑھ کر اس صورت حال کو دیکھیں اور ضرورت ہو تو آگے بڑھ کر دشمن کی تیاری کو تباہ کر دیں، چنانچہ آپ ﷺ نے اس مہم کی تیاری کا اعلان فرمایا، رجب سن 9 ہجری کی ایک جمعرات کو ایک بڑی فوج لے کر آپ ﷺ نکلے، جس کی تعداد تیس سے ستر ہزار بتلائی گئی ہے، فوج میں دس ہزار گھوڑ سوار اور بارہ ہزار شتر سوار بھی تھے، بالآخر مدینہ سے چل کر آپ ﷺ تبوک میں مقیم ہوئے جو مدینہ سے کم وبیش سات سو کیلومیٹر پر واقع ہے، یہاں آپ ﷺ کا قیام کم سے کم بیس دن رہا، کئی قبائل کے لوگوں نے خود آپ ﷺ کی اطاعت قبول کی اور بادشاہ روم ہرقل اپنے پایۂ تخت حمص میں ہی مقیم رہا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں اور روم کے قریب آباد عرب نصرانیوں پر بھی مسلمانوں کی طاقت کا رعب بیٹھ گیا اور پھر انھیں مدینہ کی طرف غلط نظر سے دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

سن نو ہجری میں حج فرض ہوا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر ؓ کو امیر اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا نمائندہ بنا کر تین سو صحابہ ؓ کے ساتھ حج کے لئے روانہ فرمایا، جس میں حضرت علی ؓ نے آپ ﷺ کی طرف سے اعلان کیا کہ آئندہ حج میں کسی مشرک کو شامل ہونے اور بے لباس بیت اللہ کا طواف کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

ہجرت کے نویں سال کو ''عام الوفود'' کہا جاتا ہے، یعنی اسلام کی دعوت اب عرب اور جزیرۃ العرب سے باہر جا چکی تھی اور مختلف قبائل کے وفود رضا

کارانہ طور پر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرتے تھے، اوران کی تربیت کی جاتی تھی۔ اسی لیے اس کو وفود کا سال کہا جاتا ہے، سیرت کی کتابوں میں آپ ﷺ کی خدمت میں سو سے زیادہ وفود کی حاضری کا ذکر ملتا ہے۔

4.6 حجۃ الوداع

سنہ 9 ہجری میں حج فرض ہوا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر کو امیر اور حضرت علی کو اپنا نمائندہ بنا کر تین سو صحابہ کے ساتھ حج کے لئے روانہ فرمایا، جس میں حضرت علی نے آپ ﷺ کی طرف سے اعلان کیا کہ آئندہ کسی مشرک کو حج کرنے اور ننگے بیت اللہ کا طواف کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

10 ہجری میں آپ ﷺ خود حج کے لیے تشریف لے گئے، آپ کے ساتھ ایک لاکھ چالیس ہزار کا مجمع موجود تھا اور اللہ کی طرف سے یہ حج چونکہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا آخری حج تھا؛ اس لیے اسے حجۃ الوادع کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر آپ نے حج ادا کرنے کا طریقہ امت کو سکھایا، ذی الحجہ کی نو تاریخ کو وقوف عرفہ کے دوران جبل رحمت پر چڑھ کر اپنا شہرہ آفاق خطبہ ''خطبۂ حجۃ الوداع'' دیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ کے ارد گرد ایسے افراد مقرر کیے گئے جو آپ ﷺ کے ہر ہر جملے کو مکبروں کی طرح بآواز بلند دہراتے تھے؛ تاکہ سب لوگ سن لیں۔ اس خطبہ کو اسلام کا اور حقوق انسانی کا حقیقی منشور کہا جا سکتا ہے، یہ خطبہ بلاغت کے اعلیٰ نمونہ کے علاوہ اسلامی قانون و اخلاق کا بھی جامع ہے۔ اس خطبہ میں آپ ﷺ نے فرمایا:

- ☆ لوگو! تم میں سے اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو زیادہ تقویٰ شعار ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر تقویٰ کے سوا فضیلت نہیں۔ ہاں! جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں، اور جاہلیت کے تمام آثارِ مفاخر ختم کیے جاتے ہیں۔
- ☆ بے شک تمہاری جانیں اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں قیامت تک ایک دوسرے پر حرام کر دی گئیں ہیں، جس طرح آج کے دن کی حرمت اور اس مہینہ کی حرمت اس شہر میں برقرار ہے۔
- ☆ تمام سودی کاروبار منسوخ کیا جاتا ہے، تم اصل مال کے علاوہ نہ کچھ لے سکتے ہو اور نہ دے سکتے ہو۔ قرض کی ادائیگی ضروری ہے، عاریۃً لی ہوئی چیز واپس کرنی ضروری ہے، تحفہ کا بدلہ دینا چاہیے، اور جو کوئی کسی کی ضمانت لے تو اسے تاوان ادا کرنا چاہیے۔
- ☆ لوگو! بیشک تمہارے کچھ حقوق عورتوں پر واجب ہیں، اسی طرح عورتوں کے کچھ حقوق تمہارے اوپر واجب ہیں، (ان کی پوری حفاظت کرنا) عورتوں سے ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آنا اور عورتوں کے معاملہ میں ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔
- ☆ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے کچھ لے، سوائے اس کے جو اس کا بھائی برضا و رغبت دے دے۔ اپنے اوپر اور دوسروں کے اوپر زیادتی نہ کرو۔
- ☆ لوگو! زیردست انسانوں کا خیال رکھنا، زیردستوں کا خیال رکھنا، انہیں وہی کھلاؤ جو تم خود کھاؤ، انہیں وہی پہناؤ جو تم خود پہنو۔

اسی موقع سے قران کریم کی یہ آیت نازل ہوئی جس میں اسلام کے مکمل ہونے کا اعلان کیا گیا: ''**اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا**''۔ (سورۂ نساء: 3)

مرض الوفات:

سفر حج سے واپسی کے دو مہینے بعد 18 یا 19 صفر 11 ہجری کی شب آپ ﷺ اچانک بستر سے اٹھے اور خادم کے ساتھ جنت البقیع تشریف لے گئے، وہاں اپنے اصحاب کے لیے دعائے خیر کی۔ وہاں سے واپس لوٹے تو دردِ سر شروع ہوا اور پھر روز بروز طبیعت مضمحل ہوتی گئی؛ لیکن آپ ﷺ کے معمولات میں کچھ فرق نہ آیا، جب چلنا پھرنا دشوار ہو گیا تو ازواج مطہرات کے گھر باری باری جانے کے بجائے اس بات کی خواہش ظاہر فرمائی کہ تیمارداری ایک جگہ ہو تو زیادہ بہتر ہے، سب نے قبول کر لیا۔ وفات سے قبل تمام ازواج مطہرات کی مرضی و اجازت سے حضرت عائشہ کے گھر قیام پذیر ہو

گئے ؛ کیونکہ اس کا دروازہ مسجد نبوی کی صف اول کے بالکل سامنے کھلتا تھا۔ بیماری کی حالت میں بھی آپ ﷺ نمازوں کی امامت فرماتے رہے۔ آخری نماز مغرب کی اس حال میں پڑھائی کہ دردِ سر کی شدت کی وجہ سے سر پر رومال بندھا ہوا تھا۔

وفات سے غالباً پانچ روز قبل آپ ﷺ کی خواہش پر آپ ﷺ کو غسل دیا گیا۔ ظہر کے وقت مسجد میں تشریف لائے اور زندگی کا آخری خطبہ دیا جس میں آپ ﷺ نے شہدائے احد کے لیے دعائے مغفرت کی۔ آخری خطبہ میں آپ نے مجمع سے پوچھا کہ اگر آپ ﷺ پر کسی کا کوئی حق ہے تو وصول کر لے اور اگر کسی کو آپ ﷺ سے تکلیف پہنچی ہو تو اس کا بدلہ لے لے یا معاف کر دے۔ آپ ﷺ نے خطبہ کے دوران اپنی وفات کی طرف اشارہ بھی کیا۔ انصار کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور اسامہ کے لشکر کو روانہ کرنے کا تاکیدی حکم دیا۔

اسی دن جب آپ ﷺ عشا کی نماز کے لئے کھڑے ہونا چاہ رہے تھے کہ غشی طاری ہوگئی۔ چوتھی مرتبہ جب ہوش آیا تو حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، انہوں نے آپ ﷺ کی موجودگی میں سترہ نمازوں کی امامت فرمائی۔

12 ربیع الاول 11 ہجری بروز پیر 63 سال کی عمر میں آپ ﷺ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ آخری فقرہ جو آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا وہ تھا: ''**أنت الرفيق الأعلى**''، تجہیز و تکفین منگل کے دن ہوئی۔ حضرت علی کی تلقین پر لوگوں نے تنہا تنہا آپ ﷺ پر نماز جنازہ پڑھی اور پھر چہار شنبہ کو نصف شب میں حضرت عائشہ ہی کے حجرہ مبارکہ میں تدفین عمل میں آئی۔

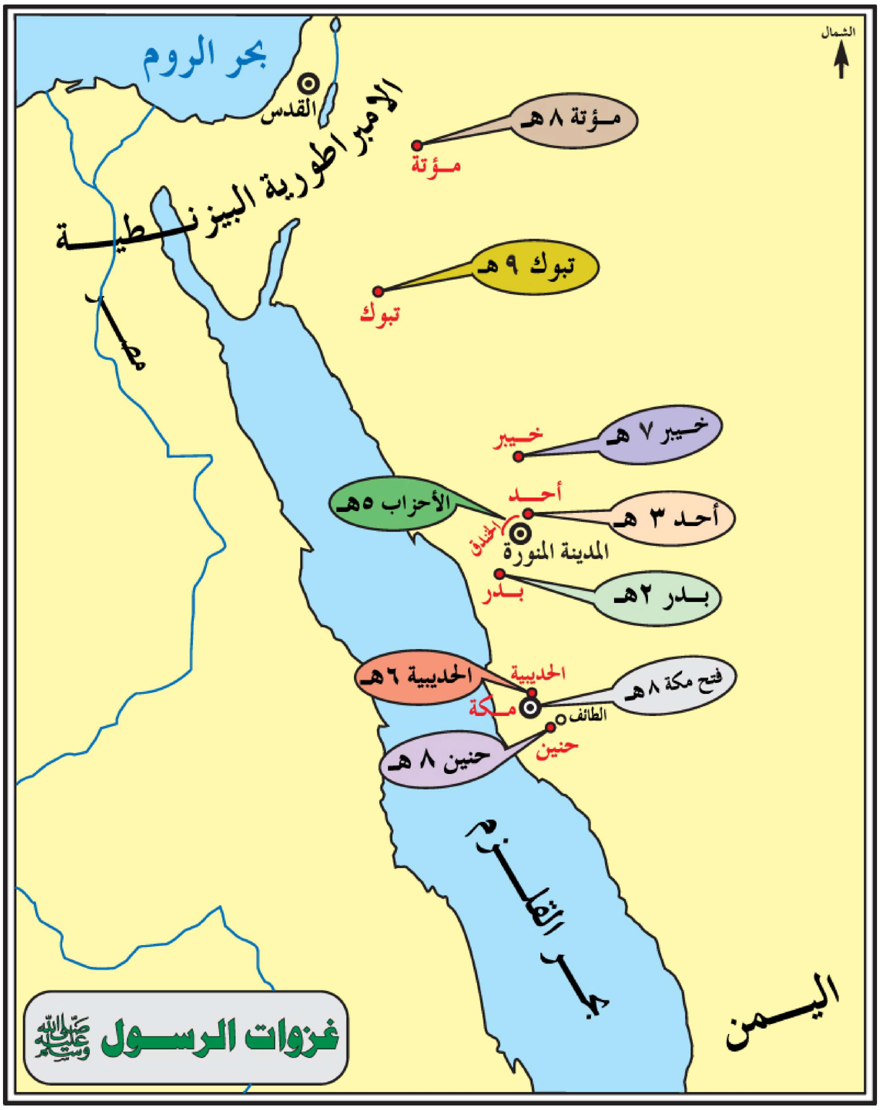

4.7 خلاصہ

1۔ مدینہ آنے کے بعد آپ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کی، اس مسجد کی تعمیر میں صحابہ کرام کے ساتھ آپ ﷺ خود بھی شریک تھے۔

2۔ مسجد کی تعمیر کے بعد آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان دینی اعتبار پر بھائی چارگی قائم کی جس کو مواخات کہتے ہیں۔

3۔ مدینہ کو ایک اسلامی ریاست قرار دیا گیا، جس کے حاکم اعلیٰ آپ ﷺ منتخب ہوئے پھر آپ ﷺ نے مدینہ میں رہنے والے یہود، نصاریٰ، مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان ایک تحریری معاہدہ کرایا جو میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔

4۔ 17 رمضان 2 ہجری مطابق 23 مارچ 624ء کو بدر کے مقام پر مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان جنگ ہوئی، جو غزوۂ بدر کے نام سے مشہور ہے، اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

5۔ شوال 3 ہجری مطابق 625 عیسوی کو احد کے مقام پر مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان دوسری جنگ ہوئی، جس میں اولاً مسلمانوں کو فتح ہوئی؛ لیکن ایک غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

6۔ ذی قعدہ 6 ہجری کو رسول اللہ ﷺ پندرہ سو صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے؛ لیکن مشرکین مکہ نے آپ ﷺ حدیبیہ کے مقام پر روک دیا اور عمرہ نہیں کرنے دیا۔ یہیں مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدہ کے دفعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے بہت دب کر صلح کر لیا ہے؛ لیکن قرآن نے اس صلح کو فتح مبین قرار دیا ہے۔

7۔ سنہ 8 ہجری کو مکہ فتح ہوا۔

8۔ سنہ 10 ہجری کو آپ ﷺ نے حج کیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں نے حج کیا۔ اس حج کے موقع سے 9 ذی الحجہ کو عرفہ کے دن آپ نے نہایت بلیغ خطبہ دیا، جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ اس خطبہ کو حقوق انسانی کا اسلامی منشور کہا جاتا ہے۔

9۔ 12 ربیع الاول 11 ہجری کو پیر کے دن 63 سال کی عمر میں آپ ﷺ پردہ فرما گئے۔ تجہیز و تکفین منگل کے دن ہوئی، جنازہ مسلمانوں نے تنہا تنہا ادا کی، اور چہار شنبہ کو نصف شب میں حضرت عائشہ کے روم میں تدفین عمل میں آئی۔

4.8 نمونۂ امتحانی سوالات

(1) آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان دینی اعتبار پر بھائی چارگی قائم کی جس کو .... کہتے ہیں۔

(2) خندق کھودنے کا مشورہ حضرت .... نے دیا تھا۔

(3) غزوہ بدر سنہ............ ہجری میں پیش آیا۔

(4) ہجرت کے نویں سال کو عام .... کہا جاتا ہے۔

(5) سنہ .... ہجری کو آپ ﷺ نے حج کیا۔

مختصر جوابی سوالات:

(1) مواخات کا مفہوم بیان کیجیے۔

(2) خطبہ حجۃ الوداع کے اہم دفعات بیان کیجیے۔

(3) غزوۂ موتہ کا تعارف پیش کیجیے۔

(4) صلح حدیبیہ پر ایک مضمون لکھیے۔

(5) مرض وفات رسول ﷺ پر ایک نوٹ لکھیے۔

طویل جوابی سوالات:

(1) میثاق مدینہ پر ایک مضمون لکھیے۔

(2) غزوہ بدر کب اور کیوں پیش آیا؟ وضاحت کیجیے۔

(3) غزوہ احد کے بارے میں تفصیل سے لکھیے۔

(4) صلح حدیبیہ کے اسباب ونتائج سے بحث کیجیے۔

(5) رسول ﷺ نے یہودیوں کے خلاف مختلف اقدامات اٹھائے، ان کی وجوہات کا جائزہ لیجیے۔

4.9 سفارش کردہ کتابیں

1۔	سیرۃ النبی (اول ودوم)	علامہ شبلی نعمانی / علامہ سید سلیمان ندوی
2۔	رحمت للعالمین	قاضی سلیمان منصور پوری
3۔	اصح السیر	مولانا عبدالرؤف دانا پوری
4۔	محمد عربی	ڈاکٹر حمید اللہ
5۔	سیرت سرور عالم	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
6۔	نبی رحمت	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
7۔	سیرۃ المصطفیٰ	مولانا محمد ادریس کاندھلوی
8۔	سیرۃ المجتبیٰ	جناب مصباح الدین شکیل
9۔	الرحیق المختوم	مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

۔:oOo:۔

اکائی 5 : شخصیت رسول ﷺ

اکائی کے اجزا

5.1 تمہید

5.2 اخلاق نبوی ﷺ (اسوۂ حسنہ)

5.3 تواضع وانکساری اور عفو

5.4 دیگر اخلاق نبوی ﷺ

5.5 ازواج مطہرات اور اولاد

5.6 خلاصہ

5.7 نمونۂ امتحانی سوالات

5.8 سفارش کردہ کتابیں

5.1 تمہید

آپ ﷺ کی بعثت اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک کے لیے بنایا، لہذا اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو ہر لحاظ سے کامل اور مکمل بنا کر دنیا کے لیے آپ کو نمونہ اور اسوۂ حسنہ بنایا۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی فضائل اخلاق کا نمونہ تھی اور رزائل اخلاق سے مبرا۔

اس اکائی میں مختصراً، آپ ﷺ کے اخلاق واوصاف پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ کی ازواج مطہرات اور آپ ﷺ کی اولاد کا تذکرہ کیا جائے گا۔

5.2 اخلاق نبوی ﷺ (اسوۂ حسنہ)

اللہ کی طرف سے جو نبی ورسول آتے ہیں، وہ انسانیت کے لیے نمونہ اور آئیڈیل (اسوۂ حسنہ) ہوتے ہیں، ان کا ہر عمل لوگوں کے لیے دلیل کی حیثیت رکھتا ہے، اسی لیے وہ زندگی کے تمام شعبوں میں اعلیٰ ترین معیار پر قائم رہتے ہیں، ان کی عبادتیں خشوع وخضوع کا نمونہ ہوتی ہیں، ان کے معاملات راست گوئی اور پاکیزگی پر مبنی ہوتے ہیں، ان کی معاشرت حسن سلوک اور سماج کے مختلف طبقہ کے ساتھ برتاؤ کا اور حقوق کی ادائیگی کا بہترین نمونہ ہوتی ہے، اسی طرح وہ اخلاق کی اعلیٰ ترین سطح پر ہوتے ہیں۔ یہ بات اس لیے بھی ضروری ہے کہ نبی کا بنیادی فریضہ دعوت وتبلیغ ہوتا ہے اور دعوت کے مؤثر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مدعو پر اس کے اخلاق وسلوک کے بہترین نقوش ثبت ہوں، کیوں کہ محبت اور خوش اخلاقی سخت سے سخت دل کو بھی پگھلانے کی طاقت رکھتی ہے، قرآن مجید میں مختلف انبیاء کرام اور ان کی اقوام کے واقعات ذکر کیے گئے ہیں، ان واقعات میں قوموں کی انبیاء کے ساتھ بدسلوکی وبدزبانی اور اس کے مقابلہ میں انبیاء کی طرف سے انتہائی درجہ تحمل وبردباری اور خوش گفتاری کا ذکر ملتا ہے۔

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بلند اخلاق کی اعلیٰ ترین سطح پر تھے، اسی لیے

قرآن مجید میں آپ ﷺ کے بارے میں کہا گیا ہے:''**إنک لعلی خلق عظیم** ''۔(القلم: 4)

اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: '' **لقد کان لکم فی رسول الله اسوۃ حسنة** "(سورہ احزاب: 21)(رسول اللہ کے اندر تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے) مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا بچپن، جوانی، بڑھاپا ہمارے لئے نمونہ ہے، اسی طرح آپ کی مختلف حیثیتیں ہمارے لیے اسوہ ہیں۔

اکثر اخلاقی کمزوریوں کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ انسان کے قول وفعل میں تضاد ہوتا ہے، وہ گفتگو تو بہت اونچی کرتا ہے، لیکن عمل میں بہت نیچی سطح پر ہوتا ہے، آپ ﷺ کی زندگی میں قول وفعل کا تضاد نہیں تھا، آپ ﷺ لوگوں کو جس بات کی دعوت دیتے اسی پر آپ ﷺ کا عمل ہوتا۔ اسی لیے حضرت عائشہؓ نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اخلاق محمدی کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ سراپا قرآن تھے:'' **کان خلقه القرآن**''۔

(مسند احمد: 91/6)

5.3 تواضع وانکساری اورعفو

یوں تو آپ ﷺ کی زندگی کے تمام پہلو روشنی میں ہیں، لیکن اس کا سب سے وسیع باب اخلاق کا ہے، آپ ﷺ کے مزاج کا نمایاں پہلو تواضع و انکساری کا تھا، آپ مقام نبوت پر فائز ہیں اور پورا جزیرۃ العرب آپ کے قدموں میں ہے، لیکن تواضع اور سادگی کا حال یہ تھا کہ گھر پر خود جھاڑو دیتے، بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو اسے سی لیتے، کھانے کے لیے بیٹھتے تو نہایت تواضع کی کیفیت کے ساتھ، اور فرماتے کہ میں اس طرح کھاتا ہوں جیسے غلام کو کھانا چاہیے:''**أنا آکل کما یأکل العبد**''۔ لوگ تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے تو منع فرمادیتے، اگر کسی باندی کا بھی کوئی کام ہوتا اور وہ بھی سرِ راہ اپنی کسی ضرورت کے لئے روکتی تو رُک جاتے، رفقاء کے ساتھ اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی شناخت نہ ہونے کی بنا پر لوگ آپ کو پہچان نہیں پاتے، اپنے لیے تعظیم کے جائز الفاظ بھی پسند نہیں فرماتے۔ ایک بار بعض حاضرین نے عرض کیا: آپ ﷺ ہمارے آقا (سید) ہیں، فرمایا:''نہیں، آقا تو خدا کی ذات ہے''۔ ایک بار لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ہم میں سب سے افضل و برتر ہیں، آپ ﷺ نے اس تعبیر کو بھی پسند نہیں فرمایا، تواضع وفروتنی کا یہ حال تھا کہ فتح مکہ کے موقعہ پر جب دس ہزار مسلح جاں نثار آپ ﷺ کے گرد وپیش تھے، انکساری کی وجہ سے آپ کا سر مبارک اس قدر جھکا ہوا تھا کہ بار بار اونٹنی کے کوہان سے ٹکرا جاتا تھا۔

تواضع ہی کا ایک پہلو یہ تھا کہ تعظیم میں مبالغہ کو پسند نہیں کرتے تھے، بعض صحابہ دوسرے علاقوں میں گئے تو دیکھا کہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، انھوں نے آپ ﷺ سے سجدہ کی اجازت چاہی اور عرض کیا کہ آپ تو ان سے زیادہ مسجود بننے کے مستحق ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی کو سجدہ کی اجازت ہوتی تو بیوی کو اجازت ہوتی کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے، لیکن خدا کے سوا کسی کے لیے سجدہ روا نہیں۔ ایک صاحب دورانِ گفتگو بول پڑے جو خدا چاہے اور آپ ﷺ چاہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، صرف خدا چاہے۔ ایک انصاری کی شادی میں کچھ لڑکیاں دف کے ساتھ نغمے گا رہی تھیں، انھوں نے اس میں ایک مصرع پڑھا :

وفینا نبی یعلم ما فی غد

اور ہمارے بیچ ایسے پیغمبر ہیں جو کل واقع ہونے والی باتوں کو جانتے ہیں۔

آپ ﷺ نے اس مصرع کو پڑھنے سے منع فرمایا۔ جس روز آپ کے صاحب زادے حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی، اتفاق سے اسی دن سورج گہن لگ گیا، جاہلیت کے قدیم تصور کے مطابق لوگ کہنے لگے کہ صاحب زادۂ نبوی کے انتقال کی وجہ سے گہن لگا ہے، آپ ﷺ نے فوراً اس کی تردید میں باضابطہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

عفو و درگزر کا باب آپ کے یہاں بہت وسیع تھا اور دوستوں اور دشمنوں سب کو اس سے سرفراز ہونے کا موقع ملتا تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو وہ سارے لوگ آپ کے سامنے موجود تھے، جنھوں نے آپ کے قتل کے منصوبے بنائے، آپ کو اور آپ کے رفقا کو جسمانی اذیتیں پہنچائیں، آپ کو برا بھلا کہا، معاشی ناکہ بندی کی اور آپ کے پورے خاندان کو دانہ دانہ کے لیے ترسایا، آپ کی صاحب زادیوں کو طلاقیں دلوادیں، لیکن آپ نے ان سبھوں کو بیک جنبش زبان معاف فرما دیا، یہاں تک کہ ان کے جور وظلم کا ذکر کر کے انھیں شرمندہ بھی نہیں فرمایا، محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت وحشی، ان کا کلیجہ چبانے والی حضرت ہندہؓ، بدترین دشمن ابوجہل کے بیٹے عکرمہ اور غزوہ احد اور غزوہ خندق میں مشرکین کی قیادت کرنے والے ابوسفیان سبھوں کو دامن عفو میں پناہ دی۔

5.4 دیگر اخلاق نبوی ﷺ

آپ ﷺ ہمیشہ عدل وانصاف کی تلقین فرماتے تھے اور خود بھی اس پر عمل کرتے تھے، عرب کا ایک معزز قبیلہ بنومخزوم کی ایک عورت چوری میں پکڑی گئی، لوگ چاہتے تھے کہ وہ سزا سے بچ جائے، آپ کے پروردہ اور محبوب حضرت اسامہ بن زید نے سفارش کی، آپ ﷺ نے اس پر سخت ناگواری کا اظہار کیا اور سزا جاری فرمائی، عدل وانصاف کے معاملہ میں مسلمان اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہیں تھا، اس لیے یہود بھی اپنے معاملات طے کرانے آپ ﷺ کے پاس آیا کرتے تھے۔

سخاوت وفیاضی کا حال یہ تھا کوئی سائل واپس نہیں ہوسکتا تھا، اگر اپنے پاس موجود نہ ہوتو دوسروں سے قرض لے کر دیتے، اگر کچھ درہم و دینار بچا رہتا تو جب تک تقسیم نہ ہوجائے بے چین رہتے، جن لوگوں کی وفات ہوتی، فرماتے کہ ان کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے، اور متروکہ ان کے ورثہ کے لیے۔آپ ﷺ کی اس فیاضی کا نتیجہ تھا کہ جب آپ کی وفات ہوئی تو چراغ میں تیل تک نہیں تھا اور آپ ﷺ کی زرہ مبارک چند کیلو جو پر رہن تھی۔ جہاں آپ کے دربار سے کوئی حاجت مند نامراد واپس نہیں ہوتا تھا، وہیں دوسری طرف سوال اور گداگری کو بھی ناپسند فرماتے تھے، ایک صاحب بھیک مانگتے ہوئے آئے تو آپ ﷺ نے ان کا بستر اور پیالہ (جس کے وہ مالک تھے) منگوایا اور اس کی ڈاک لگوائی، دو درہم میں فروخت ہوا، آپ ﷺ نے انھیں ایک درہم خرچ کے لیے دیا اور دوسرے درہم سے کلہاڑی بنادی کہ جنگل سے لکڑی لائیں اور فروخت کریں، پندرہ دنوں بعد جب وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دس درہم ان کے پاس جمع ہو چکا تھا، آپ نے ارشاد فرمایا: یہ اچھا ہے یا یہ کہ قیامت کے دن چہرہ پر گدائی کا داغ لے کر جاتے؟

انسانی برابری اور مساوات کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے، آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں صاف فرما دیا کہ کالے اور گورے یا عربی و عجمی ہونے کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، اسی لیے جب بھی کوئی کام ہوتا، آپ ﷺ اپنے رفقا کے ساتھ مل کر اس کام میں شریک رہتے، حج میں قریش حدودِ حرم سے باہر نکلنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے، اس لیے عرفات نہیں جاتے تھے، آپ ﷺ نے اس امتیاز کو ختم کیا اور عرفہ کے وقوف کو حج کے لیے لازم قرار دیا۔

اسلام سے پہلے عربوں میں شرم وحیا کی بڑی کمی تھی، لوگ کھلے عام برہنہ حالت میں غسل کرتے تھے، قضاء حاجت کے وقت بھی پردہ کا اہتمام نہیں تھا، یہاں تک کہ کعبۃ اللہ کا طواف بھی بے لباس کیا جاتا تھا، آپ ﷺ نے بے حیائی کی ان تمام باتوں کو منع فرمایا، صحابہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے اور ہر موقع پر حیا کا لحاظ کرتے تھے۔

آپ کی راست گوئی اور دیانت مکہ میں ضرب المثل تھی، لوگ آپ ﷺ کو صادق اور امین کہتے تھے، خود ابوجہل بھی اعتراف کرتا تھا کہ آپ ﷺ جھوٹے نہیں ہیں، لیکن کہتا تھا کہ جو باتیں آپ پیش کر رہے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔ آپ نے جب بادشاہ روم کو دعوت اسلام کا مکتوب لکھا، اس وقت ابوسفیان روم میں ہی تھے، جو اس وقت آپ کے سخت مخالف تھے، چنانچہ شاہ روم نے ابوسفیان سے آپ کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا وہ دعوئ نبوت

سے پہلے جھوٹ بھی بولتے تھے؟ ابوسفیان نے کہا: نہیں، غرض کہ دشمنوں کو بھی آپ کی راست گوئی کا اعتراف تھا، دیانت داری کا حال یہ تھا کہ دشمن بھی اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھواتے تھے، چنانچہ جب آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو اہل مکہ کی بہت سی امانتیں آپ ﷺ کے پاس تھیں، جنھیں آپ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر کے گئے۔

ایفاءعہد کا آپ کو بڑا لحاظ تھا، صلح حدیبیہ میں جو شرطیں طے پائیں آپ ان پر سختی سے قائم رہے، بعض اور مظلوم مسلمانوں کی قابل رحم حالت دیکھ کر بھی وعدہ خلافی کرنا گوارہ نہ کیا۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کے مقابلہ ایک تہائی سے بھی کم تھی، اس لیے ایک ایک آدمی کی اہمیت تھی، چنانچہ عین جنگ کے وقت حذیفہ بن یمان اور ان کے والد یمان (جن کا اصل نام حسیل بن جابر تھا) کہیں سے آ رہے تھے کہ ان دونوں کو اہل مکہ نے پکڑ لیا، لیکن اس شرط پر چھوڑا کہ وہ جنگ میں آپ کا ساتھ نہیں دیں گے، یہ مسلمانوں کے ساتھ غزوہ میں شریک ہونا چاہتے تھے، لیکن آپ نے انھیں واپس کر دیا اور فرمایا کہ ہم ہر حال میں وعدہ پورا کرنے کے قائل ہیں۔ نبوت سے پہلے ایک صاحب سے معاملہ ہوا وہ آپ ﷺ کو بٹھا کر چلے گئے کہ آ کر حساب کر دیتا ہوں، مگر ان کو خیال نہیں رہا، تین دنوں بعد آئے تو آپ ﷺ اسی جگہ تشریف رکھتے تھے، آپ نے فرمایا: تین دنوں سے یہیں تمہارا انتظار کر رہا ہوں

غرض کہ آپ ﷺ کی ذات گرامی فضائل اخلاق کا نمونہ تھی اور رزائل اخلاق سے مبرا، آپ ﷺ نے نہ صرف اخلاق کی تعلیم دی، بلکہ عملاً انھیں برت کر دکھایا بھی۔

5.5 ازواج مطہرات اور اولاد

پیغمبر کی زندگی عام انسانوں کی زندگی سے مختلف ہوتی ہے، ان کا عمل نمونہ ہوتا ہے اور یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ اس کی زندگی کا پورا ریکارڈ اُمت کے لئے محفوظ ہو جائے، اسی لیے انبیا کو عام لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ بیویوں کو رکھنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس خصوصی حکم کے تحت گیارہ نکاح فرمائے، ان میں بعض نکاح ان لوگوں کی قربانی کا حق ادا کرنے کے لیے تھا، جنھوں نے اپنا سب کچھ اسلام کے لیے قربان کر دیا تھا، جیسے حضرت عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ بعض نکاح آپ ﷺ نے ان خواتین کی دل داری کے لیے فرمایا جنھوں نے اسلام کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا، اور وہ بے سہارا ہو گئی تھیں، جیسے حضرت اُم حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔ بعض نکاح کا مقصد اس قبیلہ کے لوگوں کو اسلام سے مانوس کرنا اور دعوتِ حق کے قریب کرنا تھا، جیسے حضرت جویریہؓ اور حضرت صفیہؓ، اسی طرح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہ کا نکاح متبنّٰی کی قدیم رسم کو ختم کرنے کے لیے ہوا، کیوں کہ ان کے شوہر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے متبنّٰی تصور کیے جاتے تھے، اور زمانہ جاہلیت میں لوگ متبنّٰی کو صلبی بیٹے کا درجہ دیتے تھے۔

بحیثیتِ مجموعی ان ازواج مطہرات کے ذریعہ دین کی نشر و اشاعت میں بے حد مدد ملی۔ تفسیر قرآن، روایتِ حدیث، احکام فقہیہ اور بالخصوص خواتین سے متعلق مسائل بیان کرنے میں حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت اُم سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ وغیرہ سے اُمت کو جو نفع پہنچا، وہ کسی اور سے نہیں پہنچ سکتا تھا، ازواجِ مطہرات سے نکاح کے وقت آپ ﷺ کی عمر کو دیکھنے سے اندازہوتا ہے کہ 54 سال کی عمر تک آپ ﷺ کے نکاح میں بیک وقت ایک ہی بیوی رہیں، حضرت خدیجہؓ اور حضرت سودہؓ جو عمر میں بھی آپ سے بڑی تھیں۔ باقی نکاح 54 سے 59 سال کے درمیان ہوئے۔ دوسرے ان تمام ازواج میں صرف حضرت عائشہؓ کنواری تھیں، بقیہ خواتین بیوہ یا مطلقہ تھیں، اگر کوئی شخص اپنی نفسانی آسودگی کے لیے زیادہ شادیاں کرے تو عام طور پر 30 سال کے اندر ایسی شادیاں کی جاتی ہیں اور خصوصیت سے کنواری لڑکیوں سے شادی کرنے کو ترجیح دی جاتی ہے۔

ذیل میں ازواج مطہرات کے نام، ان کی تاریخ ولادت، تاریخ وفات، سن نکاح اور حضور کے ساتھ رفاقت کی مدت تحریر کی جاتی ہے:

نمبر شمار	اسمائے گرامی	ولادت	سن نکاح	اُم المومنین کی عمر بوقت نکاح	سن وفات	حضور کی خدمت میں رہنے کی مدت	حضور ﷺ کی عمر مبارک بوقت نکاح
1	حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ	555ء	15 سال قبل نبوۃ	40 سال	10 نبوی	25 سال	25 سال
2	حضرت سودہؓ	570ء	10 نبوی	50 سال	19ھ	14 سال	50 سال
3	حضرت عائشہ صدیقہؓ	614ء	رخصتی شوال ا ہجری	9 سال	57ھ	9 سال	54 سال
4	حضرت حفصہؓ	605ء	شعبان 4ھ	22 سال	51ھ	۲/۱ ۷ سال	55 سال
5	حضرت زینب بنت خزیمہؓ	595ء	صفر 4ھ	30 سال	4ھ	3 ماہ	55 سال
6	حضرت اُم سلمہؓ	602ء	4ھ	26 سال	59ھ	7 سال	56 سال
7	حضرت زینب بنت جحشؓ	592ء	5ھ	26 سال	20ھ	6 سال	57 سال
8	حضرت جویریہؓ	608ء	شعبان 5ھ	20 سال	56ھ	6 سال	57 سال
9	حضرت اُم حبیبہؓ	603ء	6ھ	26 سال	44ھ	6 سال	57 سال
10	حضرت صفیہؓ	613ء	7ھ	17 سال	50ھ	تقریباً 4 سال	59 سال
11	حضرت میمونہؓ	594ء	7ھ	36 سال	51ھ	۴/۱ ۳ سال	59 سال

آپ ﷺ کو چار صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے ہوئے، صاحبزادوں کے نام یہ ہیں :

(1) حضرت قاسم۔

(2) حضرت عبداللہ۔

(3) حضرت ابراہیم۔

صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں :

(1) حضرت زینبؓ : ان کا نکاح حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

(2) حضرت رقیہؓ : ان کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

(3) حضرت اُم کلثومؓ : حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیا، اسی لیے حضرت عثمانؓ 'ذوالنورین' سے ملقب ہوئے۔

(4) حضرت فاطمۃ الزہراؓ : آپ کا نکاح حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ سے ہوا اور آپ ہی سے حضور ﷺ کی نسل چلی۔

تینوں صاحبزادے بچپن ہی میں فوت ہوگئے، حضرت ابراہیم کے سوا آپ ﷺ کی تمام اولاد حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن سے ہیں، حضرت ابراہیم آپ کی باندی حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

5.6 خلاصہ

- اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو ہر لحاظ سے کامل اور مکمل بنا کر دنیا کے لئے آپ کو نمونہ اور اسوہ بنایا۔
- آپ ﷺ کی زندگی اعلیٰ ترین انسانی اخلاق کی حامل تھی۔
- آپ کے مزاج میں انتہائی نرمی تھی اور بول چال میں انتہائی مٹھاس تھا، آپ کے گفتگو کا انداز بہت پیارا اور دل موہ لینے والا تھا، مخالفین بھی آپ کی باتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے، جب بولتے سچ بولتے، بیکار اور لایعنی باتوں سے گریز کرتے، جھوٹ، چغلی، غیبت اور بدگمانی سے حد درجہ نفرت کرتے۔
- آپ ﷺ نے گیارہ شادیاں کیں۔ آپ ﷺ کی ازواج میں حضرت عائشہؓ کے سوا تمام ازواج بیوہ یا طلاق یافتہ تھیں۔
- آپ ﷺ کو تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہوئیں۔
- حضرت فاطمہؓ کے سوا تمام اولاد آپ ﷺ کی زندگی ہی میں وفات پا گئی تھی۔
- عالم انسانیت میں آپ ﷺ ہی کی وہ منفرد اور واحد شخصیت ہے جس کی شعبہ ہائے زندگی ایک کھلی کتاب ہے۔
- ازواج مطہرات کے ذریعہ دین کی نشر و اشاعت میں بہت مدد ملی، تفسیر قرآن، روایت حدیث اور بالخصوص خواتین سے متعلق مسائل بیان کرنے میں حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ وغیرہ سے امت کو جو نفع پہنچا وہ کسی اور سے نہیں پہنچ سکتا تھا۔

5.7 نمونۂ امتحانی سوالات

(1) اخلاق محمدی کے خلاصہ میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ: ''**كان خلقه** ....''۔

(2) ''**وفينا نبي يعلم ما في** ....''۔

(3) آپ ﷺ کھانے کے لئے بیٹھتے تو نہایت تواضع کی کیفیت کے ساتھ، اور فرماتے کہ: ''**أنا آكل كما يأكل** ....''۔

(4) آپ ﷺ کی ازواج میں حضرت .... کے سوا تمام ازواج بیوہ یا طلاق یافتہ تھیں۔

(5) آپ ﷺ کو .... صاحبزادے ہوئیں۔

مختصر جوابی سوالات:

(1) تواضع رسول ﷺ پر روشنی ڈالیے۔

(2) نبی ﷺ کی سخاوت و فیاضی پر ایک نوٹ لکھیے۔

(3) حضرت محمد ﷺ کے اولاد پر نوٹ تحریر کیجیے۔

(4) حضرت محمد ﷺ کی ازواج مطہرات پر ایک نوٹ لکھیے۔

طویل جوابی سوالات:

(1) ''کان خلقه القرآن''، اس حدیث کی روشنی میں نبی ﷺ کے بلند اخلاق بیان کیجیے۔

(2) حضرت محمد ﷺ کے اسوہ حسنہ پر روشنی ڈالیے۔

(3) ''لوگ آپ ﷺ کو صادق اور امین کہتے تھے''۔ اس عبارت کو واضح کیجیے۔

(4) آپ ﷺ کے تواضع، انکساری اور عفو پر ایک مضمون لکھیے۔

5.8 سفارش کردہ کتابیں

1۔	سیرۃ النبی (اول و دوم)	علامہ شبلی نعمانی / علامہ سید سلیمان ندوی
2۔	رحمت للعالمین	قاضی سلیمان منصور پوری
3۔	اصح السیر	مولانا عبدالروف دانا پوری
4۔	محمد عربی	ڈاکٹر حمید اللہ
5۔	سیرت سرور عالم	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
6۔	نبیٔ رحمت	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
7۔	سیرۃ المصطفیٰ	مولانا محمد ادریس کاندھلوی
8۔	سیرۃ المجتبیٰ	جناب مصباح الدین شکیل
9۔	الرحیق المختوم	مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

۔:oOo:۔

اکائی 6 : ارشادات رسول اللہ ﷺ - 1

اکائی کے اجزا

6.1 تمہید
6.2 احکام دین
6.3 باہمی حقوق
6.4 آداب زندگی
6.5 خلاصہ
6.6 نمونۂ امتحانی سوالات
6.7 سفارش کردہ کتابیں

6.1 تمہید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات جو حدیث کی کتابوں میں مستند طور پر منقول ہیں، ان کی تعداد بھی ہزاروں میں ہے، ان احادیث میں اصلاحِ فکر، اصلاحِ عمل، تزکیہ نفس، معاشرہ کی تعمیر، امن و اُخوت کی ترغیب، انسانی احترام، مظلوموں، بوڑھوں، عورتوں، بچوں، مردوں، اور معذوروں کے حقوق وغیرہ سے متعلق نہایت ہی اہم اُصول ہیں، جن پر چل کر انسان آخرت کی نجات کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہوسکتا ہے۔ یہاں احکام زندگی، باہمی حقوق اور آداب زندگی سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات کتابیں اور راویوں کے حوالہ کے ساتھ درج کیے جارہے ہیں۔

6.2 احکام دین

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ : شَهَادَةِ أَنْ لَّا اِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَأَنَّ مُـحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ ، وَالْحَجِّ ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) ۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۸، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ''بنی الإسلام علی خمس'' کتاب الإیمان)

(حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا''۔)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ ، وَوَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ أَهْلِهِ كَمُقَلِّدِ الْخَنَازِيْرِ الْجَوْهَرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَالذَّهَبَ)) ۔

(ابن ماجہ، رقم الحدیث: 224، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، کتاب السنۃ)

(حضرت انس بن مالک سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ہر مسلمان پر علم حاصل کرنا فرض ہے، اور نااہل کے پاس علمی باتیں کرنا ایسا ہے، جیسا کہ سور کو ہیرا، موتی اور سونے کا ہار پہنانا''۔)

عَنْ عُثْمَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ))

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 2707، باب فضل الإصلاح بین الناس والعدل بینهم، کتاب الصلح)

(حضرت عثمان روایت کرتے ہیں: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے'')

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ ، وَمَنْ مَّاتَ وَهُوَ يَشْرَبُ الْخَمْرَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ))۔

(سنن أبی داود، رقم الحدیث: 3679، باب ما جاء فی شارب الخمر، أبواب الأشربۃ)

(حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے، جو شخص اس حال میں مرے کہ وہ دنیا میں شراب پینے کا عادی ہو، اس کو آخرت میں شراب (طہور) میسر نہ ہوگی''۔)

عَنْ عَائِشَةَؓ : أَنَّ أُسَامَةَ كَلَّمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ إِمْرَأَةٍ فَقَالَ : ((إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوْا يُقِيْمُوْنَ الْحَدَّ عَلَى الْوَضِيْعِ وَيَتْرُكُوْنَ عَلَى الشَّرِيْفِ ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ فَاطِمَةُ فَعَلَتْ ذٰلِكَ لَقَطَعْتُ يَدَهَا)) ۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 6787 باب إقامۃ الحدود علی الشریف والوضیع، کتاب الحدود)

(حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضرت اسامہ نے (عرب کے ایک معزز قبیلہ کی) ایک عورت کے بارے میں بات کی (کہ اس سے چوری کی شرعی سزا معاف کردی جائے) تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''بلاشبہ وہ لوگ جو تم سے پہلے تھے، اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ کمزوروں پر حد قائم کرتے تھے اور شریف کو چھوڑ دیتے تھے، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر فاطمہؓ بھی ایسا کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا''۔)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((مَنْ أَطَاعَنِيْ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ ، وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ ، وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيْرِيْ فَقَدْ أَطَاعَنِيْ ، وَمَنْ عَصَى أَمِيْرِيْ فَقَدْ عَصَانِيْ))۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 7137، باب قول اللہ تعالیٰ: اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم، کتاب الأحکام)

(حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے میرے (مقرر کیئے ہوئے) امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی''۔)

عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى الْأَشْعَرِيْ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِيْرِ وَالذَّهَبُ عَلٰى ذُكُوْرِ أُمَّتِيْ وَأُحِلَّ لِإِنَاثِهِمْ))۔

(جامع الترمذی، رقم الحدیث: 1720، باب ما جاء فی الحریر والذهب للرجال، أبواب اللباس)

(حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ریشم کا لباس اور سونا میری اُمت کے مردوں پر حرام ہے

6.3 باہمی حقوق

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَـالَ : قَـالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((اَلْمُسْلِمُ أَخُـوالْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يُسْلِمُهٗ ، وَمَنْ كَـانَ فِىْ حَـاجَةِ أَخِيْهِ كَانَ اللّٰه فِىْ حَاجَتِهٖ ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَجَّ اللّٰه عَـنْـهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللّٰه يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث:۲۴۴۲، باب لایظلم المسلم المسلم ولا یسلمہ، کتاب المظالم)

(حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:''مسلمان،مسلمان کا بھائی ہے،نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس پر ظلم ہوتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے،اور جوشخص اپنے بھائی کی حاجت وضرورت میں کام آئے گا،اللہ تعالیٰ اس کی حاجت وضرورت میں کام آئیں گے، جوشخص کسی مسلمان سے رنج وکلفت کو دور کرے گا،اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے تمام رنج وکلفت کو دور کردیں گے اور جوشخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا،اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے''۔)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ)) ۔

(جامع الترمذی، رقم الحدیث:2699، باب ماجاء فی السلام قبل الکلام، کتاب الإیمان)

(حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:''بات چیت کرنے سے پہلے سلام کرنا چاہیے''۔)

عَنِ الْبَرَاءِ قَـالَ : أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ : ((أَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ ، وَاتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ ، وَتَشْمِيْـتِ الْعَـاطِسِ ، وَإِجَابَةِ الدَّاعِىْ ، وَرَدِّ السَّلَامِ ، وَنَصْرِ الْمَظْلُوْمِ ، وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ، وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ : عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ ، وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَالسُّنْدُسِ وَالْمَيَاثِرِ ...)) ۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث:6222، باب تشمیت العاطس إذا حمد اللہ، کتاب الأدب)

(حضرت براء کہتے ہیں کہ ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کا حکم فرمایا: بیمار کی مزاج پرسی کرنا، جنازہ کے پیچھے چلنا، چھینکنے والے کا جواب دینا، دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنا، سلام کا جواب دینا، مظلوم کی مدد کرنا، قسم کھانے والے کی قسم کو پوری کرنا، اور سات چیزوں سے منع فرمایا ہے: سونے کی انگوٹھی سے، ریشم دیباج اور سندس کے پہننے سے اور گھوڑے کی ریشمی زین سے''۔)

عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَـابَتِىْ ؟ قَالَ : ((أُمُّكَ)) قَـالَ : ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ : ((ثُمَّ أُمُّكَ)) قَـالَ : ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ : ((ثُمَّ أُمُّكَ)) قَـالَ : ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ : ((ثُمَّ أَبُوْكَ)) ۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث' باب برالوالدین وایہما احق بہ، کتاب البر والصلة)

(حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے: کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ میرے لوگوں میں کون میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار ہے؟ آپ نے فرمایا:''تمہاری ماں''، اس آدمی نے کہا: پھرکون؟ آپ نے پھر فرمایا: تمہاری ماں، اس آدمی نے کہا: پھر کون؟ آپ نے پھرفرمایا: تمہاری ماں، اس آدمی نے کہا: پھرکون؟ اب آپ نے فرمایا: تمہارا باپ''۔)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((أَبَرُّ الْبِرِّ أَنْ يَّصِلَ الرَّجُلُ وُدَّ أَبِيْهِ))

(صحیح مسلم، رقم الحدیث:12، باب فضل أصدقاء الأب والأم ونحوہما، کتاب البر والصلة والأدب)

(حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے: کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرے''۔)

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : ((رَغِمَ أَنْفُهٗ ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهٗ ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهٗ)) قِیْلَ : مَنْ ؟ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! قَالَ : ((مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَیْهِ عِنْدَ الْکِبَرِ أَحَدَهُمَا ، أَوْکِلَیْهِمَا ، ثُمَّ لَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّةَ)) .

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: 10، باب رغم من أدرک أبویہ أو أحدھما عند الکبر فلم یدخل الجنۃ، کتاب الأدب)

(حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، (یعنی ذلیل وخوار ہو)، کسی نے عرض کیا: کون؟ اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی کو بوڑھاپے کی حالت میں پائے، پھر بھی وہ جنت میں داخل نہ ہو''۔)

عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ قَالَ : إِنَّ خَلِیْلِیْ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَوْصَانِیْ : ((إِذَاطَبَخْتَ مَرَقًا فَأَکْثِرْ مَاءَ هٗ ، ثُمَّ أنْظُرْ أَهْلَ بَیْتٍ مِنْ جِیْرَتِكَ فَأَصِبْهُمْ مِنْهَا بِمَعْرُوْفٍ)) .

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: 6689، باب الوصیۃ بالجار والإحسان إلیہ، کتاب البر والصلۃ والأدب)

(حضرت ابو ذر کہتے ہیں کہ مجھے ''میرے دوست'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ: ''جب کوئی شوربہ دار چیز پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈالو، پھر اپنے پڑوس کے گھر والوں کو دیکھو اور بھلے طریقہ پر ان کو پہنچاؤ''۔)

6.4 آداب زندگی

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :((إِذَا نَظَرَ أَحَدُکُمْ إِلٰی مَنْ فُضِّلَ عَلَیْهِ فِی الْمَالِ وَالْخَلْقِ، فَلْیَنْظُرْ إِلٰی مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ عَلَیْه)) . (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 6490، باب ینظر إلی من ھو أسفل منہ ولا ینظر إلی من ھو فوقہ، کتاب الرقاق)

(حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کی نگاہ ایسے شخص پر پڑے جس کے پاس تم سے زیادہ مال ہو اور جسمانی اعتبار سے تم سے بہتر ہو تو چاہیے کہ اپنے سے کم تر شخص کو دیکھے''۔)

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ ، وَدَرَكِ الشَّقَاءِ ، وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ)) . (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 6616، باب من تعوذ باللہ من درک الشقاء وسوء القضاء، کتاب القدر)

(حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی پناہ مانگو غربت وعیال داری سے، بدبختی وبدحالی کے انجام بد سے، برے فیصلہ سے اور دشمنوں کے مصیبت پر خوش ہونے سے''۔)

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ : سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ : ((أَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ : اَلْخِتَانُ ، وَالْإِسْتِحْدَادُ ، وَقَصُّ الشَّارِبِ ، وَتَقْلِیْمُ الْأَظْفَارِ ، وَنَتْفُ الْاٰبَاطِ)) . (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 5891، باب تقلیم الأظفار، کتاب اللباس)

(حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا: ''پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کروانا، زیر ناف بال صاف کرنا، مونچھ کاٹنا، ناخن کاٹنا اور بغل کا بال صاف کرنا''۔)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : أَیُّ الْإِسْلَامِ خَیْرٌ ؟ قَالَ : ((تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ

السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَعَلٰى مَنْ لَمْ تَعْرِفْ)) ۔
(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 6236، باب السلام للمعرفۃ، کتاب الإستئذان)
(حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں: کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام میں کون سی چیز بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کھانا کھلانا اور سلام کرنا، خواہ تم اس کو پہچانتے ہو یا نہیں''۔)

عَنْ أَبِیْ مُوْسیٰ الْأَشْعَرِیِ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : ((أَطْعِمُوْا الْجَائِعَ ، وَعُوْدُوْالْمَرِیْضَ وَفُکُّوْا الْعَانِیْ)) ۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 5649، باب وجوب عیادۃ المریض، کتاب المرضی)
(حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بھوکے کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی مزاج پرسی کرو اور قیدی کی رہائی میں مدد کرو''۔)

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ : ((مَاعَابَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَعَاماً قَطُّ ، إِن اشْتَهَاهُ أَکَلَهُ ، وَإِلَّا تَرَکَهُ))۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 3402، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب المناقب)
(حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں: ''کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی کھانے کو عیب نہیں لگایا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی خواہش ہوتی تو تناول فرماتے، ورنہ چھوڑ دیتے''۔)

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : ((لَا عَدْوَی وَلَا هَامَةَ وَلَا نَوْءَ وَلَا صَفَرَ)) ۔
(سنن أبی داؤد، رقم الحدیث: 3912، باب فی الطیرۃ، کتاب الکہانۃ والتطیر)
(حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نہ چھوت کی کوئی حقیقت ہے، نہ روح کی، نہ نچھتر (کارتی) کی کوئی حقیقت ہے اور نہ صفر کو منحوس سمجھنے کی''۔)

عَنْ أَبِیْ مَالِکٍ الْأَشْعَرِیْ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : ((الطُّهُوْرُ شَطْرُ الْإِیْمَانِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہ تَمْلَأُ الْمِیْزَانَ ، وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَآنِ مَابَیْنَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ ، وَالصَّلَاةُ نُوْرٌ ، وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ ، وَالصَّبْرُ ضِیَاءٌ ، وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَکَ ، کُلُّ النَّاسِ یَغْدُو فَبَایِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا)) ۔
(صحیح المسلم، رقم الحدیث: ۱، باب فضل الوضوء، کتاب الطہارۃ)
(حضرت ابو مالک اشعری سے روایت ہے: رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''پاکی ایمان کا جز ہے، الحمد للہ ترازو کو بھر دیتا ہے، اور سبحان اللہ اور الحمد للہ ان سب کو بھر دیتا ہے جو کچھ آسمان و زمین کے مابین ہیں، نماز نور ہے، صدقہ برہان ہے، صبر روشنی ہے، قرآن تیرے لیے حجت ہے، تمام لوگ صبح کرتے ہیں، تو اپنے کو فروخت کرنے والے اور اپنے نفس کو آزاد کرنے والے ہوتے ہیں''۔)

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : (لَلّٰہُ أَشَدُّ فَرَحاً بِتَوْبَةِ أَحَدِکُمْ مِنْ أَحَدِکُمْ بِضَالَّتِهِ إِذَا وَجَدَهَا)) ۔
(صحیح مسلم، رقم الحدیث: 6953، باب فی الحض علی التوبۃ والفرح بہا، کتاب التوبۃ)
(حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کی توبہ کرنے سے اس طرح خوش ہوتا ہے جیسا کہ تم میں سے کسی کی سواری گم ہوگئی ہو اور وہ اس کو پالے''۔)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : ((مَنْ سَأَلَ الْجَنَّةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، قَالَتِ الْجَنَّةُ : اَللّٰهُمَّ

أَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ ، وَمَنِ اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، قَالَتِ النَّارُ : اَللّٰهُمَّ أَجِرْهُ مِنَ النَّارِ)) ۔ (سنن ابن ماجۃ ،رقم الحدیث:4340، باب صفۃ الجنۃ ،کتاب الزہد)

(حضرت انس بن مالک سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''جو تین مرتبہ جنت کی فریاد کرے گا، جنت کہے گی: اے اللہ! تو اس کو جنت میں داخل کردے، اور جوشخص تین مرتبہ جہنم کی آگ سے پناہ چاہے گا، جہنم کہے گی: اے اللہ! تو اس کو جہنم کی آگ سے بچالے''۔

6.5 خلاصہ

حدیث شریف کے اس انتخاب میں اسلام کے ارکان ،علم حاصل کرنے کی ترغیب، دوسروں کے حقوق ، نیکی کے کام ،صلہ رحمی وغیرہ کے بارے میں بتایا گیا ہے ۔اسی طرح انسانی مساوات اورخوشگوار زندگی گذارنے کے آداب سے روشناس کرایا گیا ہے۔ اتحاد، باہمی تعاون اور ایک دوسرے کی مدد کرنا اور کھانا کھلانا پرزور دیا گیا ہے۔اورتوبہ کرنے والے سے اللہ خوش ہوتا ہے بتایا گیا ہے۔

6.6 نمونۂ امتحانی سوالات

(1) خيركم من تعلّم ...... وعلّمه۔

(2) كلّ مسكر ...... ۔

(3) ...... قبل الكلام ۔

(4) أبرّ البرّ أن يصل الرجل ودّ ......۔

(5) الطّهور شطر ......۔

مختصر جوابی سوالات:

(1) تین حدیثیں کتاب اور راوی کے نام کے ساتھ تحریر کیجیے۔

(2) آداب زندگی کے تعلق کسی دو حدیثوں کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھیے ۔

(3) باہمی حقوق پر دو احادیث پیش کیجیے اور اس کا اردو میں ترجمہ کیجیے۔

طویل جوابی سوالات:

(1) احکام دین کے تعلق سے نبی ﷺ کی کیا ہدایات ہیں؟ بیان کیجیے۔

(2) رسول اللہؐ نے زندگی کے کیا آداب بتائے ہیں؟ لکھیے ۔

(3) باہمی حقوق کے بارے میں رسول اللہ کے ارشادات کیا ہیں؟

6.7 سفارش کردہ کتابیں

1۔ ریاض الصالحین (اردو ترجمہ)	امام یحی نووی
2۔ معارف الحدیث	مولانا منظور نعمانی
3۔ منتخب احادیث	مولانا محمد یوسف کاندھلوی

۔:oOo:۔

اکائی 7 : ارشادات رسول اللہ ﷺ - 2

اکائی کے اجزا

7.1 تمہید

7.2 حسن اخلاق

7.3 بری عادتیں

7.4 خلاصہ

7.5 نمونۂ امتحانی سوالات

7.6 سفارش کردہ کتابیں

7.1 تمہید

اس اکائی میں ہم پھر ایک نظر ڈالیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات جو حدیث کی کتابوں میں مستند طور پر منقول ہیں۔ یہاں حسن اخلاق اور بری عادتوں سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات کتابیں اور راویوں کے حوالہ کے ساتھ درج کیے جا رہے ہیں۔

7.2 حُسنِ اخلاق

عَنْ أَبِىْ مُوْسىٰ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((أَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ ، يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ، ثُمَّ شَبَّكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَصَابِعِهٖ))۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث:6026، باب تعاون المؤمنین بعضہم بعضا، کتاب الأدب)

(حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کے درمیان تشبیک کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کے مثل ہیں، کہ ان میں سے ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے''۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ)) ۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث:6044، باب ما ینہی من السباب واللعن، کتاب الأدب)

(حضرت عبداللہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے'')۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ :((أَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِه)) ۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث:65، باب بیان تفاضل الإسلام وأیّ أموره أفضل، کتاب الإیمان)

(حضرت جابر سے روایت ہے: وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں'')۔

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ)) .

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 13، باب من الإیمان أن یحب لأخیہ ما یحب لنفسہ، کتاب الإیمان)

(حضرت انس سے روایت ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے'')۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((أُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِماً أَوْمَظْلُوْماً)) قَالُوْا : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! هٰذَا نَنْصُرُهٗ مَظْلُوْماً ، فَكَيْفَ نَنْصُرُهٗ ظَالِماً ؟ فَقَالَ : ((تَأْخُذُ فَوْقَ يَدَيْهِ))

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 2444، باب علامات المنافق، کتاب الإیمان)

(حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم مظلوم کی مدد کریں یہ تو ٹھیک ہے، لیکن ہم ظالم کی مدد کیسے کریں؟ آپ نے فرمایا: اس کے ہاتھوں کو پکڑلو'')۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْ لِيَسْكُتْ)) . (صحیح مسلم، رقم الحدیث ۷۵، باب الحث علی إکرام الجار والضیف ولزوم الصمت إلا عن الخیر وکون ذلک کلہ من الإیمان، کتاب الإیمان)

(حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ بھلی بات کہا کرے یا خاموش رہے''۔)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((أَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ)) .

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 6023، باب طیب الکلام، کتاب الأدب)

(حضرت ابو ہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اچھی بات صدقہ ہے'')۔

عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ : سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ ؟ فَقَالَ : ((أَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ ، وَالْإِثْمُ مَاحَاكَ فِيْ صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ)) .

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: 6516، باب تفسیر البر والإثم، کتاب البر والصلۃ والأدب)

(حضرت نواس بن سمعان انصاری کہتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''نیکی بہتر اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جس سے تمہارے دل میں کھٹک ہو اور تجھے یہ پسند نہ ہو کہ دوسرے لوگ اس سے واقف ہوں'')۔

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ ، يُحْرَمُ الْخَيْرَ)) .

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: 74، باب فضل الرفق، کتاب البر والصلۃ والأدب)

(حضرت جریر بن عبداللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص نرم خوئی سے محروم ہے، وہ خیر و بھلائی سے محروم ہے'')۔

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَةِ ، إِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ)) ۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۰۷، باب فضل من یملک عند الغضب وبأی شئ یذہب الغضب ،کتاب البر والصلة والأدب)

(حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ طاقتور وہ نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے، بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے)۔

عَنْ أَبِیْ بَرْزَةَ قَالَ : قُلْتُ : یَا نَبِیَّ اللّٰہِ ! عَلِّمْنِیْ شَیْئًا أَنْتَفِعُ بِهٖ ، قَالَ : ((اعْزِلِ الْأَذَیٰ عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ))، (صحیح مسلم ،رقم الحدیث: 131، باب فضل إزالة الأذی عن الطریق، کتاب البر والصلة والأدب)

(حضرت ابوبرزہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے کوئی ایسی چیز بتادیجئے، جس سے خوب نفع ہو، آپ نے ارشادفرمایا:''مسلمانوں کے راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹادو'')۔

عَنْ أَبِیْ الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((مَا مِنْ شَیْءٍ أَثْقَلَ فِیْ الْمِیْزَانِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ)) ۔ (سنن أبی داؤد، رقم الحدیث: 4799، باب حسن الخلق، کتاب الأدب)

(حضرت ابودرداء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے ارشادفرمایا:'' (قیامت کے دن اعمال کے) ترازو میں اخلاق حسنہ سے زیادہ وزن دار کوئی چیز نہیں ہوگی''۔)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُغَفَّلٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((إِنَّ اللّٰہ رَفِیْقٌ ، یُحِبُّ الرِّفْقَ وَیُعْطِیْ عَلَیْہِ مَا لَا یُعْطِیْ عَلَی الْعُنْفِ)) ۔ (سنن أبی داؤد، رقم الحدیث: 4807، باب فی الرفق، کتاب الأدب)

(حضرت عبداللہ بن مغفل سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نرم خو ہیں، نرمی کو پسندفرماتے ہیں اورنرمی پر وہ کچھ عطا کرتے ہیں، جوسختی اورتشدد پرعطانہیں کرتے'')۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَیَعْرِفْ حَقَّ کَبِیْرَنَا فَلَیْسَ مِنَّا)) ۔ (سنن أبی داؤد، رقم الحدیث: 4943، باب فی الرحمة، کتاب الأدب)

(حضرت عبداللہ بن عمرو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: آپ نے ارشادفرمایا:''جوشخص چھوٹوں پر رحم نہ کرے، اور بڑوں کے حق کو نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں''۔)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِیءِ ، وَلٰکِنِ الْوَاصِلَ الَّذِیْ إِذَا انْقَطَعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا)) ۔

(جامع الترمذی، رقم الحدیث: 1908، باب ماجاء فی صلة الرحم، أبواب البر والصلة)

(حضرت عبداللہ بن عمرو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:''صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے جو برابری کرے، لیکن صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ اس کے ساتھ قطع رحمی کی جائے تو وہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کرے''۔)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : ((مَنْ سَرَّہٗ أَنْ یُبْسَطَ عَلَیْہِ فِیْ رِزْقِہٖ وَیُنْسَأُ فِیْ أَثَرِہٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ)) ۔ (سنن أبي داود، رقم الحدیث: 1693، باب فی صلة الرحم، کتاب الزکاۃ)

(حضرت انس سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اس بات سے خوش ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی ہو، اور اس کی عمر دراز ہو تو چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کیا کرے'')۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہ عَنْہَا زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((الرَّحْمُ شِجْنَةٌ ، فَمَنْ وَصَلَہَا وَصَلْتُہٗ ، وَمَنْ قَطَعَہَا قَطَعْتُہٗ)) ۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 5989، باب من وصل وصلہ اللہ، کتاب الأدب، کتاب التوحید)

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''رحم دلی گھنی ٹہنی ہے، جو شخص اس سے جڑے گا، میں اس سے جڑوں گا اور جو شخص اس سے قطع تعلق کرے گا، میں اس سے قطع تعلق کروں گا'')۔

عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ :((مَنْ لَّا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ)) ۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 6013، باب رحمة الناس والبہائم، کتاب الأدب)

(حضرت جریر بن عبداللہ سے مروی ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص رحم نہیں کرتا، اُس پر رحم نہیں کیا جائے گا'' ۔)

7.3 بری عادتیں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : ((إِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَةِ)) ۔

(جامع الترمذی، رقم الحدیث: 2030، باب ما جاء فی الظلم، أبواب البر والصلة)

(حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بلاشبہ ظلم وزیادتی قیامت کے دن تاریکی در تاریکی ہوگی'')۔

عَنْ أَبِیْ بَکْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :((إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَیْفِہِمَا ، فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِیْ النَّارِ)) ۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 15، باب إذا تواجہ المسلمان بسیفیہما، کتاب الفتن)

(حضرت ابوبکرہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب دو مسلمان تلوار لے کر آمنے سامنے ہوں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں ہوں گے'' ۔)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((لَا یَنْظُرُ اللّٰہ یَوْمَ الْقِیَامَةِ إِلٰی مَنْ جَرَّ ثَوْبَہٗ خُیَلَاءَ)) ۔ (جامع الترمذی، رقم الحدیث: 1730، باب ما جاء فی کراہیة جر الإزار، أبواب اللباس)

(حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائیں گے جو بڑائی اور خود پسندی کرتے ہوئے اپنے کپڑے کو (زمین تک) گھسیٹے'' ۔)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ :((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ کِبْرٍ)) ۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 168، باب بیان غلظ تحریم النمیمة، کتاب الإیمان)

(حضرت عبداللہ سے مروی ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر اور بڑائی ہو'')۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ كَاذِبَةٍ ، لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ ، لَقِيَ اللّٰه وَهُوَ عَلَيْهِ غَضَبَانٌ)) ، فَأَنْزَلَ اللّٰه تَصْدِيْقَهُ " إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ " (آل عمران: ٧٧) .

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 6659، باب عہد اللہ عز وجل، کتاب الأیمان والنذور)

(حضرت عبداللہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو آدمی اس لیے جھوٹی قسم کھائے، کہ ایک مسلمان شخص کا مال ہڑپ کر جائے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اس پر غضبناک ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تائید میں یہ آیت نازل فرمائی: ''إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ ''۔)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّم : ((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ، وَلَا تَحَسَّسُوْا ، وَلَا تَجَسَّسُوْا ، وَلَا تَنَاجَشُوْا ، وَلَا تَنَافَسُوْا ، وَلَا تَحَاسَدُوْا ، وَلَا تَبَاغَضُوْا ، وَلَا تَدَابَرُوْا ، وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَاناً)) . (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 6724، باب تعلیم الفرائض، کتاب الفرائض)

(حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بدگمانی سے بچو اس لیے کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، نہ چپکے سے باتیں سنو اور نہ ٹوہ میں پڑو اور نہ باہم دھوکہ دو اور نہ آپس میں مقابلہ کرو اور نہ آپس میں حسد کرو اور نہ بغض رکھو اور نہ آپس میں ترک تعلق کرو، اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ''۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((نَهَى عَنِ النَّجَشِ)) .

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 6963، باب ما یکرہ من التناجش، کتاب الحیل)

(حضرت ابن عمر سے مروی ہے: کہ ''رسول اللہ ﷺ نے محض سودے کی قیمت بڑھانے کے لئے بولی بڑھ کر بولنے سے منع فرمایا ہے'')۔

7.4 خلاصہ

حدیث شریف کے اس انتخاب میں نیکی کے کام، بھائی چارہ، پڑوسی کے حقوق وحسن اخلاق وغیرہ کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ نیز جھوٹ، تکبر، دھوکہ وغیرہ سماجی واخلاقی برائیوں سے بچنے کے بارے میں ذہن سازی کی گئی ہے۔ اسی طرح صلہ رحمی اور عدم تشدد کی زندگی گذارنے کے اصولسے روشناس کرایا گیا ہے۔ اتحاد، باہمی تعاون اور ایک دوسرے کی مدد کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اور نرم خو بننے اور نرمی اختیار کرنے والے کو اللہ کا پسندیدہ بتایا گیا ہے۔

7.5 نمونۂ امتحانی سوالات

(1) إن الظلم ...... يوم القيامة۔

(2) الكلمة الطيبة ...... ۔

(3) لا ينظر اللّٰه يوم القيامة إلى من جر ثوبه ......۔

(4) من يحرم الرفق، يحرم ...... ۔

(5) **سباب المسلم** ...... وقتاله كفر۔

مختصر جوابی سوالات:

(1) حسن اخلاق پر کوئی بھی تین حدیثیں کتاب اور راوی کے نام کے ساتھ تحریر کیجیے۔

(2) بری عادتوں سے متعلق کسی دو حدیثوں کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھیے۔

(3) صلہ رحمی کے بارے میں رسول اللہ کے ارشادات کیا ہیں؟ بیان کیجیے۔

طویل جوابی سوالات:

(1) حسن اخلاق کے تعلق سے نبوی ہدایات بتائیے۔

(2) اسلام کی روح میں بری عادتیں کون کون سی ہیں؟ بیان کیجیے۔

(3) عدم تشدد کی زندگی گزارنے کے کیا اصول بتائے گئے ہیں؟ بیان کیجیے۔

7.6 سفارش کردہ کتابیں

1۔ ریاض الصالحین (اردو ترجمہ)	از: امام یحیٰ نووی
2۔ معارف الحدیث	از: مولانا منظور نعمانی
3۔ منتخب احادیث	از: مولانا محمد یوسف کاندھلوی

سیرت نبویؐ، خلافت راشدہ اور اموی دور

بلاک 2 : وحی اور قرآن

اکائی 8 : مذہب کی حقیقت

اکائی کے اجزا

8.1 تمہید
8.2 مذہب کی حقیقت
8.3 مذہب کی بنیاد
8.4 مذہبی تجربے کی نوعیت اور اس کی ضرورت
8.5 مذہب کی تعریف اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات
8.6 مطالعہ مذاہب کے طریقے
1.7.1 مذہب کا ارتقائی مطالعہ
1.7.2 مذہب کا سماجیاتی مطالعہ
1.7.3 مذہب کا نفسیاتی مطالعہ
1.7.4 مذہب کا دینیاتی مطالعہ
1.7.5 مذہب کا مظہریاتی اور ہمدردانہ مطالعہ
8.7 خلاصہ
8.8 نمونہ امتحانی سوالات
8.9 سفارش کردہ کتابیں

8.1 تمہید

اس اکائی میں مذہب کی تعریف کرتے ہوئے یہ بتایا جائے گا کہ انسانی زندگی میں اس کی کیا اہمیت ہے؟ مذہب کی بنیادی حقیقت اور اس کے اعمال و رسوم میں کیا فرق ہے؟ انفرادی اور اجتماعی سطح پر مذہبی تجربے کے فرق کو بھی واضح کیا جائے گا اور یہ بھی بتایا جائے گا کہ کس طرح انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں میں مذہب کا اظہار ہوتا ہے۔ مطالعہ مذاہب کی افادیت اور معنویت بھی واضح کی جائے گی اور اس کے مختلف طریقوں کا تجزیہ بھی پیش کیا جائے گا۔

8.2 مذہب کی حقیقت

آثار قدیمہ، علم الانسان اور جغرافیائی تحقیقات نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اب تک انسانوں کی کوئی مستقل جماعتی، قومی یا تہذیبی زندگی ایسی نہیں رہی

ہے جو مذہب کی کسی نہ کسی شکل سے یکسر عاری رہی ہو۔ یہ چیز اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مذہب کا تعلق ضرور بالضرور انسان کی ایسینیادی ضرورت ہے جس کے بغیر اس کی دنیوی زندگی اگر خطرے میں نہیں پڑے گی تو کم سے کم سنگین بحران کا شکار ضرور ہو جائے گی۔ مذہب کا انسانی زندگی سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ اسے انسانی زندگی میں مرکزی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا اظہار مختلف عقیدوں، مخصوص اعمال، رسومات، فنون لطیفہ کے مظاہر، مخصوص پابندیوں، مخصوص قوانین، اخلاقی ضابطوں، مخصوص رویوں، حرکات وسکنات اور بے شمار دیگر صورتوں میں ہوتا ہے۔ بظاہر انسانی زندگی پورے طور پر مذہبی دائرے میں گھری ہوئی نظر آتی ہے۔ انسانی زندگی میں مذہبی احساس کے اظہار کی اتنی لاتعداد اور متنوع شکلیں ہیں کہ اس کی کوئی مخصوص تشریح بہت مشکل معلوم ہوتی ہے۔ زندگی کی تمام تر وسعت اور ہمہ گیری میں ہمیں مذہب کا ہی جلوہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ ہم جیسے جیسے انسانی زندگی کا مطالعہ کریں گے ہمیں مذہب کی حقیقت کے نئے نئے عکس نظر آئیں گے۔

انسانی سطح پر مطالعہ کرنے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بنیادی اعتبار سے مذہب کی حقیقت دو خانوں میں تقسیم محسوس ہوتی ہے۔ مذہب کے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان ایک اندرونی ربط بھی پایا جاتا ہے لیکن اپنی خاص کیفیت اور زندگی کے دو الگ میدانوں سے متعلق ہونے کے لحاظ سے دونوں کا فرق بھی بہت واضح ہے۔ مذہب کا ایک خانہ یا اس کا ایک پہلو فرد کی باطنی زندگی سے تعلق رکھتا ہے جہاں وہ مذہب کی حقیقت سے بطور ایک احساس اور باطنی واردات کے دوچار ہوتا ہے۔ یہی وہ دنیا ہے جہاں مذہب اصل حقیقت میں بے نقاب ہوتا ہے اور انسان کا اس سے براہ راست تعلق قائم ہوتا ہے، اس لیے یہی وہ سطح ہے جہاں باطنی تجربے میں آ کر مذہب انسان کی مذہبی تشنگی کو دور کرنے کا سبب بنتا ہے۔

مذہب کی دوسری صورت یا اس کا دوسرا پہلو فرد کی جماعتی زندگی سے متعلق ہے۔ انسانی زندگی کی اس سطح پر مذہب ایک ایسی مخصوص روایت کی شکل میں سامنے آتا ہے، جو ایک طرف تو افراد کی مذہبی اجتماعیت کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہے اور دوسری طرف فرد کے لیے مذہب کے عملی اور اجتماعی اظہار کو بھی ممکن بناتی ہے۔ ایک روایت کی صورت میں، مذہب کی ان اجتماعی شکلوں کی سطح پر دنیا کی مختلف مذہبی روایتوں کا فرق بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ بعض تو ان میں ایک دوسرے کی بالکل ضد معلوم ہوتی ہیں۔ اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں ہے کہ روایتوں کے اختلاف سے انسانوں کی مذہبی زندگی متاثر ہوتی ہے یا اس کی افادیت اور معنویت میں کمی آجاتی ہے، بلکہ یہ عین ممکن ہے کہ ان کے عقیدے، رسمیں اور مذہبی ادارے اپنے اپنے نظام مذہب کے اعتبار سے مذہبی زندگی کی تشفی کے لیے کفایت کرتے ہوں۔ دوسری طرف مذہب بحیثیت ایک باطنی تجربے کے مخصوص روایتوں کے ظاہری اختلاف سے آزاد ہے۔ چناں چہ اپنی اس باطنی صورت میں مذہب تمام مذہبی روایتوں میں قدر مشترک کی حیثیت رکھتا ہے۔ مذہب کا یہی باطنی تجربہ ان روایتوں کے مذہبی ہونے کا جواز بھی ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی زندگی میں مذہب کی حقیقت دو سطحوں پر ظاہر ہوتی ہے۔ ایک، انسان کی باطنی سطح، دوسری اجتماعی سطح۔ باطنی سطح پر اس حقیقت کا اظہار انفرادی احساس اور قلبی واردات کی حیثیت سے ہوتا ہے اور اجتماعی سطح پر اعمال و رسوم اور اداروں کی حیثیت سے۔ باطنی سطح پر احساسات اور قلبی واردات و تجربات کا اختلاف اجتماعی سطح پر بھی مختلف اعمال و رسوم کو جنم دیتا ہے۔ مذہب کی اس حقیقت کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ مذہبی اعمال و رسوم اور ادارے دراصل اس باطنی تجربے کا عملی اور مادی اظہار ہیں جس کا تجربہ انسان کو انفرادی سطح پر ہوتا ہے۔

معلومات کی جانچ

1۔ انسانی زندگی میں مذہب کی کیا اہمیت ہے؟

2۔ مذہب کے باطنی تجربے اور اس کی اجتماعی شکلوں کے مابین کیا ربط ہے؟

3۔ تمام مذہبی روایات میں کس چیز کو قدر مشترک کی حیثیت حاصل ہے؟

8.3 مذہب کی بنیاد

باطنی تجربے کی حیثیت سے مذہب ہی تمام مخصوص مذہبی روایتوں کا نقطۂ آغاز اور ان کی بنیاد ہے۔ مذاہب کی بنیاد کسی ایک یا مختلف شخصیتوں کے روحانی تجربے پر ہے اور اسی سے وہ اپنا استناد حاصل کرتے ہیں خواہ وہ کسی ایک تاریخی شخصیت کو اپنا نقطہ آغاز مانتے ہوں یا محض کسی قوم کے اجتماعی ارتقا کا ایک جز ہوں۔ یہ روحانی تجربہ کسی روایت میں گیان، کسی میں کیولیّہ، کسی میں موکش، کسی میں نام کا حصول، کسی میں براہ راست مشاہدہ، کسی میں الہام اور کسی میں نزول وحی سے تعبیر ہوا ہے۔ راویت کی تشکیل درحقیقت اس وقت شروع ہوئی جب ان روحانی تجربات کو دوسروں کے لیے قابل فہم بنانے کی ضرورت سمجھی گئی۔ اس طرح ان باطنی وارداتوں نے عقیدوں، علامتوں، اعمال اور رسومات کی ایک ظاہری اور قابل محسوس شکل اختیار کرلی۔ اپنی محسوس شکل میں یہ باطنی اور روحانی تجربات دوسرے انسانوں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے قابل فہم بھی بن گئے اور قابل عمل بھی۔ کسی ایک شخص کے روحانی تجربے کی ابلاغ وترسیل کا ممکن وسیلہ اور ذریعہ بھی وہی ہوسکتا تھا۔ کسی بھی مذہبی روایت میں اس کے مخصوص عقائد اور اعمال درحقیقت وہ تار ہیں، جن کے ذریعے اس روایت سے متعلق افراد اپنی روایت کے بانی یا بانیان کے روحانی تجربے سے منسلک ہوتے ہیں اور اپنے روحانی ارتقا کے بقدر اس میں شریک ہوسکتے ہیں۔

مذہب کا وہ باطنی تجربہ جو اپنی انتہائی عظیم اور طاقت ور شکل میں بانیان مذاہب کی روحانی واردات میں ملتا ہے اور مخصوص مذہبی روایتوں میں بطور مغز، روح یا ان کی بنیاد کے موجود ہے، عام انسانوں کی مذہبی زندگی کے لیے بھی اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ چناں چہ وہ مذہبی تصورات اور میکانیکی اعمال کا درجہ اختیار کرلیتے ہیں۔ ایسی صورت میں فرد کی باطنی زندگی سے ظاہری اعمال ورسومات کا تعلق منقطع ہوجاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ ظاہری اعمال و رسومات فرد کے اندر کسی مذہبی احساس کی بے داری میں ناکام رہتے ہیں۔ وہ بس ایک معمول کی طرح ان مذہبی رسوم کو ادا کرتے ہیں۔ جس کا کوئی اثر انسانی زندگی پر نہیں پڑتا۔ ان کی روح سے ان اعمال کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روایتی اعمال وعقائد کی حیثیت فرد کے اوپر ایک بیرونی جبر کی سی ہوجاتی ہے اور اس طرح اس کا روحانی ارتقا رک جاتا ہے جس کے ذریعہ وہ اس باطنی تجربے سے خود کو منسلک کرتا ہے جس سے اس کے بانی دوچار ہوئے تھے۔ اس صورت حال میں جب مزید شدت پیدا ہوتی ہے اور ظاہری اعمال ورسوم کو ہی مذہب کی اصل اور بنیاد سمجھ لیا جاتا ہے تو پھر فرقہ سازی کا عمل شروع ہوتا ہے۔ مذہبی تاریخ میں یہی وہ وقت ہوتا ہے جب اصلاحی تحریکیں وجود میں آتی ہیں۔

مذہب کا حتمی اور حقیقی مقصود حقیقت اعلیٰ تک رسائی ہے۔ یہ رسائی اس باطنی تجربے کے ذریعے عمل میں آتی ہے جہاں حقیقت اعلیٰ خود منکشف ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کی مذہبی زندگی میں اس باطنی تجربے کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ یہ تجربہ بیک وقت ہر شخص کو نہیں ہوسکتا اسی لیے اس روحانی تجربے سے دوچار ہونے والی شخصیت اپنے متبعین کو ظاہری اعمال ورسوم کے ذریعے اسی کیفیت سے قریب تر کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے وہ دوچار ہوتی ہے، لیکن جب ان رسوم سے اس تجربے کا رشتہ منقطع ہوجاتا ہے تو پھر مذہب کی بنیاد ہی ختم ہوجاتی ہے۔ انسان کی مذہبی زندگی کا سارا دار و مدار اسی باطنی اور روحانی تجربے پر ہے۔

معلومات کی جانچ

1۔ انسان کی مذہبی زندگی میں ظاہری اعمال ورسوم کا کیا مقام ہے؟

2۔ مذہبی تاریخ میں فرقہ سازی اور اصلاحی تحریکات کا نقطۂ آغاز کیا ہے؟

3۔ ہر مذہب میں مخصوص مذہبی روایات کی تشکیل کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

8.4 مذہبی تجربے کی نوعیت اور اس کی ضرورت

ایک جرمن پادری اور دانشور رڈولف اوٹو (1869-1937) نے اپنی کتاب دسا ہیلیگ (مقدس کا تصور) میں مذہبی تجربے کو بنیادی اعتبار سے ایک ایسی غیبی حقیقت کا مکاشفہ یا کم تر درجہ میں شعور قرار دیا ہے جو انسان کے لیے ایک بالکل 'غیر' کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ یہاں 'غیبی' سے مراد یہ ہے کہ اس حقیقت کا نہ صرف یہ کہ ہماری دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک ایسے 'اسرار' سے تعلق رکھتی ہے جس کا احساس تو ہم کر سکتے ہیں لیکن جس کی تہہ تک پہنچنا ہمارے امکان سے باہر ہے۔ اوٹو کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ پُر اسرار اور دنیا سے بالکل منزّہ حقیقت بیک وقت اپنی عظمت کے اعتبار سے انسان کے لیے رعب و ہیبت پیدا کرنے والی بھی ہے اور اپنے اندر انسانی سعادت کا سامان رکھنے کے باعث اس کے لیے باعث کشش بھی ہے۔ اپنی ان صفات کی وجہ سے اس حقیقت کا شعور یا مکاشفہ انسان کے اندر ردِّعمل کے طور سے انتہائی عاجزی، اپنی بے وقعتی اور غیبی حقیقت کے لیے عقیدت کا احساس پیدا کرتا ہے۔ اوٹو کی تشریحات خدا پرستانہ مذاہب پر تو بخوبی صادق آتی ہیں لیکن جب ایسے مذاہب مثلاً ابتدائی بدھ مت یا جین مت پر بحث کی جائے، جن کا مذہبی نظام خدا کے تصور سے عاری ہے، تو اوٹو کا تجزیہ مسئلے کی پوری ترجمانی سے معذور نظر آتا ہے۔ مثلاً یہ کہ ابتدائی بدھ مت اور ہنایان فرقہ میں نروان اور جین مت میں کیولیہ کے تصور سے، تنزیہی اور سرّی سطح پر تو اوٹو کی 'غیبیت حقیقت' کی عکاسی ہوتی ہے لیکن اس سے نہ تو انسان پر رعب و ہیبت طاری ہوتا ہے نہ اسے اپنی بے وقعتی کا احساس ہوتا ہے اور نہ ماورائی حقیقت سے عقیدت کا کوئی احساس پیدا ہوتا ہے۔ بہر حال مختلف قسم کے الگ الگ تجربات انسان کو مختلف احساسات سے دوچار کر سکتے ہیں اور وہ ان سے اپنی تشنگی کا مداوا کر سکتا ہے۔ لیکن ایک دوسرے رخ سے اگر مذہبی تجربے کو دیکھا جائے تو وہ انسان کے لیے اس کی وجودی تنہائی کے مداوے کا تجربہ ہے۔

اس دنیا میں انسانی وجود اپنے آپ کو جس حالت میں پاتا ہے وہ ناقص، خطرات کا شکار اور بنیادی اعتبار سے غیر اطمینان بخش ہے۔ اپنے وجود کی انتہائی گہرائیوں میں آدمی ایک ایسے مستقل اضطراب کا شکار ہے جو ایک طرف نتیجہ ہے وجودی اعتبار سے اس کے تنہا اور دوسری چیزوں سے جدا ہونے کا اور دوسری طرف حوادث زمانہ کے مقابلے میں اپنی بنیادی ضعیفی اور بے سہارگی کے احساس کا۔ تنہائی اور بے بسی کا یہ احساس انسان کو عموماً اسی وقت شدت سے ہوتا ہے جب وہ زندگی میں کسی بحران میں مبتلا ہو جائے یا اس کو کوئی ایسا دھکّا لگے جو اس کی زندگی کے نظام کو درہم برہم کر دے۔ پھر اس دنیا میں بغیر اپنی مرضی کے موجود ہونے اور موت کی حقیقت کے سامنے یہ احساس خصوصی تیکھا پن اختیار کر لیتا ہے۔ انسان کی اس وجودی تنہائی اور لاچاری کی کیفیت میں مذہبی تجربہ روشنی کے ایک جھماکے کی طرح یہ انکشاف کرتا ہے کہ انسان ہمیشہ سے اساسی طور پر ایک منزہ، بے عیب اور مستقل حقیقت سے وابستہ رہا ہے۔ یہ شعور کہ کائنات کی ان بے کراں وسعتوں میں انسان تنہا اور بے سہارا نہیں ہے بلکہ انتہائی بنیادی اور مرکزی اعتبار سے اس کو ایک ایسی حقیقت کا 'ساتھ' حاصل ہے جو اس کے تمام دکھوں کا مداوا اپنے پاس رکھتی ہے، انسان کے مذہبی تجربے کی روح اور اس کا مغز معلوم ہوتا ہے۔ کائنات کی بے کراں وسعت اور اس کے مظاہر کے جاہ و جلال کے سامنے جب انسان کو اپنی بے بضاعتی، ضعیفی اور لاچاری کا احساس ہوتا ہے تو حقیقت اعلیٰ کا یہ باطنی تجربہ اس کی بنیادی ضرورت بن جاتا ہے۔ ایک ایسے سہارے کی تلاش، جو اس کی تنہائی کا مداوا بن سکے اور اس لامحدود کائنات میں اس کی زندگی کا سہارا بن سکے، فطری طور پر اسے اس کے باطنی اور روحانی تجربے کی طرف لے جاتی ہے جو کسی 'غیبی حقیقت' کے انکشاف کا نقطہ آغاز ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اپنی اصل اور فطری شکل میں ہر انسان کی ایسی بنیادی ضرورت ہے جس کے بغیر اس کی مضطرب روح کو قرار نہیں مل سکتا، نہ اسے اطمینان نصیب ہو سکتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہی وہ تجربہ ہے جس کو مختلف مذہبی روایات میں الگ الگ صورتوں میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مذہبی تجربہ میں انسان کو جس منزہ اور غیبی حقیقت کا ادراک حاصل ہوتا ہے وہ اپنی اسی خصوصیت کی بنا پر انسان کے لیے قطعی اور آخری سند کا درجہ

رکھتی ہے۔ زمان و مکان کی پابندیوں میں گرفتار انسان اسی دائرے میں محصور کسی چیز کو اپنا اعلیٰ ترین معیار بنا کر قانع نہیں ہوسکتا تھا۔ ایک ایسی حقیقت کا انکشاف جو کہ لامحدود، نقائص سے بری، اور انسان کی شخصیت کو پورے طور پر مغلوب کر لینے والی ہے، اس کے لیے وہ آخری معیار بھی ہوتی ہے جس کے مطابق وہ تمام کائنات کو پرکھ سکتا ہے اور اس کے واسطے سے کائنات اور اپنی زندگی کے معنی و مقصد متعین کرسکتا ہے۔ مذہب، جو انسان کے باطنی اور روحانی تجربے کی حیثیت رکھتا ہے، صرف اس کی تنہائی کی ہی ضرورت نہیں ہے، نہ محض اس کے دکھوں کے مداوے کے طور پر اس کا انکشاف ہوتا ہے بلکہ جب وہ حقیقت منکشف ہوتی ہے تو اسے اپنے بہت سے بنیادی سوالات کا جواب بھی ملتا ہے۔ کائنات کے اسرار و رموز سمجھ میں آتے ہیں اور پھر اسے اس دنیا میں اپنے ہونے کا مقصد سمجھ میں آتا ہے۔ اسی معنی و مقصد کو سامنے رکھ کر، اپنے باطنی تجربے کی روشنی میں جب انسان اپنی زندگی گزارتا ہے تب ہی اس کی معنویت آشکار ہوتی ہے۔

معلومات کی جانچ

1۔ مذہبی تجربہ انسان کے اندر کس قسم کی صفات پیدا کرتا ہے؟

2۔ مذہب انسان کی کس ضرورت کو پورا کرتا ہے؟

3۔ انسانی زندگی کی مقصدیت متعین کرنے کا قطعی اور آخری معیار کیا ہے؟

8.5 مذہب کی تعریف اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات

ڈنمارک کے ایک اسکالر ہوفڈنگ کے خیال میں، مذہب تمام روایتوں میں اپنی انتہائی بنیادی صورت میں اعلیٰ قدروں کی بقا پر یقین کا نام ہے۔ یہ اعلیٰ قدریں مثلاً انصاف، محبت، ہمدردی، ایثار وغیرہ زندگی کو گہرائی اور معنی عطا کرتی ہیں۔ ان قدروں کا انحصار دنیوی فائدہ یا نقصان، کامیابی یا ناکامیابی اور انسانوں کے ماننے یا نہ ماننے پر نہیں ہے بلکہ ان کا وجود اور جواز اس ماورائی اور غیبی حقیقت کے احساس پر مبنی ہے جو انسان کے مذہبی تجربہ کی دریافت ہے۔ یعنی مذہب ان اعلیٰ اقدار سے عبارت ہے جو انسانی زندگی کو معنویت اور مقصدیت عطا کرتے ہیں۔ اس بنیاد پر مذہبی احساس انتہائی ناموافق حالات میں بھی جب کہ بظاہر ہر طرف اعلیٰ قدروں کا خاتمہ نظر آتا ہو، شکست تسلیم نہیں کرسکتا کیوں کہ ان قدروں کی بنیاد انسان کے ماورائی تجربے پر ہوتی ہے۔ کائنات کے حوادث و واقعات اور انسانی زندگی کے نشیب و فراز اس پر اثر انداز نہیں ہوسکتے۔ یہ یقین کہ ان قدروں کی بنیاد ماورائی ہے، مذہبی احساس کو انتہائی مایوس کن حالات میں بھی سہارا دیتا ہے اور وہ مزید گہرائی میں جا کر اور زیادہ تحقیق کے ساتھ ان قدروں کو زندگی میں تلاش کر لیتا ہے۔

مذہبی زندگی میں مذہب کے باطنی احساس اور مذہبی تجربہ کی مرکزی اور اساسی حیثیت کے باوجود مذہب کا تاریخی، سماجی اور تمدنی اظہار اپنی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ علوم و فنون اور سیاسی و معاشی زندگی پر بھی مذہب کے اثرات نمایاں طور پر محسوس کیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں مذہبی احساس سے قدروں کے تعلق کی بحث خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے مذہبی احساس کی بنیاد پر ہی وہ مستقل قدریں قائم رہ سکتی ہیں جو انسانی رشتوں کو باہمی اعتماد اور استقلال عطا کرتی ہیں۔ انسانی سماج میں انسانی رشتوں پر اعتماد کی ضرورت ظاہر ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں سماجی زندگی کی سب سے بنیادی اکائی یعنی خاندان کا قائم رہنا بھی مشکل ہے۔ چنانچہ ماہرین عمرانیات کی نظر میں سماجی اعتبار سے مذہب کا سب سے اہم کردار یہی ہے کہ وہ سماج کو ایسی قدریں دیتا ہے جو سماجی زندگی کے قیام، استحکام اور استمرار کے لیے ضروری ہیں۔

تمدنی اعتبار سے بھی مذہب کی اساسی حیثیت ان قدروں کو متعین کرنے اور باقی رکھنے کی وجہ سے ہے جو تمدنی ارتقا کو مخصوص رجحانات اور ایک سمت عطا کرتی ہیں۔ تمدنی زندگی کا ایک اہم عنصر یعنی جمالیاتی ذوق اگرچہ بنیادی اعتبار سے مذہبی احساس سے الگ اور اپنی آزاد حیثیت کا حامل محسوس کیا جاسکتا ہے، مگر جمالیاتی احساس مذہبی احساس کے اظہار کا بہترین ذریعہ بن جاتا ہے۔ چناں چہ فنون لطیفہ اور جمالیاتی احساس کے مختلف مظاہر ہمیشہ سے

مذہبی احساس کی ابلاغ وترسیل کا ایک قوی ذریعہ رہے ہیں جب کہ دوسری طرف فنون لطیفہ کے اکثر شاہ کار مذہبی جذبہ کے طفیل ہی وجود میں آئے۔

مذہب اور تمدن وتہذیب کی بحث میں یہ فرق بھی خاصی اہمیت رکھتا ہے کہ بعض تہذیبوں میں مذہب سماجی زندگی کے تمام پہلوؤں میں دخیل اور دوران خون کی طرح اس کے رگ وریشے میں پیوست ہوتا ہے جب کہ بعض دوسری تہذیبوں میں وہ سماجی اور تمدنی ڈھانچے میں اپنا ایک منظّم، واضح اور الگ وجود رکھتا ہے۔ سماجی زندگی کے بعض پہلوؤں میں اس کا عمل دخل زیادہ ہوتا ہے جبکہ دوسرے پہلو اس کے اثر سے آزاد ہوتے ہیں۔ اس طرح مختلف مذہبی روایتیں مختلف سطحوں پر اپنے سماج کو متاثر کرتی ہیں۔ بعض صورتوں میں اگر مذہبی زندگی اور سماجی زندگی میں فرق نہیں کیا جاسکتا اور وہ ایک دوسرے کے بالکل ہم معنی اور مترادف ہوتے ہیں تو دوسری صورتوں میں مذہبی زندگی اور سماجی زندگی ایک دوسرے کی حریف بھی ہوسکتی ہیں جن میں باہم ایک کش مکش جیسی صورت حال قائم رہتی ہے اور دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے کے لیے کوشاں رہتی ہیں۔ پہلی صورت کی مثال اپنی انتہائی شکل میں ان تہذیبوں میں نظر آتی ہے جو حرف شناسی سے قبل کی سطح سے متعلق ہیں اور دوسری صورت جدید سیکولر تہذیب میں اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ دیکھی جاسکتی ہے۔

سیاسی اور معاشی زندگی میں بھی مذہبی روایتوں کا اپنا الگ الگ کردار رہا ہے۔ لیکن یہ حقیقت کہ مذہبی تصور اور ادارے سیاسی اور معاشی زندگی کو براہ راست یا بالواسطہ متاثر کرتے ہیں ایک پیش پا افتادہ (معمولی) بات ہے۔ مذہب اور سیاست کے باہمی تعلق کی ایک واضح مثال اگر اسلامی روایت میں تصور خلافت یا ماضی میں 'السلطان ظل اللہ فی الارض' کے تصور یا اس سے بھی زیادہ شیعوں کے تصور امامت میں دیکھی جاسکتی ہے تو مذہبی عقیدے کے معاشی زندگی پر اثرات کی ایک مثال جینیوں کے یہاں ملتی ہے، جنھوں نے اہنسا کو فرض عین ماننے کے نتیجہ میں من حیث القوم زراعت یا فوجی زندگی کو چھوڑ کر (جس میں کسی طور چھوٹی یا بڑی جان مارنے کا احتمال تھا) تجارت کو بطور پیشہ اختیار کر لیا تھا۔

اس طرح غور کیا جائے تو مذہب پورے طور پر انسانی زندگی کو اپنے حیطۂ عمل میں لے لیتا ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ مذہبی دائرے سے باہر نہیں۔ گو بعض انسانی سماج ایسے بھی ہیں جو اپنی زندگی کے بعض پہلوؤں کو مذہب سے آزاد رکھنے میں یقین رکھتے ہیں لیکن پھر بھی کسی نہ کسی طرح مذہب کا عکس ان کی تہذیبی اور تمدنی زندگی میں نظر آتا ہے۔ مذہب کا باطنی اور روحانی تجربہ جن اقدار کو فروغ دیتا ہے اس کا تعلق انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں سے ہوتا ہے۔ ان کی وسعت وہمہ گیری سے زندگی کا کوئی گوشہ خالی نہیں رہ سکتا۔

معلومات کی جانچ

1۔ مذہب کی تعریف کیجیے۔

2۔ مذہبی احساس اور اعلیٰ اقدار کے مابین کیا ربط پایا جاتا ہے؟

3۔ انسانی تہذیب وتمدن میں مذہب کی کیا اہمیت ہے؟

8.6 مطالعہ مذاہب کے طریقے

انسانی زندگی میں مذہب کی ہمہ گیر اثر پذیری کی بنا پر، مختلف سطحوں پر مذہب کا مطالعہ انسان کی ناگزیر ضرورت رہا ہے۔ چناں چہ اس میدان میں ہمیں متعدد رجحانات نظر آتے ہیں۔ ان رجحانات کا ایک سرسری اور مختصر جائزہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس کے پس منظر اور کسی حد تک ان طریقوں کے نتائج سے واقفیت ہوسکے۔ ذیل میں مختصراً چند مشہور رجحانات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

8.6.1 مذہب کا ارتقائی مطالعہ

انیسویں صدی کے نصف آخر کی ابتدا میں حیاتیات سے متعلق وہ مشہور نظریہ سامنے آیا جس نے ماضی کے فکری ورثہ خصوصاً روایتی تصور حیات کی بنیادیں ہلا دیں اور یہ نظریہ قدیم وجدید علمی روایت کے درمیان ایک حدِ فاصل بن گیا۔ ہماری مراد ڈارون کے نظریۂ نوعی ارتقا سے ہے جس نے انیسویں صدی کے یورپ کو تقریباً اسی طرح متاثر کیا جیسے انسانوں کو الہامی مذاہب کرتے ہیں اور جس کے اثر سے یورپ کے دانشور اور ماہرین علوم کسی حد تک پہلی جنگ عظیم کے بعد ہی آزاد ہو سکے۔

دوسرے علوم کی طرح مطالعہ مذہب میں بھی تصور ارتقا کو مختلف ماخذوں سے حاصل کی گئی معلومات کو ایک سانچے میں ڈھالنے اور اس کے ذریعہ اپنے موضوع سے متعلق ایک مربوط نظریہ کی ترتیب وتشکیل میں استعمال کیا گیا۔ چنانچہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں متعدد ماہرین علم الانسان، ماہرین عمرانیات اور علوم انسانی سے عمومی دلچسپی رکھنے والے دانشوروں نے ایسی کتابیں لکھیں جن میں مذہب کی حقیقت کو ایک ارتقائی خاکہ کے ذریعے واضح کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ مذہب کے بنیادی ماخذ اور اس کے ارتقا کے مدارج کی تفصیل میں اگرچہ ان مصنفین میں باہم اختلاف تھا مگر وہ سب کے سب اس بات پر متفق نظر آتے تھے کہ مذہب کی ابتدا انسانی ضروریات کے تحت ہوئی ہے۔ ان کا یہ خیال بھی تھا کہ اس میں ابتدائی پست معیار سے درجہ بدرجہ اعلیٰ سے اعلیٰ تر معیار کی طرف ارتقا ہوا ہے اور اس ارتقا کا نقطۂ عروج ان کے نزدیک بیشتر، روشن خیال پروٹسٹنٹزم یا پھر سامی روایت کے موحدانہ مذہب کی شکل تھی۔ ان میں صرف وِلہیلم اشمٹ (1954-1868) اور اس کا محدود حلقہ اکثریت کے برخلاف اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف تدریجی زوال کا قائل تھا۔ آج یہ محسوس کیا جا سکتا ہے کہ ان مصنفین کے نظریے زیادہ تر ان کے مفروضات اور دوسرے مذہبوں سے متعلق کم یاب اور محدود معلومات پر مبنی تھے۔

8.6.2 مذہب کا سماجیاتی مطالعہ

مذہب کی ابتدا اور اس کے تدریجی ارتقا کی تحقیق میں مشغول دانشوروں کے علاوہ ماہرین علم الانسان وعمرانیات کا ایک دوسرا گروہ غیر ترقی یافتہ تمدنوں اور مختلف قوموں کی سماجیاتی زندگی میں مذہب کے کردار کی تحقیق کے ذریعہ اس کی نوعیت کو متعین کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نظریہ ارتقا کا زور کم ہو جانے کے بعد یہ حلقہ اپنے نظریات کا اثر قائم کرنے میں بخوبی کامیاب ہو گیا اور آج تک علم الانسان وعمرانیات اور ان سے متاثر علوم ان کے اثرات سے صحیح معنوں میں آزاد نہیں ہو سکے ہیں۔ دانشوروں کا یہ سلسلہ جن کے اجداد میں ایمائل ڈرخائیم (1917-1885) اور برونسلا مالی نووسکی (1942-1884) جیسی شخصیتیں شامل تھیں، درحقیقت بنیادی طور پر اپنے موضوع یعنی انسان کی اجتماعی اور تمدنی زندگی سے وفاداری رکھتا تھا۔ مذہب کی تحقیق وتشریح یہ دانشور اسی اجتماعی زندگی کے نقطۂ نظر سے کرتے تھے چنانچہ ان کی تشریحات میں انسان کی اجتماعی اور تمدنی زندگی کے لیے مذہب کی ضرورت، اس زندگی میں مذہب کا مخصوص کردار، اس کے پیچھے اجتماعی نفسیات کی اپنی منطق اور سماجی وتمدنی زندگی کے تعلق سے مذہب کی اپنی نوعیت سامنے آجاتی تھی۔ لیکن ایک طرف تو تحقیق وتشریح کی یہ پوری عمارت اسی مفروضہ پر قائم تھی اور یہی تاثر دیتی معلوم ہوتی تھی کہ مذہب انسان کی سماجی ضرورتوں کی دین اور سماجی زندگی کی پیداوار ہے۔ اس طرح مذہب کی مابعد الطبیعاتی بنیادوں کا فیصلہ، اس کے معرض بحث میں آنے سے پہلے ہی ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس مکتب فکر میں جو مذہب کا یک رخا تصور پیش کرتا تھا، مذہب کے دیگر پہلوؤں سے بڑی حد تک صرف نظر کیا جاتا تھا۔

8.6.3 مذہب کا نفسیاتی مطالعہ

خالص نفسیاتی نقطۂ نظر اور انسان کے باطن پر اپنے اثرات کے لحاظ سے مذہب کا معروضی اور مشاہداتی مطالعہ بھی انیسویں صدی کے اواخر میں شروع ہو چکا تھا۔ اس سلسلے کی ایک اہم تصنیف ولیم جیمس (1910-1842) کی 'ورائٹیز آف ریلیجیس اکسپرینس' بیسویں صدی کے شروع میں سامنے آئی جو مختلف لوگوں کے مذہبی احساسات کے واقعاتی تجزیے اور اپنے سلیس طرز تحریر کی وجہ سے بہت مقبول ہوئی۔ دوسری طرف مشہور ماہر نفسیات سگمنڈ فرائڈ (1939-1856) کا مکتب فکر تھا جو مذہبی تصورات اور رسومات کی تشریح مخصوص نفسیاتی الجھنوں کے پس منظر میں کرتا تھا۔ ماہرین عمرانیات وعلوم انسانی

کی طرح یہاں بھی مذہب کا ماخذ حالات سے نبرد آزما ہونے کی انسانی صلاحیتوں میں دیکھا گیا جو کہ اس مخصوص صورت میں نفسیاتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے مذہب کی تخلیق سے متعلق تھیں۔ اس طرح یہاں بھی مذہب کے صرف ایک پہلو یعنی انسان کی نفسیاتی زندگی میں مذہب کی افادیت کو مذہب کی مکمل تشریح اور اس کی تمام تر حقیقت کا آئینہ دار تسلیم کرلیا گیا۔

8.6.4 مذہب کا دینیاتی مطالعہ

جدید دور کے آغاز تک یورپ میں جیسا کہ ترقی پذیر ملکوں میں موجودہ زمانے تک، مذہب کے مطالعہ میں دینیاتی رویہ ہی غالب ترین رجحان رہا تھا۔ دینیاتی رویہ سے ہماری مراد وہ نقطۂ نظر ہے جس میں مطالعہ کرنے والا پہلے سے تسلیم شدہ نظریوں کو اپنے لیے معیار سمجھتا ہے اور انہیں کے تحت چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اس طرح کے مطالعہ میں انسان کا مقصد بنیادی طور پر چیزوں کے بارے میں صحیح اور غلط کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے، چنانچہ وہ چیزیں جو اس کے پہلے سے تسلیم شدہ نظریوں کے مطابق ہوتی ہیں، صحیح اور اس کے علاوہ تمام چیزیں غلط ثابت کر دی جاتی ہیں۔ چوں کہ اس نقطۂ نظر کے ساتھ انسان جب اپنی روایت کے علاوہ دوسری مذہبی روایتوں کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ ہمیشہ اپنے مذہب کی برتری اور حقانیت ثابت کرنے اور دوسرے مذہب کے رد اور ابطال کے درپے رہتا ہے۔ اس لیے اس نقطۂ نظر سے دوسرے مذہب کی وہ تصویر جو اس کے اپنے ماننے والوں کے نزدیک ہوتی ہے سامنے آنا بہت مشکل ہے۔ اس نقطہ نظر میں اس وقت تک کوئی کمی یا دشواری نہیں محسوس کی جائے گی جب تک کہ مختلف مذہبی روایتیں اپنے اپنے ماحول تک محدود اور دوسروں کے وجود سے (کم سے کم ذہنی اعتبار سے) آنکھ بند رکھنا چاہیں گی، لیکن جب ایسی صورت حال پیدا ہو جائے جہاں دوسروں کے وجود کا انکشاف وہ غیر معمولی شدت اور وزن اختیار کر جائے کہ اس کو نظر انداز کرنا مشکل ہو اس وقت ان کے وجود کو تسلیم کرنے میں یہ نقطۂ نظر بڑی حد تک حارج ہوسکتا ہے۔

یہ صورت حال کلاسیکی اسلامی دور میں بھی (محدود پیمانے پر ہی سہی) محسوس کی گئی تھی جب مسلمان عالم اور دانشور اس حقیقت سے نبٹنے کے لیے ضروری خود اعتمادی اور وسعت نظر رکھتے تھے۔ نتیجہ میں ابن قتیبہ، ابن حزم اور البیرونی جیسے مطالعہ مذاہب کے ماہرین پیدا ہوئے۔ لیکن دور جدید کے آغاز میں یورپ کی توسیع پسندی اور اس کے ساتھ نئی نئی دنیاؤں کی دریافت کے نتیجے میں یہ صورت حال اور ضرورت ایک بڑے پیمانے پر سامنے آئی۔ اب اس کا دائرہ تقریباً کرۂ ارض کے مختلف علاقوں میں بسنے والی قوموں کے مذہب اور تمدن کو محیط تھا۔ نو آبادیاتی تسلط کے لیے بھیجی گئی فوج کے سپاہیوں، تاجروں، سیاحوں اور نئی نئی تحقیقات میں دلچسپی رکھنے والے دانشوروں کے ذریعے رفتہ رفتہ جو معلومات مختلف تمدنوں اور مذہبوں کے تنوع اور ان کی تفصیلوں کے بارے میں یورپ میں اکٹھا ہوئیں اس نے یورپ کے دانشوروں کو عیسائیت کے علاوہ دوسرے مذاہب کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنے اور ان کی حقیقت کی کوئی معقول توجیہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ ان دانشوروں کے اس رویہ میں اس چیز کا بھی دخل تھا کہ انیسویں صدی کے یورپ میں عقلیت پرستی کے سبب یورپی سماج پر عیسائی روایت کی گرفت بڑی حد تک ڈھیلی ہوگئی تھی۔

8.6.5 مذہب کا مظہریاتی اور ہمدردانہ مطالعہ

جہاں تک مذہب اور مذہبی روایتوں کو ان کی اپنی بنیادوں پر سمجھنے کا سوال ہے، مطالعہ مذہب کے مذکورہ بالا رویوں یا دیگر مناہج میں سے جو انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں رائج تھے۔ مثلاً مذہب کا لسانیاتی، ادبی، تاریخی یا فلسفیانہ اسلوب مطالعہ وغیرہ، کوئی ایک بھی مذہب کے ساتھ انصاف کرنے اور مذہب کی تشریح خود مذہبی بنیادوں پر کرنے میں اس نہج کا مقابلہ نہیں کرسکتا جسے مظہریاتی مطالعہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس اسلوب کا بانی ایک جرمن فلسفی ایڈمنڈ ہسرل (1938-1859) تھا۔ یہ اسلوب مذہب کے مطالعہ میں موضوع کی روح میں بصیرت حاصل کرنے اور اس کی تشریح میں ذاتی ترجیحات اور عقائد کو مداخلت بے جا کی اجازت نہ دینے سے عبارت ہے۔ دینیاتی اسلوب کے بالکل برعکس یہ اسلوب فکر چیزوں کے بارے میں صحیح اور غلط کا فیصلہ کرنے کے بجائے صرف ان کو سمجھنے اور جیسی کہ وہ اپنی حقیقت میں پائی جاتی ہیں، بلا کم و کاست بیان کر دینے کا حامی ہے۔ اس

اسلوب کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ مذہب سے متعلق مخصوص موضوعات کی نوعیت پورے طور پر سمجھنے کے لیے یہ مختلف مذہبی روایتوں کے پس منظر اور ان کے متعلقہ حوالوں کی مدد حاصل کرسکتا ہے۔یعنی اس کا دائرہ کار کسی ایک مذہبی روایت یا تمدن تک محدود نہیں رہتا بلکہ اپنے موضوع کی تحقیق میں یہ بین الاقوامی اور بین مذاہبی سطح پر کام کرتا ہے۔ پھر یہ اسلوب نہ صرف یہ کہ اپنے میدان کار کے اعتبار سے بین اقوامی ہے بلکہ اپنے مقصد یعنی مذہب اور اس سے متعلق مخصوص روایتوں کو جہاں تک ہو سکے مکمل اور صحیح ڈھنگ سے سمجھنے کے لیے مختلف علوم مثلاً تاریخ، آثار قدیمہ،علم الانسان، سماجیات، معاشیات، لسانیات، ادبیات،نفسیات، جغرافیہ اور سائنس وغیرہ کی دستیاب معلومات کو ضروری سمجھتا ہے۔اس کے علاوہ موضوع کا ہمدردانہ مطالعہ بھی اس اسلوب کی ایک اور اہم خصوصیت ہے،جس پر اب حال میں زیادہ سے زیادہ زور دیا جانے لگا ہے۔

ہمدردانہ سے یہاں ایسا رویہ مراد ہے جس میں مطالعہ کرنے والے کو اپنے موضوع سے متعلق ظاہری یا بیرونی معلومات کے ساتھ ساتھ اس کی اندرونی حقیقت کا علم بھی خاطر خواہ ہو سکے۔ مذہب کا تعلق چوں کہ انسانی احساسات اور وہ بھی انتہائی گہرے احساسات سے ہوتا ہے اس لیے اس مطالعہ میں معروضیت کا وہ رویہ جو کہ سائنسی مضامین میں رائج ہے اور جہاں محقق کا اپنے موضوع سے عامل ومعمول جیسا سرد اور میکانکی تعلق ہوتا ہے، کام نہیں دے سکتا۔ یہاں مطالعہ مذہب کے طالب علم اور محقق میں یہ صلاحیت مطلوب ہے کہ وہ اپنے موضوع کو اپنے اوپر طاری کر کے کسی درجے میں بھی اس کی اندرونی جہت دیکھنے میں کامیاب ہو سکے۔ اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ ایک روایت سے تعلق رکھنے والا شخص کسی دوسری مذہبی راویت کے سلسلے میں اس طرح کا رویہ کیوں کر اپنا سکتا ہے،لیکن اگر کوئی طالب علم دوران مطالعہ اپنے ذاتی عقائد اور ذہنی تحفظات کو قابو میں رکھ سکے اور انہیں اپنے مطالعہ میں مداخلت کا موقع نہ دے نیز اپنے آپ کو دوسرے کی جگہ رکھ کر محسوس کرنے کی کسی قدر صلاحیت اپنے میں پیدا کر سکے تو وہ دوسری مذہبی روایت کی حقیقت سے نسبتاً زیادہ قریبی اور بہتر فہم پیدا کرے گا۔

معلومات کی جانچ

1۔ مطالعۂ مذاہب کے مشہور طریقے کیا ہیں؟

2۔ مذاہب کے دینیاتی مطالعہ کے کیا نقصانات ہیں؟

3۔ مظہریاتی مطالعہ کی اہم خصوصیات کیا ہیں؟

8.7 خلاصہ

اس اکائی میں مذہب کی حقیقت واضح کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ اس کا تعلق انسان کی بنیادی ضرورت سے ہے۔اسے انسانی زندگی میں مرکزی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔اس کا اظہار انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں میں ہوتا ہے۔ مذہب کی حقیقت کا ایک پہلو انسان کی باطنی زندگی سے تعلق رکھتا ہے جہاں وہ مذہب سے بطور ایک احساس اور باطنی واردات کے دوچار ہوتا ہے اور یہی اس کی اصل حقیقت ہے۔اس کی حقیقت کا دوسرا پہلو انسان کی جماعتی زندگی سے تعلق رکھتا ہے جہاں مذہب ایک مخصوص روایت کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ مذہب کی راویتی تشکیل اس کے عملی اور اجتماعی اظہار کو ممکن بناتی ہے۔ مذہبی اعمال ورسوم اجتماعی اظہار کے ذرائع ہیں جن سے ہر فرد مذہب کی اصل حقیقت سے قریب تر ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

انسان کا باطنی تجربہ ہی تمام مخصوص مذہبی روایتوں کی بنیاد ہے۔ یہ باطنی تجربہ کسی ایک تاریخی شخصیت کو ہوتا ہے۔اسے قابل فہم بنانے کے لیے عقیدوں، علامتوں، اعمال اور رسومات کی تشکیل ہوتی ہے۔ یہ اعمال روحانی تجربے کی ابلاغ وترسیل کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ جب ان اعمال اور رسوم کا تعلق اس باطنی اور روحانی تجربے سے منقطع ہوجاتا ہے تو انسانی سماج پر ان کی حیثیت بیرونی جبر کی سی ہوجاتی ہے۔ مذہب کا حتمی اور حقیقی مقصود حقیقت اعلیٰ تک رسائی ہے۔ یہ رسائی اس روحانی تجربے کے ذریعے عمل میں آتی ہے۔انسان کی مذہبی زندگی کا سارا دار و مدار اسی تجربے پر ہے۔ مذہب کا یہ باطنی

تجربہ ایسی غیبی حقیقت کا مکاشفہ ہے جو انسان کے لیے بالکل غیر کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ یہ حقیقت اپنی نوعیت اور عظمت کے اعتبار سے انسان کے لیے رعب و ہیبت بھی پیدا کرتی ہے اور اپنے اندر انسانی سعادت کا سامان رکھنے کے باعث اس کے لیے باعث کشش بھی ہے۔ اس مکاشفہ سے انسان کے اندر انتہائی عاجزی اپنی بے وقعتی اور عقیدت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

مذہب انسان کی وجودی تنہائی کے مداوے کا تجربہ ہے، کائنات کی بے کراں وسعت اور اس کے مظاہر کے جاہ وجلال کے سامنے جب انسان کو اپنی بے بضاعتی، ضعیفی اور لاچاری کا احساس ہوتا ہے تو مذہب اس کی بنیادی ضرورت بن جاتا ہے۔ مذہب کے بغیر انسان کی مضطرب روح کو قرار نہیں مل سکتا۔ مذہبی تجربہ میں جس غیبی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے وہ انسان کے لیے قطعی اور آخری سند کا درجہ بھی رکھتی ہے۔ یہ ایسا حتمی معیار ہے جس کے مطابق وہ پوری کائنات کو پرکھ بھی سکتا ہے اور اپنی زندگی کے معنی ومقصد بھی متعین کرسکتا ہے۔

مذہب اپنی انتہائی بنیادی صورت میں اعلیٰ قدروں کی بقا پر یقین کا نام ہے۔ ان اعلیٰ قدروں کا وجود اور جواز اس ماورائی اور غیبی حقیقت کے احساس پر مبنی ہے جو انسان کے مذہبی تجربے کی دریافت ہے۔ اسی وجہ سے انسان کا مذہبی احساس کا انتہائی ناموافق حالات میں بھی شکست تسلیم نہیں کرتا۔ انسان کے مذہبی احساس سے ان اقدار کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ سماجی اعتبار سے مذہب کا سب سے اہم کردار یہی ہے کہ وہ سماج کو ایسی قدریں اور ادارے دیتا ہے جو سماجی زندگی کے قیام، استحکام اور استمرار کے لیے ضروری ہیں۔ انسان کے تمدنی ارتقا پر بھی مذہب کے گہرے اثرات محسوس کئے جاسکتے ہیں۔ مذہبی احساس ہی تمدنی ارتقا کو مخصوص رجحانات اور سَمت عطا کرتا ہے۔ انسان کے جمالیاتی احساس اور فنون لطفیہ کے اکثر شاہ کار مذہبی جذبہ کے طفیل ہی وجود میں آئے۔ انسان کی سیاسی اور معاشی زندگی بھی اس کے حیطۂ عمل سے باہر نہیں۔ اسلامی ریاست میں تصور خلافت، شیعوں کا تصور امامت اور جینیوں کا اہنسا اس کی واضح مثالیں ہیں۔ غرض مذہب کی وسعت و ہمہ گیری انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے۔

انسانی سماج میں مذاہب کے مطالعہ کے مختلف طریقے رائج رہے ہیں۔ مذہب کا ارتقائی مطالعہ ڈارون کے نظریہ کے تحت ہوا ہے۔ اس کا سماجیاتی مطالعہ بھی یہ تاثر دیتا ہے کہ مذہب انسان کی سماجی ضرورتوں کی دین اور اس کی پیداوار ہے۔ یہ مذہب کا یک رخا تصور ہے۔ نفسیاتی مطالعہ میں بھی مذہب کی تخلیق نفسیاتی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے سمجھی گئی۔ انسان کی نفسیاتی زندگی میں مذہب کی افادیت کو مذہب کی مکمل تشریح سمجھ لیا گیا۔ مذہب کا دینیاتی مطالعہ پہلے سے تسلیم شدہ نظریوں کے تحت وجود میں آتا ہے اور اس کا پورا انحصار اپنے مذہب کی برتری اور دوسرے مذہب کے رد اور ابطال پر ہوتا ہے۔ اس رویے کے تحت کسی مذہب کی حقیقی تصویر سامنے آنا مشکل ہے۔ دوسرے مذاہب کے وجود کو تسلیم کرنے میں یہ نقطۂ نظر بڑی حد تک حارج ہوسکتا ہے۔ مذہب کا مظہریاتی اور ہمدردانہ مطالعہ ہی مذہب کی حقیقی تفہیم پیدا کرسکتا ہے۔ یہ اسلوب مذہب کے مطالعہ میں ذاتی ترجیحات اور عقائد کو مداخلت بے جا کی اجازت نہ دینے سے عبارت ہے۔ اپنے ذاتی عقائد اور ذہنی تحفظات قابو میں رکھ کر موضوع کی اندرونی جہت کا مشاہدہ اس رویے کی اہم خصوصیت ہے۔

8.8 نمونۂ امتحانی سوالات

(1) مذہب کا تعلق انسان کی بنیادی .... سے ہے۔

(2) ڈنمارک کی اسکالر .... کے خیال میں، مذہب تمام روایتوں میں اپنی انتہائی بنیادی صورت میں اعلیٰ قدروں کی بقا پر یقین کا نام ہے۔

(3) مذہب کی حقیقت کا دوسرا پہلو انسان کی .... زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔

(4) انسان کا .... تجربہ ہی تمام مخصوص مذہبی روایتوں کی بنیاد ہے۔

(5) مذہب کا .... اور .... مطالعہ ہی مذہب کی حقیقی تفہیم پیدا کرسکتا ہے۔

مختصر جوابی سوالات:

(1) ''مذہب کی ابتدا انسانی ضروریات کے تحت ہوئی ہے''۔ اپنے مطالعہ کی روشنی میں اس نظریہ کو واضح کیجیے۔

(2) انسان کی انفرادی زندگی پر مذہب کے باطنی تجربے سے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ بیان کیجیے۔

(3) مذہب کے بغیر انسانی زندگی کس قسم کے بحران سے دوچار ہو سکتی ہے؟ بیان کیجیے۔

(4) مذہب کے دینیاتی مطالعہ پر روشنی ڈالیے۔

(5) ''بنیادی اعتبار سے مذہب کی حقیقت دو خانوں میں تقسیم محسوس ہوتی ہے''۔ اس عبارت کی شرح کیجیے۔

طویل جوابی سوالات:

(1) انسانی زندگی میں مذہب کی حقیقت کے نمایاں مظاہر پر روشنی ڈالیے؟

(2) انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مذہب کے اثرات کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔

(3) مطالعہ مذاہب کے کتنے رجحانات ہیں؟ افادیت کے لحاظ سے آپ کے نزدیک کون سا رجحان اولیت کا مستحق ہے؟

(4) ''مذہب کا مظہریاتی اور ہمدردانہ مطالعہ ہی مذہب کی حقیقی تفہیم پیدا کر سکتا ہے''۔ اس عبارت کو واضح کیجیے۔

(5) انسانی زندگی میں مذہب کے باطنی تجربے کی اہمیت پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

8.9 سفارش کردہ کتابیں

1۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجین، متعلقہ ابواب

۔:oOo:۔

اکائی 9 : نبوت اور وحی

اکائی کے اجزا

9.1 تمہید
9.2 نبوت اور نبی
9.3 منصب نبوت
9.4 نبوت وہبی ہے
9.5 وحی اور اس کی صورتیں
9.6 وحی متلو اور وحی غیر متلو
9.7 نبی معصوم ہوتا ہے
9.8 سلسلہ انبیا
9.9 وحی اور الہامی مذہب کی ضرورت
9.10 خلاصہ
9.11 نمونۂ امتحانی سوالات
9.12 سفارش کردہ کتابیں

9.1 تمہید

دنیا کے مختلف مذاہب میں نبیوں کے آنے کا سلسلہ جاری رہا ہے، اور ان کے ذریعہ اللہ نے اپنے احکام و ہدایات اور اپنی کتابیں بھیجی ہیں۔ اس اکائی میں یہ بتایا جائے گا کہ نبی کسے کہتے ہیں؟ نبی اور رسول میں کیا فرق ہوتا ہے؟ نبوت کیسے ملتی ہے اور اس کی ذمہ داریاں کیا ہوتی ہیں؟ انبیا اور رسولوں کو اللہ جب مخاطب کرتا ہے تو اس کے کیا طریقے ہوتے ہیں؟ اصطلاحی زبان میں اس کو وحی کیوں کہتے ہیں اور اس کی کیا صورتیں ہوتی ہیں؟ اس میں یہ بھی بتایا جائے گا کہ وحی کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے اور وحی متلو اور وحی غیر متلو میں کیا فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح نبی کے معصوم ہونے پر روشنی ڈالی جائے گی اور ان انبیا کرام کے نام سے متعارف کرایا جائے گا جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

9.2 نبوت اور نبی

عربی زبان میں ''نبأ'' کے معنی سچی خبر کے ہیں، نبوت کے معنی سچی خبر دینا اور نبی کے معنی سچی خبر دینے والا ہے، اس کا اصطلاحی معنی بھی لغوی معنی ہی کے قریب ہے، یعنی نبی اس عظیم انسان کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے انسان کو ان باتوں کی خبر دینے کے لیے منتخب کیا ہو، جو اللہ تعالیٰ کو پسند یا

ناپسند ہوں، ایسی برگزیدہ شخصیتوں کے لیےقرآن مجید میں دو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں: نبی اور رسول، رسول کے معنی قاصد کے ہیں، اصطلاح میں رسول ان مقدس ہستیوں کو کہتے ہیں، جن کو خدا نے انسانیت تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے چنا ہو، اس طرح نبی اور رسول میں کوئی فرق نہیں ہے، اللہ کے پیغمبروں کو کبھی نبی کے لفظ سے ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی رسول کے لفظ سے۔

بعض حضرات نے نبی اور رسول میں تھوڑا سا فرق کیا ہے، اس سلسلہ میں دو رائیں معروف ہیں :

(الف) رسول اسے کہتے ہیں جسے نئی شریعت بھی دی گئی ہو، لیکن نبی کے لئے نئی شریعت کا حامل ہونا ضروری نہیں، اس طرح ہر رسول نبی ہوتے ہیں، لیکن ہر نبی کے لیے رسول ہونا ضروری نہیں، جیسے حضرت عیسیٰ، حضرت یحییٰ اور حضرت ہارون، اللہ کے نبی تو تھے، لیکن ان کو مستقل شریعت نہیں دی گئی تھی۔ حضرت موسیٰ اور حضور اقدس ﷺ نبی کے ساتھ ساتھ رسول بھی تھے، کیوں کہ وہ مستقل شریعت لے کر تشریف لائے تھے۔

(ب) رسول اسے کہتے ہیں جو مختلف قوموں کی طرف مبعوث ہوئے ہوں، جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ وغیرہ، اور نبی وہ ہیں جو کسی ایک گروہ کی طرف بھیجے گئے ہوں، جیسے حضرت صالح اہل مدین کی طرف، حضرت زکریا، حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ بنی اسرائیل کی طرف۔

9.3 منصب نبوت

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ پیغمبر کی حیثیت قاصد محض کی ہوتی ہے، جو باری تعالیٰ کا کلام اس کے بندوں تک پہنچا دیتا ہے، بلکہ وہ اس کلام کا شارح بھی ہوتا ہے، کلام الٰہی میں جو باتیں کہی گئی ہیں، اسے عمل کے سانچہ میں ڈھال کر لوگوں کے سامنے پیش بھی کرتا ہے اور خدا کے احکام کو اس کے بندوں پر نافذ بھی کرتا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان مختلف حیثیتوں کو قرآن مجید میں بار بار بیان کیا گیا ہے، اسی پس منظر میں آپ کی اطاعت و اتباع کا حکم دیا گیا :

وما أرسلنا من رسول إلا ليطاع بإذن الله ۔(النساء:64)۔

(ہم نے رسول کو اس لیے بھیجا ہے کہ حکم الٰہی کے مطابق ان کی اطاعت کی جائے۔)

یہ اطاعت محض امیر کی حیثیت سے نہیں ہے، جو امیر کی زندگی تک محدود ہوتی ہے، بلکہ یہ اطاعت بحیثیت رسول ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہمیشہ کے لئے ہے، کیوں کہ آپ کی نبوت قیامت تک کے لیے ہے، یہ بھی فرمایا گیا کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے:

من يطع الرسول فقد أطاع الله ۔(النساء:80)

اسی طرح آپ کے افعال کی اتباع و پیروی کا حکم دیا گیا، چنانچہ ارشاد ہے :

لقد كان لكم فى رسول الله أسوة حسنة ۔(احزاب:21)

(تمہارے لیے اللہ کے رسول کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔)

نیز یہ بھی فرمایا گیا کہ آپ کی اتباع و پیروی ہی اللہ تعالیٰ کی محبت کی کسوٹی ہے :

قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ۔(آلِ عمران:31)

(اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے محبت فرمائیں گے۔)

اسی طرح نبی کا منصب یہ بھی ہے کہ وہ اگر کوئی فیصلہ کردے تو نہ صرف یہ کہ لوگ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیں، بلکہ اس فیصلہ کو دل کی پوری

آمادگی کے ساتھ قبول کریں :

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (النساء:65)

(آپ کے پروردگار کی قسم ہے! وہ ہرگز صاحب ایمان نہیں ہوسکتے، جب تک اپنے آپسی جھگڑے میں آپ کو حکم نہ بنائیں پھر آپ کے فیصلہ سے اپنے دل میں کوئی حرج محسوس نہیں کریں اور پوری طرح اسے تسلیم کرلیں۔)

جس طرح کلام الٰہی کی تلاوت اور لوگوں تک اسے پہنچانا پیغمبر کی ذمہ داری ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اپنے کلام کا شارح بھی بنایا ہے:

وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس مانزل اليهم (النحل:44)

(ہم نے آپ کی طرف یہ کتابِ نصیحت اس لیے نازل کی ہے کہ جو احکام آپ کی طرف اتارے گئے ہیں، آپ لوگوں کے لیے انھیں واضح فرمادیں۔)

اس لیے نبی و رسول اصل میں تو اللہ کا کلام اس کے بندوں تک پہنچاتے ہیں، لیکن منصب نبوت صرف اسی ذمہ داری تک محدود نہیں ہے، کلام الٰہی کی تشریح، اس کا عملی نمونہ پیش کرنا، مسلمانوں پر اس کو نافذ کرنا، اس کے مطابق نزاعات کے فیصلے کرنا یہ سب انبیا کی ذمہ داری میں داخل ہے۔

9.4 نبوت وہبی ہے

اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتیں وہ ہیں جو محنت اور کدوکاوش سے حاصل کی جاتی ہیں، جیسے علم، دولت، فنی مہارت وغیرہ اور کچھ چیزیں وہ ہیں جو من جانب اللہ عطا کی جاتی ہیں، انسان ان کو اپنی سعی ومحنت سے حاصل نہیں کرسکتا، جیسے رنگ و روپ، قد و قامت، آواز، ذہانت۔ پہلی قسم کی چیزوں کو ''کسبی'' کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کی چیزوں کو ''وہبی''، نبوت بھی اللہ تعالیٰ کی وہبی نعمت ہے، جسے عبادت و ریاضت اور محنت وکوشش کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس بلند منصب کے لیے انتخاب فرماتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وما كان الله ليطلعكم على الغيب ولكن الله يجتبى من رسله من يشاء فأمنوا بالله ورسله (آلِ عمران:179)

(اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ نہیں ہے کہ تم کو براہ راست غیب کا علم دے، بلکہ وہ اس کام کے لیے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے، چن لیتا ہے، پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔)

معلومات کی جانچ

1۔ نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟

2۔ نبوت کسبی ہوتی ہے یا وہبی ہوتی ہے؟

9.5 وحی اور اس کی صورتیں

وحی کے لغوی معنی ''پوشیدہ اشارہ'' کے ہیں، پیغمبر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کلام اترتا ہے، وہ دوسروں کی نظر سے مخفی ہوتا ہے، اسی مناسبت سے پیغمبر پر ہونے والے الہام کو ''وحی'' کہتے ہیں، اس طرح وحی کی اصطلاحی تعریف یوں کی جاسکتی ہے :

وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جانے والی وہ خبر ہے، جو براہ راست اللہ کے نبیوں اور رسولوں کو دی جاتی ہے اور جس سے عام انسان انبیا ورسولوں کے واسطہ ہی سے آگاہ ہوسکتے ہیں۔

قرآن وحدیث میں وحی کے سات طریقوں کا ذکر آیا ہے :

(الف) رویاءِ صادقہ یعنی سچے خواب---- انبیا کی چوں کہ شیاطین سے حفاظت کی جاتی ہے، اس لیے ان کے خواب سچے ہوتے ہیں اور حکم الٰہی کا درجہ رکھتے ہیں، چنانچہ خواب ہی کی بناء پر حضرت ابراہیم نے اپنے صاحبزادہ حضرت اسماعیل کی قربانی کا فیصلہ کیا تھا۔ اور خواب ہی کی بنیاد پر سن 6 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا، جس کے نتیجہ میں صلح حدیبیہ ہوئی اور آئندہ سال مسلمانوں نے عمرۃ القضا کیا۔

(ب) اللہ تعالیٰ اپنا کلام اپنے رسول کے سینہ پر نقش فرما دیتے ہیں، اسی کو قرآن مجید میں ''نفث فی الروع'' (دل میں ڈالنا) کہا گیا ہے، بعض اہل علم کی رائے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر اسی طریقہ سے وحی ہوا کرتی تھی۔

(ج) وحی کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ حکم الٰہی لکھی ہوئی تختی کی صورت میں نازل کیا جاتا، جیسا کہ حضرت موسیٰ پر تورات کی تختیاں نازل کی گئیں۔

(د) اللہ تعالیٰ براہ راست اپنے پیغمبر سے ہم کلام ہوتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت موسی سے براہِ راست کلام کرنے کا ذکر آیا ہے، (طٰہٰ: 11-12)---- نیز احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں واقعہ معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہیں۔

(ہ) فرشتہ پیغمبر پر اپنی اصل صورت میں ظاہر ہو کر اللہ کا کلام اتارتا ہے، چنانچہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک موقع پر حضرت جبرئیل نے اپنی اصل صورت میں ظاہر ہو کر آپ ﷺ پر وحی نازل کی تھی۔

(و) فرشتہ انسانی صورت میں پیغمبر کے سامنے حاضر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھ کر سناتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ پر جب حضرت جبرئیل انسانی صورت میں نمودار ہوتے تو صحابی رسول حضرت دحیہ کلبی کی صورت اختیار فرماتے۔

(ز) فرشتہ پیغمبر پر اَن دیکھی صورت میں آتا ہے، جسے نبی تو محسوس کرتا ہے، لیکن حاضرین اسے نہیں دیکھ سکتے، یہ صورت بہت پُر مشقت ہوتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب اس طرح وحی اترتی تو ٹھنڈک کے موسم میں بھی آپ کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی، اور آپ پر ایک خاص قسم کی کیفیت طاری ہوتی، آپ پر زیادہ تر اس کیفیت کے ساتھ وحی نازل ہوا کرتی تھی۔

قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری چار شکلوں میں نازل ہوا ہے، البتہ وحی کی پہلی تین شکلوں میں شریعت کے بعض اور احکام اتارے گئے ہیں۔

9.6 وحی متلو اور وحی غیر متلو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل کی گئی ہے، اس کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں: وحی متلو، وحی غیر متلو۔

''وحی متلو'' سے مراد ایسی وحی ہے، جس میں الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کے ہوں اور معنی بھی، یعنی قرآن مجید، یہ پورا کا پورا وحی متلو ہے اور اس کا ایک ایک حرف اللہ کی طرف سے ہے۔

''وحی غیر متلو'' سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ احکام ہیں، جن کے معانی و مقاصد تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں، مگر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں ادا فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی نوعیت یہی ہے، چنانچہ خود قرآن مجید میں وحی غیر متلو کا ذکر موجود ہے، جیسے :

(1) وما جعلنا القبلة التی کنت علیها إلا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیه (البقرہ: 143)

(اور جس قبلہ پر آپ تھے ہم نے اسے اسی لیے مقرر کیا تھا کہ دیکھ لیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے، اور کون الٹے پاؤں واپس ہو جاتا ہے؟)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم ہوا تھا، لیکن قرآن مجید میں کہیں اس کا ذکر نہیں ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ وحی غیر متلو کے ذریعہ آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا۔

(2) وإذ يعدكم الله إحدى الطائفتين أنها لكم وتودون أن غير ذات الشوكة تكون لكم ويريد الله أن يحق الحق بكلمٰته ويقطع دابر الكفرين ۔(الأنفال:7)

(اور جب کہ اللہ تعالیٰ آپ سے وعدہ فرمارہے تھے کہ دو گروہوں (یعنی تجارتی قافلہ اور لشکر قریش) میں سے ایک تمہارے ہاتھ آئے گا اور تم چاہتے تھے کہ بغیر شوکت والا گروہ تمہیں ملے ؛ حالاں کہ اللہ چاہتے ہیں کہ اپنے کلمات کے ذریعہ حق کو ثابت کر دکھائیں اور کافروں کی کمر توڑ دیں۔)

اس آیت میں جس وعدہ کا ذکر کیا گیا ہے، قرآن مجید میں کہیں اس کا ذکر نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی غیر متلو کی شکل میں اس کا وعدہ فرمایا گیا تھا۔

معلومات کی جانچ

1۔ وحی کا لغوی معنی کیا ہے؟

2۔ وحی نازل ہونے کے سات طریقے کون کون سے ہیں؟

3۔ وحی متلو اور وحی غیر متلو میں کیا فرق ہے؟

9.7 نبی معصوم ہوتا ہے

نبی و رسول چوں کہ اپنے قول و عمل کے ذریعہ احکام خداوندی کا ترجمان ہوتا ہے، اس لئے وہ غیر معمولی صلاحیتوں اور پاکیزہ اوصاف کا حامل ہوتا ہے، اسی لیے نبی گناہوں سے معصوم ہوتا ہے، نبوت سے پہلے بھی کفر و شرک، گناہ کبیرہ، اخلاق و مروت کے خلاف افعال سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کی حفاظت کا ذکر فرمایا ہے، جب عزیز مصر کی بیوی نے آپ کو پھانسنے کی کوشش کی، (یوسف :24) اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَاأَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُوْلٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَىٰ الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَايُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ آيَاتِهٖ ۔(الحج:52)

(ہم نے تم سے پہلے جو بھی نبی یا رسول بھیجے ہیں، پھر جب کبھی انھوں نے کسی بات کی تمنا کی، تو شیطان نے ان کی تمنا میں وسوسہ ڈالنے کی کوشش کی، مگر اللہ تعالیٰ شیطان کے وسوسہ کو مٹا دیتے ہیں اور اپنی آیات کو مضبوط فرما دیتے ہیں۔)

اسی طرح نبی اپنے اخلاق کے اعتبار سے بھی نہایت اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا: انك لعلى خلق عظيم ۔(القلم:4)

انبیا و رسل سے لغزش ہو سکتی ہے، لیکن اس پر بھی انھیں اللہ کی طرف سے متنبہ فرما دیا جاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران بدر کے سلسلہ میں جو فیصلہ فرمایا، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل ہوگئی۔(الأنفال:67)

9.8 سلسلۂ انبیا

انسان چوں کہ شروع سے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کامحتاج رہا ہے، اس لیے جب سے اس دنیا میں انسان نے قدم رکھا اسی دن سے نبوت الٰہی کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا، چنانچہ حضرت آدم سب سے پہلے انسان تھے اور سب سے پہلے پیغمبر بھی، پھر خدا نے ہر قوم میں اور ہر زمانہ میں اپنے رسول بھیجے اور اپنی کتابیں اتاریں، جس کا سلسلہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوگیا۔

قرآن مجید میں تمام پیغمبروں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، کچھ پیغمبروں کا ذکر آیا ہے، لہٰذا جن پیغمبروں کا ذکر آیا ہے، ان پر تو تفصیلی طور پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور جن کا ذکر نہیں آیا ہے، ان پر اجمالی ایمان لانا ضروری ہے، قرآن مجید میں بحیثیت مجموعی ایسی ستائیس برگزیدہ ہستیوں کا ذکر ہے، جن میں سے دو حضرت لقمان اور حضرت عزیر کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا ایک بندۂ صالح، اور وہ یہ ہیں :

آدم ، نوح ، ابراہیم ، لوط ، اسماعیل ، اسحاق ، یعقوب ، یوسف ، ہود ، صالح ، شعیب ، موسیٰ ، ہارون ، داؤد ، سلیمان ، الیاس ، یونس ، الیسع ، ادریس ، ایوب ، زکریا ، یحییٰ ، عیسیٰ ، لقمان ، عزیر ، ذوالکفل ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

9.9 وحی اور الہامی مذہب کی ضرورت

انسان کے زندگی گذارنے کا ایک طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ ہر انسان اپنی خواہش کے مطابق عمل کرے، لیکن اس میں دشواری یہ ہے کہ خواہشات میں ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے، ایک شخص ایک شئ کو پسند کرتا ہے، دوسرا شخص اس شئ کو ناپسند کرتا ہے، اس طرح سماج میں ٹکراؤ کی فضا پیدا ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سماج کے ایک گروہ کو تمام لوگوں کے لیے زندگی کے اُصول متعین کرنے کا اختیار دے دیا جائے، اس میں بھی یہی خرابی ہے، کیوں کہ سماج کے ایک گروہ کے مفادات اور دوسرے گروہ کے مفادات میں ٹکراؤ ہوسکتا ہے۔ اب اگر کسی ایک گروہ کے ہاتھ میں یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ تمام انسانوں کے بارے میں حقوق اور فرائض متعین کرے تو اس کی کوشش ہوگی کہ وہ اس طبقہ کو فائدہ پہنچائے، جس طبقہ سے اس کا تعلق ہے، چاہے اس سے دوسرے طبقات کے مفادات مجروح ہوں، چنانچہ دنیا کے مختلف علاقوں میں رنگ ونسل یا ذات پات کی جو تفریق روا رکھی گئی اور کچھ انسانوں کو پیدائشی طور پر عظیم اور برتر اور کچھ کو حقیر و کمتر سمجھا گیا، یہ اسی کا نتیجہ ہے، اس لیے انسان کو خود انسان منصفانہ نظام حیات نہیں دے سکتا ہے۔

زندگی گذارنے کا طریقہ وہی دے سکتا ہے، جس میں دو باتیں بدرجۂ کمال پائی جائیں، علم اور عدل۔ علم سے مراد یہ ہے کہ وہ انسانوں کے جذبات وخواہشات سے اور اس کے نفع ونقصان سے پوری طرح آگاہ ہو۔ انسان اپنے جذبات سے تو آگاہ ہوتا ہے، لیکن اپنے بھائیوں کے جذبات اور خواہشات سے اکثر اوقات بے خبر رہتا ہے، اسی طرح وہ خود اپنے نفع ونقصان کے بارے میں بھی واقف نہیں ہوتا، ایک کام کو وہ فائدہ کا کام سمجھ کر شروع کرتا ہے، لیکن جلد ہی اسے احساس ہوجاتا ہے کہ یہ اس کے لئے فائدہ مند نہیں بلکہ نقصان دہ ہے، ایک چیز کو وہ نقصان کی بات سمجھتا ہے، لیکن اسے جلد ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ جس بات کو وہ نقصان دہ سمجھ رہا تھا، وہی اس کے لیے اصل میں مفید ہے۔

عدل سے مراد یہ ہے کہ وہ انسانیت کے تمام گروہوں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرسکے، انسان کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ وہ مختلف گروہی بندھنوں میں بندھا ہوا ہے، اس کا تعلق بنیادی طور پر مرد یا عورت دو صنفوں میں سے ایک سے ہوگا، پھر رنگ ونسل، وطن، زبان اور کلچر کا اختلاف بھی انھیں الگ الگ گروہوں میں بانٹ دیتا ہے، اس گروہی نسبت کی وجہ سے آدمی ایک طرف جھک جاتا ہے اور یہ جھکاؤ عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے میں رکاوٹ بن جاتا ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو دنیا میں مختلف اقوام کے درمیان جو جنگیں ہوئی ہیں، یا آج بھی ہو رہی ہیں، ان کی نوبت نہیں آئی ہوتی، اس لیے ایک انسان یا ایک انسانی گروہ پوری انسانیت کے ساتھ عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا۔

وحی الٰہی انسان کو زندگی گذارنے کا ایسا طریقہ عطا کرتی ہے، جو خدا کی طرف سے ہے، کیوں کہ خدا کا علم پوری کائنات کو حاوی ہے، وہ انسان کے

اندرونی جذبات اوراس کے مستقبل کے نفع ونقصان سے بھی پوری طرح واقف ہے، خدا انسان سے بالاتر ایک ذات ہے، کسی خاص انسانی گروہ سے اس کا تعلق نہیں، اس لیے اس کی تعلیمات انسان کی مصلحتوں اور ضرورتوں کے مطابق بھی ہوں گی اور تمام انسانی گروہوں کے ساتھ عدل وانصاف کے تقاضوں کو بھی پورا کریں گی، اسی لیے وحی انسان کی ضرورت ہے، قانون الٰہی سے آزاد ہوکر زندگی کا جو طریقہ اختیار کیا جائے گا، اس میں نہ انسانی مصالح کی تکمیل ہوسکتی ہے اور نہ پوری انسانیت کے ساتھ انصاف کا تقاضا پورا ہوسکتا ہے۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ سائنس نے مذہب اور وحی کی ضرورت کو ختم کردیا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے، سائنس ہمیں یہ بتاتی ہے کہ کائنات میں چھپی ہوئی حقیقتیں کیا ہیں؟ لیکن وہ ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ یہ اسی طرح کیوں ہیں؟ وہ ہمیں بتاتی ہے کہ زمین سورج کے گرد گردش کررہی ہے، لیکن کیوں گردش کررہی ہے اور کونسی ذات ہے جو اسے مسلسل گردش کی حالت میں رکھے ہوئے ہے، اس کا جواب سائنس کے پاس نہیں ہے، اور وحی اسی حقیقت کو واضح کرتی ہے، سائنس کے ذریعہ نت نئے آلات وجود میں آتے ہیں، لیکن ان آلات وذرائع کا استعمال کن مقاصد کے لیے ہو اور کن مقاصد کے لیے نہیں ہو؟ اس کا سبق ہمیں خدا کا بھیجا ہوا مذہب سکھاتا ہے، سائنس خدا کی دی ہوئی عقل کی عظیم اور حیرت انگیز کاوشوں سے عبارت ہے، لیکن ان ایجادات و اختراعات کا استعمال انسانیت کے مفاد میں ہو یا اس کو نقصان پہنچانے کے لیے؟ اس کا سبق ہمیں قانون خداوندی سے ملتا ہے، اگر سائنس مذہب کے تابع ہوتی تو ہیروشیما اور ناگاساکی جیسے المناک واقعات دنیا میں پیش نہ آئے ہوتے، اس لیے حقیقت یہ ہے کہ سائنس نے مذہب کی ضرورت کو بڑھایا ہے، نہ کہ اسے کم کیا ہے۔

معلومات کی جانچ

1۔ نبی کیوں معصوم ہوتا ہے؟

2۔ قرآن میں کتنے انبیا کا ذکر آیا ہے؟

3۔ وحی اور الہامی مذہب کی ضرورت کیا ہے؟

9.10 خلاصہ

- نبی وہ عظیم انسان ہے، جس کو اللہ نے انسانوں تک اپنی پسند اور احکام پہنچانے کے لیے منتخب کیا ہو۔
- نبی کی ذمہ داری اللہ کا پیغام پہنچانے کے علاوہ اس کی تشریح کرنا اور اس کے لیے عملی نمونہ پیش کرنا بھی ہوتا ہے۔
- نبوت وہبی نعمت ہے، اور اللہ تعالیٰ خود اس کے لیے اپنے بندوں میں سے انتخاب فرماتے ہیں۔
- علماء کرام نے وحی کی کل 7 / صورتیں بیان کیں ہیں، جن میں سے چار طریقوں سے قرآن مجید کا نزول ہوا ہے۔
- وحی غیر متلو سے مراد وہ احکام ہیں، جو اللہ کی طرف سے ہیں، لیکن الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔
- نبی گناہوں سے معصوم ہوتا ہے۔
- نبوت کا سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہوا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا۔

9.11 نمونہ امتحانی سوالات

(1) عربی زبان میں ''نبأ'' کے معنی .... کے ہیں۔

(2) '' .... '' سے مراد ایسی وحی ہے، جس میں الفاظ اور معنی دونوں بھی اللہ تعالیٰ کے ہوں۔

(3) آپ ﷺ کی حدیثوں کی نوعیت وحی .... کی ہے۔

(4) ’’ ولکنّ اللّٰہ .... من رسله من یشاء‘‘ (آلِ عمران:179)۔

(5) انبیا کے خواب سچے ہوتے ہیں اور .... الٰہی کا درجہ رکھتے ہیں۔

مختصر جوابی سوالات:

(1) نبی کے لغوی معنی اور اصطلاحی تعریف کیا ہے؟

(2) نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟ بیان کیجیے۔

(3) نبی کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ بیان کیجیے۔

(4) قرآن مجید میں کن کن انبیا کا ذکر موجود ہے؟

(5) نبوت کے معنی ومفہوم پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بتائیں کہ نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟

طویل جوابی سوالات:

(1) وہبی سے کیا مراد ہے اور نبوت وہبی ہے یا کسبی؟ بیان کیجیے۔

(2) وحی کی کیا کیا صورتیں ہوا کرتی تھیں؟ واضح کیجیے۔

(3) وحی متلو اور غیر متلو میں کیا فرق ہے؟ قرآن سے استدلال کرتے ہوئے واضح کیجیے۔

(4) وحی اور الہامی مذہب کی ضرورت کیا ہے؟ بیان کیجیے۔

(5) ’’زندگی گذارنے کا طریقہ وہی دے سکتا ہے، جس میں دو باتیں بدرجۂ کمال پائی جائیں، علم اور عدل‘‘۔ یہاں علم اور عدل سے کیا مراد ہے؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔

9.12 سفارش کردہ کتابیں

1۔ منصب رسالت	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (اُردو)
2۔ منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (اُردو)
3۔ علوم القرآن	مولانا محمد تقی عثمانی (اُردو)
4۔ الاتقان	جلال الدین سیوطیؒ (عربی)

۔:oOo:۔

اکائی 10 : قرآن مجید۔تعارف اور جمع و تدوین

اکائی کے اجزا

10.1 تمہید

10.2 تعریف

10.3 قرآن مجید کا موضوع

10.4 سورتیں اور آیتیں

10.5 پہلی اور آخری آیت

10.6 جمع قرآن عہد نبوی میں

10.6.1 جمع قرآن بصورت حفظ

10.6.2 جمع قرآن بصورت کتابت

10.7 جمع قرآن عہد صدیقی میں

10.8 جمع قرآن عہد عثمانی میں

10.9 تسہیل تلاوت کی کوششیں

10.9.1 قرآن مجید پر نقطے

10.9.2 قرآن مجید پر اعراب

10.9.3 منزلیں، پارے اور رکوع

10.9.4 رموز اوقاف

10.10 قرآن مجید پریس پر

10.11 قرآن مجید سے متعلق ضروری اعداد و شمار

10.12 مکی و مدنی سورتیں

10.12.1 مکی سورتوں کی خصوصیات

10.12.2 مدنی سورتوں کی خصوصیات

10.13 خلاصہ

10.14 نمونہ امتحانی سوالات

10.15 سفارش کردہ کتابیں

10.1 تمہید

اس اکائی میں قرآن مجید کا بھرپور اور مکمل تعارف کرایا جائے گا، پہلے قرآن کے لفظی معنی اور اس کی تعریف ذکر کرتے ہوئے قرآن کے موضوع سے واقف کرایا جائے گا اور بتایا جائے گا کہ اس میں کتنی سورتیں اور آیتیں ہیں اور اس کی پہلی اور آخری آیتیں کون سی ہیں؟ قرآن کے جمع وتدوین کے تینوں مراحل یعنی عہد نبوی، پھر عہد صدیقی اور آخر میں عثمانی کے طریقوں پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بھی بتایا جائے گا کہ قرآن مجید کی تلاوت کو آسان بنانے کے لیے اس پر نقطے، اعراب اور مختلف حصوں میں اس کی تقسیم کس طرح اور کب انجام پائی۔ اسی طرح قرآن کی مکی اور مدنی دونوں قسم کی سورتوں کی خصوصیات پر روشنی ڈالی جائے گی اور یہ بھی بتایا جائے گا کہ قرآن مجید پریس کے ذریعہ چھپنا کب شروع ہوا اور آج اس سے متعلق ضروری اعداد وشمار کیا ہیں؟

10.2 تعریف

لفظ ''قرآن'' عربی گرامر کی رو سے مصدر ہے، جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں، پھر یہیں سے یہ لفظ پڑھنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا، کیوں کہ پڑھنے میں بھی الفاظ جمع ہوجاتے ہیں، عربی زبان میں کبھی کبھی مصدر کو اسم مفعول کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا اس لحاظ سے قرآن کے معنی ہوگئے ''پڑھی جانے والی کتاب''، لغت کی رو سے تو ہر کتاب کو قرآن کہا جاسکتا ہے، لیکن اصطلاح میں یہ لفظ صرف اس کتاب الٰہی کے لیے مخصوص ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے کم از کم اکسٹھ (61) مقامات پر اپنے کلام کا اسی نام سے ذکر فرمایا ہے۔

اس کتاب کو قرآن سے کیوں موسوم کیا گیا؟ اس کا سبب بھی اسی سے واضح ہوگیا، یعنی یہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہوگی، اور واقعہ ہے کہ دنیا میں جس قدر اس کتاب کی تلاوت ہوتی ہے اور جتنی بڑی تعداد میں اس کی اشاعت عمل میں آتی ہے، دنیا کی کوئی مذہبی اور غیر مذہبی کتاب شاید اس کا ہزارواں حصہ بھی نہ پڑھی جاتی ہو، اس طرح اس کتاب کو قرآن کہہ کر گویا اللہ تعالیٰ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ یہ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہوگی اور آج اس پیشین گوئی کو ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔

قرآن کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے :

> یہ اللہ تعالیٰ کا وہ معجز کلام (وہ کلام جس کی نظیر کوئی نہ پیش کرسکے) ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، مصاحف میں لکھا ہوا ہے، آپ سے بغیر کسی شبہ کے بہ تواتر منقول ہے اور اس کی تلاوت عبادت ہے۔

قرآن کے بعض اور نام بھی ہیں، جنھیں خود قرآن کریم نے اپنے لیے استعمال کیا ہے، وہ نام ہیں: 1) فرقان (2) ذکر (3) کتاب (4) تنزیل۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کے مختلف صفاتی نام بھی ہیں، جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں۔

10.3 قرآن مجید کا موضوع

جس طرح حضرت محمدؐ خدا کے آخری رسول ہیں، اسی طرح آپؐ پر نازل ہونے والی یہ کتاب بھی آخری کتاب ہے، قرآن کے نزول کا اصل مقصد لوگوں کی ہدایت و رہنمائی ہے اور یہ کتاب تا قیامت لوگوں کو صحیح راہ بتلاتی رہے گی، اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے، چنانچہ دیگر آسمانی کتابوں کی طرح اس میں کسی تبدیلی وتحریف کا کوئی امکان نہیں، یہ کتاب کسی خاص قوم اور گروہ کی مذہبی کتاب نہیں؛ بلکہ اس کتاب میں پوری بنی نوع انسان کو مخاطب بنایا گیا ہے، خواہ وہ کسی قوم، کسی مذہب، کسی خطہ یا کسی گروہ سے تعلق رکھتا ہو، یہ ایک خدائی پیغام ہے جو ہر انسان کو آگاہ کرتا ہے کہ اس کو پیدا کرنے والا خالق اس سے کیا چاہتا ہے؟ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور کن باتوں کو ناپسند کرتا ہے؟ اس نے اس دنیا میں انسان کو کیوں پیدا کیا ہے؟ یہ اور اس قسم کے مختلف سوالات ہیں جو انسان کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں اور ان کا جواب اسے اسی کتابِ الٰہی سے مل سکتا ہے۔

10.4 سورتیں اور آیتیں

قرآن مجید ایک مسلسل مضمون نہیں ہے، بلکہ وہ ایک سو چودہ حصوں میں بٹا ہوا ہے، جنھیں ایک کتاب کے ابواب سے تشبیہ دی جاسکتی ہے، ان ہی الگ الگ حصوں کو اللہ تعالیٰ نے ''سورہ'' کا نام عطا کیا ہے، ان سب سورتوں کے الگ الگ نام ہیں اور ہر سورہ کا ایک مستقل موضوع ہے، بعض سورتیں بہت لمبی ہیں اور بعض انتہائی مختصر، گویا ان کی مقدار میں بڑا فرق ہے، قرآن کی سب سے چھوٹی سورہ ''سورۃ الکوثر'' تین آیات پر مشتمل ہے :

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ O فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ O إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۔ (کوثر:3-1)

جس طرح پورے قرآن میں کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں، اسی طرح ہر سورہ میں بھی چند آیات ہوتی ہیں، یہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردہ ہیں، سورتوں کی طرح ان کی مقدار میں بھی بڑا فرق ہے، بعض آیتیں نہایت مختصر اور دو تین الفاظ پر مشتمل ہیں۔ مثلاً :

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ O فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهُ O فِىْ صُحُفٍ مُكَرَّمَةٍ O مَرْفُوْعَةٍ مُطَهَّرَةٍ O بِأَيْدِىْ سَفَرَةٍ O كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۔
(عبس :16-11)

بعض آیتیں بہت بڑی اور پندرہ بیس الفاظ کی ہیں، سب سے بڑی آیت سورہ بقرہ کی آیت نمبر: 282 ہے، جس کو اس کے مضمون کے لحاظ سے آیت مداینت کہا جاتا ہے، موجودہ مصاحف میں ہر آیت کے اختتام پر ایک گول دائرہ بنا ہوتا ہے، جو اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ یہ آیت یہاں ختم ہوتی ہے اور آگے دوسری آیت شروع ہورہی ہے، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر آیت ایک مکمل جملہ ہو، بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کئی آیات کو ملا کر ایک جملہ مکمل ہوتا ہے اور کبھی کبھی ایک ہی آیت کئی جملوں پر مشتمل ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیتوں کی مقدار مقرر کرنے میں جملوں کی تکمیل کو پیش نظر نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ قافیہ کے اہتمام کو اہمیت دی گئی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ اول تو اہل عرب مقفی عبارتوں کے دلدادہ تھے اور دوسرے یہ چیز حفظِ قرآن میں معاون ثابت ہوتی ہے، بعد کے ادوار میں قرآن مجید میں سورتوں اور آیات کے علاوہ اور بھی تقسیمیں کی گئیں جن کا ذکر ان شاء اللہ آئندہ آئے گا۔

10.5 پہلی اور آخری آیت

قرآن حضرت محمدؐ پر وحی کے ذریعہ نازل ہوا، گذشتہ مباحث میں وحی اور اس کی صورتوں پر تفصیلی بحث ہوچکی ہے، حضرت محمدؐ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی، اس وقت آپ کی عمر مبارک چالیس سال تھی، ان دنوں آپ کو تنہائی میں عبادت کرنے کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ آپ غارِ حرا میں کئی کئی راتیں گزارتے اور عبادت میں مشغول رہتے، ایک دن اسی غار میں اللہ کی جانب سے ایک فرشتہ (حضرت جبرئیل) آیا اور آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی، یہ پہلی وحی سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات پر مشتمل تھی، یہ رمضان کا مہینہ تھا اور شمسی حساب سے ماہِ اگست 610ء کا زمانہ تھا، اس پہلی وحی کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ بند رہا، جسے فترتِ وحی کہا جاتا ہے، پھر وحی کا سلسلہ شروع ہوا اور آخری وقت تک جاری رہا، سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیتیں سورہ توبہ کی آخری دو آیات ہیں:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ O فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۔ (توبہ:129-128)

اس طرح سے قرآن ایک ہی بار میں پورا کا پورا نازل نہیں ہوا، بلکہ حالات اور ضرورت کے مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے تقریباً تئیس (23) سال کی مدت میں نازل ہوا۔

10.6 جمع قرآن عہد نبوی میں

جمعِ قرآن کی تاریخ جاننے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن موجودہ ترتیب کے مطابق نازل نہیں ہوا، بلکہ یہ منتشر طور پر بغیر کسی ترتیب کے نازل ہوا، اس کی موجودہ ترتیب اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق حضرت محمد کے زیرِ نگرانی صحابہ کرام کے ذریعہ انجام پائی۔

قرآن خدا کی آخری کتاب ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، اسی لیے اس کی حفاظت کا کام بہت بڑے پیمانے پر انجام پایا ہے، عہد نبوی میں اس کی حفاظت دو پہلوؤں سے کی گئی :

(1) حفظ کے ذریعہ۔

(2) کتابت کے ذریعہ۔

10.6.1 جمع قرآن بصورت حفظ :

عہد نبوی میں جب کہ قرآن نازل ہو رہا تھا، اہلِ عرب پڑھنا لکھنا بہت کم جانتے تھے، اس وقت پڑھنے لکھنے کے وسائل یعنی کاغذ وغیرہ بھی آسانی سے میسر نہیں تھے اور لوگ کسی بھی چیز کو محفوظ رکھنے کے لیے اسے یاد کر لیتے تھے، اس دور کے حالات کے پیش نظر یہی طریقہ زیادہ محفوظ اور قابل اعتماد تھا، یوں بھی اہل عرب اپنی حیرت انگیز قوتِ حافظہ کی وجہ سے دنیا بھر میں ممتاز تھے، وہ طویل قصائد، مشہور جنگوں کے واقعات، نسب نامے حتیٰ کہ اپنے جانوروں تک کے پشتہا پشت کے نسب نامے زبانی یاد رکھتے تھے، چنانچہ قرآن نازل ہوا تو انھوں نے پورے ذوق وشوق سے اسے یاد کرنا شروع کر دیا، صحابہ کرام کو قرآن سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کا اتنا شوق تھا کہ ہر شخص اس معاملہ میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا تھا، بہت سارے صحابہ نے تو اپنی زندگی ہی قرآن سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کے لیے وقف کر دی تھی، وہ رات بھر جاگ کر نمازوں میں قرآن پڑھا کرتے، کثرتِ قراءت کی وجہ سے مسجد نبوی میں اتنا شور ہونے لگا کہ نبی کو یہ ہدایت دینی پڑی کہ پست آواز میں قرآن پڑھا جائے۔

اسی محنت اور کوشش کا نتیجہ تھا کہ عہد نبوی میں ہی حفاظ صحابہ کی ایک بڑی تعداد وجود میں آ گئی تھی، روایات میں تقریباً چالیس صحابہ کا ذکر ملتا ہے جنھوں نے پورا قرآن یاد کر لیا تھا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عہد نبوی میں کل صحابہ جنھیں پورا قرآن یاد تھا چالیس ہی تھے، بلکہ یہ تو وہ اصحاب ہیں جن کا نام روایات میں محفوظ رہ گیا ہے، ورنہ صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد نے نبی کریم کی حیات ہی میں قرآن مکمل حفظ کر لیا تھا، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ غزوۂ بئر معونہ جو آنحضور کی زندگی میں پیش آیا، صرف اس ایک غزوہ میں ستر حفاظ صحابہ کے شہید ہونے کا ذکر ملتا ہے، اسی طرح آپ کی وفات کے کچھ ہی دنوں بعد ہونے والی جنگ یمامہ میں بھی اتنے ہی حفاظ شہید ہو گئے تھے، اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ نبی کریم کی حیاتِ مبارکہ ہی میں صحابہ کی ایک بڑی تعداد نے پورا قرآن حفظ کر لیا تھا، پھر ایسے صحابہ کا تو کوئی شمار نہیں جنھوں نے قرآن کریم کے متفرق حصے یاد کر رکھے تھے، کیوں کہ نماز میں قراءت فرض ہونے کی وجہ سے کسی مسلمان کے لیے ممکن ہی نہ تھا کہ اسے قرآن سرے سے یاد ہی نہ ہو، پھر حفاظ کی یہ تعداد عہد بہ عہد بڑھتی ہی رہی اور اس طرح قرآن ایک بڑی تعداد کے ذریعہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

10.6.2 جمع قرآن بصورتِ کتابت :

جیسا کہ آپ جان چکے ہیں کہ عہد نبوی میں کسی چیز کو محفوظ رکھنے کا اہم اور قابل اعتماد طریقہ حفظ کا تھا اور قرآن کو بھی اس طریقہ سے محفوظ کیا گیا، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں نہ تو وسائل کتابت بہ آسانی میسر تھے اور نہ ہی لوگ بہت زیادہ پڑھنا لکھنا جانتے تھے، لیکن اس کے باوجود یہ قرآن کی حفاظت کا خصوصی اور نہایت اعلیٰ اہتمام تھا کہ اسے حفظ کے ساتھ ساتھ کتابت کے ذریعہ بھی محفوظ کیا گیا، نبی قرآن کی کتابت کا خاص اہتمام فرماتے

تھے اور جب بھی کوئی وحی نازل ہوتی، سب سے پہلے اسے لکھواتے، پھر پڑھوا کر سنتے اور اس کی اصلاح فرماتے تاکہ غلطی کا امکان نہ رہے اور تب جا کر اس کی عام اشاعت کا حکم دیا کرتے تھے۔

چوں کہ قرآن اپنی اصل ترتیب کے مطابق نازل نہیں ہوا، چنانچہ آپ نہ صرف آیات کو لکھوایا کرتے، بلکہ سورتوں کے اندر آیات کا مقام اور سورتوں کی ترتیب کی بھی نشاندہی فرماتے تھے، حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ حضور کا معمول تھا کہ جب قرآن کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ کاتبِ وحی کو یہ ہدایت بھی فرمادیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں فلاں آیت کے بعد لکھا جائے، عرب میں اس زمانہ میں کاغذ کمیاب تھا، اس لیے یہ قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی سلوں، چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں اور جانوروں کی ہڈیوں وغیرہ پر لکھی جاتی تھیں، البتہ کبھی کبھی میسر آنے پر کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کیے جاتے تھے۔

نبی کریم وحی کی کتابت کا اتنا اہتمام فرماتے تھے کہ اس کام کے لیے آپ نے بہت سے صحابہ کو مقرر فرمایا تھا، ان کاتبین وحی کی تعداد چالیس تک پہنچتی ہے، یعنی یہ چالیس صحابہ تھے جو نبی کریم کے لیے کتابتِ وحی کا فریضہ انجام دیتے تھے، ان میں سے چند مشہور صحابہ کے نام ہیں: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان ، حضرت علی ، حضرت ابی بن کعب ، حضرت زید بن ثابت ، حضرت ثابت بن قیس، حضرت معاویہ، حضرت ابان بن سعید، حضرت عبداللہ بن ابی سرح۔

اس طرح عہد نبوی ہی میں قرآن مجید پورا کا پورا لکھا ہوا موجود تھا اور نبی کریم نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق اس کی ترتیب متعین فرمادی تھی، بہت سے صحابہ کرام کے پاس بھی قرآن کے لکھے ہوئے نسخے موجود تھے، گرچہ وہ مختلف ٹکڑوں، ہڈیوں اور پارچوں پر لکھے ہوئے تھے اور کتابی شکل میں نہ تھے، خود حضرت زید بن ثابت کا بیان ہے کہ ہم لوگ نبی کریم کے پاس بیٹھ کر قرآن کو کاغذ کے مختلف ٹکڑوں سے اکٹھا کیا کرتے تھے، اس کا اندازہ ان روایات سے بھی ہوتا ہے جن میں نبی کریم نے قرآن کو دیکھ کر پڑھنے کی فضیلت بیان کی ہے اور دشمن کے علاقہ میں قرآن کے نسخے لے جانے سے منع فرمایا ہے تاکہ دشمن اس کی بے حرمتی نہ کریں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن نبی کریم کی حیات ہی میں مکمل طور سے لکھا ہوا تھا اور مختلف صحابہ کے پاس بھی اس کے نسخے موجود تھے۔

10.7 جمع قرآن عہد صدیقی میں

نبی کریم کی حیاتِ مبارکہ میں قرآن لکھا تو جا چکا تھا مگر وہ مختلف ٹکڑوں، ہڈیوں، پتھروں اور کاغذوں پر لکھا ہوا تھا، اُمت کے پاس اس وقت تک کوئی ایسا نسخہ بھی موجود نہ تھا جو اُمت کی اجتماعی تصدیق سے تیار ہوا ہو اور بوقت ضرورت جس کی طرف رجوع کیا جا سکے، یہ تھیں وہ وجوہات جن کی بنا پر حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت میں جمع قرآن کی ضرورت محسوس ہوئی، اس کی صورت یہ ہوئی کہ جنگ یمامہ میں قرآن کریم کے حفاظ کی ایک بڑی تعداد شہید ہوگئی، حضرت عمر نے خدشہ محسوس کیا کہ کہیں اس طرح کی مزید جنگوں میں حفاظ کی بڑی تعداد شہید نہ ہو جائے، چنانچہ انھوں نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ وہ اُمت کی اجتماعی تصدیق سے ایک نسخہ تیار کرائیں، حضرت ابوبکر نے بھی اس کی اہمیت کو محسوس کیا، لیکن اس اہم کام کے لیے کسی غیر معمولی صلاحیت کے حامل فرد کی ضرورت تھی، چنانچہ ان کی نظر انتخاب حضرت زید بن ثابت پر پڑی، کیوں کہ وہ نوجوان، سمجھدار، بااعتماد شخص تھے، حافظ قرآن بھی تھے اور رسول اللہ کے لیے وحی کی کتابت کا فریضہ بھی انجام دے چکے تھے، یہ کام اس قدر ذمہ داری کا متقاضی اور اتنی اہمیت کا حامل تھا کہ حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ ''خدا کی قسم! اگر یہ حضرات مجھے کوئی پہاڑ ڈھونے کا حکم دیتے تو مجھ پر اس کا اتنا بوجھ نہ ہوتا جتنا جمع قرآن کے کام کا ہوا'' اس کام کے لئے حضرت عمر کو حضرت زید بن ثابت کا معاون بنایا گیا۔

اس مرحلہ میں جمع قرآن کی اہمیت اور اس سلسلے میں کیے جانے والے غیر معمولی اہتمام کا اندازہ اس طریق کار سے لگایا جا سکتا ہے جو حضرت زید

بن ثابت نے اس موقع پر اختیار کیا، انھوں نے قرآن کا یہ نسخہ محض اپنے حفظ یا دیگر سینکڑوں حفاظ صحابہ کی یادداشت کی بنیاد پر تیار نہیں کیا، بلکہ اس کے لئے ایک نہایت مشکل اور پیچیدہ، لیکن انتہائی باوثوق اور محفوظ طریقہ کا انتخاب کیا، ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اس وقت تک اپنے نسخے میں کوئی آیت درج نہیں کرتے تھے جب تک اس کے متواتر ہونے کی تحریری اور زبانی دونوں شہادتیں نہ مل جائیں، پھر وہ لکھی ہوئی آیات تب ہی قبول فرماتے تھے، جب اس تحریر کے سلسلے میں دولوگ گواہی دے دیتے کہ یہ آیات آنحضور کی نگرانی میں لکھی گئی تھیں، پھر ان طریقوں سے اکٹھا کی ہوئی آیات کا مقابلہ ان مجموعوں سے کیا جاتا تھا، جو مختلف صحابہ نے تیار کر رکھے تھے، چنانچہ اس زمانہ میں تحقیق کے ان اعلیٰ اُصولوں کے تحت اُمت کی اجتماعی تصدیق سے قرآن کا ایک نسخہ وجود میں آیا، اگر ہم اس نسخے کی تیاری کے سلسلہ میں برتی جانے والی غیر معمولی احتیاط اور محفوظ طریق کار کو پیش نظر رکھیں تو یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ عہد صدیقی میں جمع قرآن کا مقصد صرف قرآنی آیات کو ایک جگہ اکٹھا کرنا نہیں تھا، کیوں کہ اس طرح کے تو بے شمار نسخے صحابہ کرام کے پاس موجود تھے، بلکہ اس کا مقصد ایک ایسا نسخہ تیار کرنا تھا جو اُمت کی اجتماعی تصدیق کے ذریعہ تیار شدہ ہو اور جس کی موجودگی میں آگے چل کر کسی فتنہ و اختلاف کا اندیشہ باقی نہ رہے۔

عہد صدیقی میں مذکورہ بالا طریق کار کے مطابق قرآن کا جو نسخہ تیار ہوا، وہ درج ذیل خصوصیات کا حامل تھا :

- قرآن کا یہ نسخہ نہایت اعلیٰ تحقیقی اُصولوں کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا تھا اور اس میں اُمت کی اجتماعی تصدیق شامل تھی۔
- اس نسخہ میں تمام آیات آنحضرت کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب تھیں، البتہ ہر سورہ علاحدہ علاحدہ لکھی گئی تھی۔
- یہ نسخہ خط حیری میں لکھا گیا تھا۔
- اس میں صرف وہی آیتیں شامل تھیں، جو حضرت جبرئیل نے آپ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری رمضان المبارک میں آپ کو پورا قرآن سناتے وقت پڑھی تھیں اور اسی ترتیب کے مطابق تھیں۔

حضرت ابوبکر کے لکھوائے ہوئے یہ صحیفے آپ کی حیات میں آپ کے پاس رہے، پھر حضرت عمر کے پاس رہے، حضرت عمر کی شہادت کے بعد ان کی وصیت کے مطابق حضرت حفصہؓ کے پاس رہے اور حضرت حفصہؓ کے انتقال کے بعد مروان بن الحکیم نے اپنے عہد حکومت میں اسے اس خیال سے نذر آتش کردیا کہ اب حضرت عثمان کے دور میں جمع کردہ مصاحف کے رسم الخط پر اُمت کا اجماع منعقد ہو چکا تھا، چنانچہ مناسب نہ تھا کہ کوئی ایسا نسخہ باقی رہے جو رسم الخط میں عثمانی مصاحف سے مختلف ہو۔

10.8 جمع قرآن عہد عثمانی میں

حضرت عثمان کے عہد میں جمع قرآن کی نوعیت جاننے سے قبل ایک بنیادی نکتہ سے واقف ہونا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ نبی کریم نے قرآن کریم مختلف طریقوں سے پڑھا ہے، ان مختلف طریقوں کو قرآن کی قراءتیں کہا جاتا ہے اور قرآن میں ان تمام قرأتوں کی گنجائش ہے جو نبی کریم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں، نبی کریم نے مختلف صحابہ کو مختلف قرأتوں کے مطابق قرآن کی تعلیم دی تھی۔

جب حضرت عثمان خلیفہ بنے تو اس وقت تک اسلام کی سرحدیں بہت وسیع ہو چکی تھیں اور اسلام دور دراز کے علاقوں تک پہنچ چکا تھا، ہر نئے علاقہ کے لوگ ان ہی صحابہ سے قرآن سیکھتے جو ان کے علاقہ میں موجود تھے، اس طرح مختلف صحابہ سے قرآن سیکھنے کی وجہ سے مختلف علاقوں میں مختلف قراءتیں رائج ہوگئیں، اب جب وہ لوگ کبھی آپس میں ملتے تو اپنی قراءت کو درست اور دوسرے کی قراءت کو غلط سمجھتے، اس طرح ان میں اختلاف پیدا ہوتا اور بعض مرتبہ نوبت ایک دوسرے کو کافر قرار دینے تک پہنچ جاتی، ظاہر ہے کہ حضرت عثمان جیسا دور اندیش خلیفہ اس اہم معاملہ کو نظر انداز نہیں کرسکتا تھا، انھیں

متعدد ذرائع سے اس طرح کے واقعات کی اطلاع مل چکی تھی اور خود مدینہ میں بھی اس قسم کے بعض واقعات پیش آئے تھے، چنانچہ انھوں نے جلیل القدر صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور بالآخر وہ لوگ اس نتیجہ پر پہنچے کہ تمام اُمت کو ایک مصحف پر جمع کر دیا جائے تا کہ پھر کوئی اختلاف وافتراق پیش نہ آئے۔

حضرت عثمان نے اس اہم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی، جو حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام پر مشتمل تھی، بعد میں چند اور صحابہ کو بھی اس میں شامل کیا گیا، یہاں تک کہ ان کی تعداد بارہ تک پہنچ گئی، اس کمیٹی نے اس کام کے لئے درج ذیل طریقۂ کار اختیار کیا :

1۔ اس مصحف کی تیاری کے لیے انھوں نے بنیادی طور پر حضرت ابوبکر کے زمانہ میں تیار کردہ صحیفہ کو سامنے رکھا، یہ صحیفہ اس وقت حضرت حفصہؓ کی تحویل میں تھا اور حضرت عثمان نے اس کام کے لیے ان سے حاصل کیا تھا۔

2۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں جو صحیفہ تیار ہوا تھا، اس میں سورتیں مرتب شکل میں نہ تھیں، بلکہ ہر سورت الگ الگ جز میں لکھی ہوئی تھی، ان حضرات نے ایک نسخہ میں آنحضرت کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق سورتوں کو مرتب شکل میں تحریر کیا۔

3- اس مرحلہ کا سب سے اہم کام یہ تھا کہ ان حضرات نے قرآن کریم کو لکھنے کے لیے ایسا رسم الخط منتخب کیا، جس میں قرآن کی تمام متواتر قراءتیں سما جائیں، اسی غرض سے نہ تو ان پر نقطے لگائے گئے اور نہ ہی اعراب، تا کہ اسے تمام متواتر قراءتوں کے مطابق پڑھا جا سکے، یہی وہ اصل کام تھا، جس کے لیے عہد عثمانی میں جمع قرآن کی ضرورت پیش آئی تھی۔

اس طریق کار کے مطابق قرآن کریم کا جو نسخہ تیار ہوا، اس کی موجودگی میں کسی اختلاف کی گنجائش نہ تھی، کیوں کہ اس نسخہ میں تمام قراءتیں شامل تھیں اور ہر شخص اپنی قراءت کے مطابق ان سے تلاوت کر سکتا تھا۔

اس کمیٹی نے اس نئے مرتب کردہ مصحف کی ایک سے زائد نقلیں تیار کیں، عام طور سے مشہور ہے کہ حضرت عثمان نے کل پانچ مصحف تیار کرائے تھے، لیکن معروف عالم ابوحاتم سجستانیؒ کی رائے ہے کہ کل سات مصاحف تیار کرائے گئے تھے، ان میں سے ایک مصحف مکہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا اور ایک مدینہ میں محفوظ رکھا گیا، اس طرح پوری اسلامی سلطنت میں ایک ہی نسخہ کو رائج کر دیا گیا۔

قرآن کریم کے یہ معیاری نسخے تیار کرانے اور انھیں پوری اسلامی مملکت میں پھیلا دینے کے بعد حضرت عثمان نے وہ تمام ذاتی نسخے جلا دینے کا حکم دیا جو مختلف صحابہ کے پاس موجود تھے، تا کہ مصحف تیار کرانے کا ان کا مقصد حاصل ہو سکے اور ساری اُمت ایک ہی مصحف پر جمع ہو جائے اور پھر کسی اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہے، چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک وہی رسم الخط رائج ہے جو حضرت عثمان نے اختیار کیا، اسی لئے اسے ''رسمِ عثمانی'' کہا جاتا ہے اور مصاحف کو اسی رسم الخط میں لکھنا ضروری ہے۔

10.9 تسہیل تلاوت کی کوششیں

عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں جمع قرآن کے ذریعہ اُمت کی اجتماعی تصدیق کے ساتھ حفاظت قرآن کا کام بھی مکمل ہو گیا اور اسلامی ممالک میں اس کی بڑے پیمانے پر اشاعت بھی عمل میں آئی، اس طرح سے قرآن اپنی مکمل اور محفوظ صورت میں ہر شخص کے پاس پہنچ گیا، لیکن جب اسلامی ریاست کا دائرہ وسیع ہوا اور اسلام ان لوگوں تک پہنچا جو عربی زبان سے ناواقف تھے، تو انھیں قرآن پڑھنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک قرآن میں نہ تو نقطے لگائے گئے تھے اور نہ ہی حرکات کی ضرورت محسوس کی گئی تھی، اسی طرح قراءت قرآن کے درمیان آسانی کے لیے قرآن میں مختلف حصوں کی تقسیم بھی عمل میں نہیں آئی تھی، چنانچہ بعد کے ادوار میں جیسے جیسے ضرورت محسوس کی گئی، قراءت قرآن میں آسانی پیدا کرنے کے لیے مختلف

اقدامات کیے گئے ،جن کے نتیجے میں ہر شخص خواہ وہ عربی زبان سے ناواقف ہی کیوں نہ ہو اس قابل ہوگیا کہ قرآن کو آسانی سے پڑھ سکے،----تسہیل تلاوت کے یہ اقدامات درج ذیل ہیں :

10.9.1 قرآن مجید پر نقطے

شروع میں اہل عرب میں نقطے لگانے کا رواج نہ تھا ، بلکہ وہ بغیر نقطوں کے لکھنے اور پڑھنے کے عادی تھے ، چنانچہ مصاحف عثمانی بھی نقطوں سے خالی تھے ،ان مصاحف کے نقطوں سے خالی ہونے کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اس طرح اس میں تمام متواتر قراءتیں سما سکیں ،لیکن جب اسلام غیر عربوں تک پہنچا، تو انھیں بغیر نقطوں کے قرآن پڑھنے میں مشکل پیش آنے لگی، لہٰذا ان کی آسانی کے لئے قرآن پر نقطے لگائے گئے۔

قرآن پر نقطے لگانے کا یہ کام خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں انجام پایا ،عبدالملک بن مروان نے یہ اہم کام حجاج بن یوسف کے سپرد کیا تھا اور حجاج بن یوسف نے اسے نصر بن عاصم لیثی اور یحییٰ بن یعمر عدوانی کے ذریعہ پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پر نقطے لگانے کا کام سب سے پہلے ابوالاسود دوَلیؒ نے انجام دیا اور یہ کہ عبدالملک بن مروان سے پہلے ابن سیرین کے پاس بھی ایک نقطوں والا قرآن موجود تھا ، ان تمام روایات کو سامنے رکھ کر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ابوالاسود دوَلیؒ نے قرآن پر سب سے پہلے نقطے لگائے ،لیکن یہ ایک انفرادی عمل تھا اور ان کے ذاتی نسخے تک محدود تھا ، پھر اس کے بعد ابن سیرین نے بھی اپنے ذاتی مصحف پر نقطے لگائے ، پھر عبدالملک بن مروان کے دور میں یہ کام سرکاری سطح پر انجام پایا، جسے قبولِ عام حاصل ہوا اور اس سے عرب وعجم سب مستفید ہوئے۔

10.9.2 قرآن مجید پر اعراب

نقطوں کی طرح شروع میں قرآن کریم پر حرکات (زیر، زبر، پیش) بھی نہیں تھیں ، کیوں کہ عربوں میں اس کا رواج نہ تھا اور وہ بغیر حرکات کے لکھنے پڑھنے کے عادی تھے ،لیکن جب غیر عرب لوگ قرآن پڑھنے میں غلطیاں کرنے لگے تو اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ قرآن پر حرکات لگائی جائیں ، چنانچہ سب سے پہلے ابوالاسود دوَلیؒ نے حرکات وضع کیں ،لیکن یہ حرکات اس طرح کی نہ تھیں جیسی آج کل معروف ہیں ، بلکہ زبر کے لئے حرف کے اوپر ایک نقطہ، زیر کے لئے حرف کے نیچے ایک نقطہ، پیش کے لئے حرف کے سامنے ایک نقطہ اور تنوین کے لئے دو نقطے لگائے گئے ، بعد میں خلیل بن احمد نے ہمزہ اور تشدید کی علامتیں وضع کیں۔

اس کے بعد حجاج بن یوسف نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے یحییٰ بن یعمرؒ ،نصر بن عاصمؒ اور حسن بصریؒ سے بیک وقت قرآن پر نقطے اور حرکات دونوں لگانے کی فرمائش کی ، اس موقعہ پر نقطوں اور حرکات میں التباس کے خوف سے ان حضرات نے وہ حرکات وضع کیں جو آج بھی معروف ہیں۔

10.9.3 منزلیں، پارے اور رُکوع

صحابہ کرام کا عام معمول تھا کہ وہ ہفتے میں ایک بار قرآن ختم کرلیا کرتے تھے ، انھوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار متعین کی ہوئی تھی اور قرآن کو سات حصوں میں تقسیم کیا تھا ، ان میں سے ہر حصہ کو حزب یا منزل کہا جاتا تھا ، ظاہر ہے کہ یہ سات احزاب کسی معنی اور مفہوم کی رعایت کرتے ہوئے نہیں بنائے گئے تھے ، بلکہ محض اس لیے بنائے گئے تھے کہ ہر حصہ ایک دن میں ختم ہوجائے اور اس طرح سات دنوں میں پورا قرآن ختم ہوسکے ، ان احزاب کی تقسیم اس طرح تھی کہ پہلا حزب تین سورتوں کا ، دوسرا پانچ سورتوں کا ، تیسرا سات سورتوں کا ، چوتھا نو سورتوں کا ، پانچواں گیارہ سورتوں کا ، چھٹا تیرہ سورتوں کا اور آخری سورہ ''قٓ'' سے آخر قرآن تک کا تھا۔

پورے قرآن کو برابر کے تیس حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ، یہ حصے ''اجزا'' یا ''پارے'' کہلاتے ہیں ، یہ تقسیم من جانب اللہ نہیں ہے اور عہد نبوی اور

خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں اس کا وجود بھی نہ تھا، حجاج بن یوسف کی امارت (73ھ تا 95ھ) میں یہ تقسیم عمل میں آئی، چنانچہ اس تقسیم کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، اس تقسیم میں قرآن کے معانی ومطالب کوملحوظ نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ قرآن کو پڑھنے، حفظ کرنے اور قرآن کی تعلیم میں آسانی کی غرض سے یہ تقسیم عمل میں لائی گئی ہے، بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم نے صحابہ کرام کے لیے یہ بات پسند فرمائی تھی کہ وہ مہینے میں ایک بار قرآن ختم کرلیا کریں، چنانچہ اسی ہدایت کے پیش نظر یہ تقسیم کی گئی تاکہ ہر مسلمان روزانہ ایک جز پڑھ کر مہینے میں ایک قرآن ختم کرنے کا شرف حاصل کرسکے۔

جس طرح پورے قرآن کو تیس مساوی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، اسی طرح ہر حصے کو مزید چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، یہ حصے رکوع کہلاتے ہیں، یہ تقسیم معنی کے اعتبار سے کی گئی ہے، یعنی جہاں ایک سلسلۂ کلام مکمل ہوا وہاں رکوع مکمل ہوگیا، اس کا مقصد یہ تھا کہ عربی زبان سے ناواقف لوگ ازخود یہ نہیں سمجھ سکتے کہ کس جگہ تلاوت کا سلسلہ ختم کردینا مناسب ہوگا، چنانچہ ان کی سہولت کے لیے یہ تقسیم عمل میں لائی گئی، تعیین رکوع کے سلسلہ میں ایک اور بات کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے اور وہ یہ کہ تقسیم میں آیتوں کی ایک مناسب تعداد کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، اس طرح ایک پارہ عموماً پندرہ بیس رکوعوں میں منقسم ہے، اس کا مقصد آیات کی ایک ایسی متوسط مقدار کی تعیین ہے، جو ایک رکعت میں پڑھی جاسکے اور اس کو رکوع اسی لیے کہتے ہیں کہ نماز میں اس جگہ پہنچ کر رکوع کیا جائے، ظاہر ہے کہ اس تقسیم کو بھی کوئی شرعی حیثیت حاصل نہیں ہے۔

10.9.4 رموز اوقاف

قرآن مجید کی تلاوت میں سہولت کے لیے ایک اہم اور مفید کام یہ کیا گیا کہ آیات کے درمیان ایسی علامتیں مقرر کردی گئیں، جن سے یہ معلوم ہوسکے کہ اس جگہ رکنا یا ٹھہرنا کیسا ہے؟ ان علامتوں کو ''رموزِ اوقاف'' کہتے ہیں، ان کی مدد سے ایک عربی سے ناواقف انسان بھی درست طریقہ سے تلاوت کرسکتا ہے اور صحیح جگہ پر ٹھہر سکتا ہے، ان علامات کی اہمیت اس لیے بہت زیادہ ہے کہ غلط جگہ پر وقف کرنے سے معنی میں بسا اوقات غیر معمولی تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے، معنی کی اسی تبدیلی سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ علامات وضع کی گئی ہیں، ان میں سے اکثر رموز سب سے پہلے علامہ ابوعبداللہ محمد بن طیفور سجاوندیؒ نے وضع فرمائی ہیں، ان میں سے کچھ اہم رموز درج ذیل ہیں :

ط : اس کا مطلب ہے کہ یہاں بات پوری ہوگئی ہے، اس لیے یہاں وقف کرنا بہتر ہے۔

ج : اس کا مطلب ہے کہ یہاں وقف کرنا جائز ہے۔

ز : اس کا مطلب ہے کہ یہاں وقف کرنا تو درست ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ وقف نہ کیا جائے۔

م : یہ وقفِ لازم کا مخفف ہے، یعنی یہاں وقف نہ کیا جائے تو آیت کے معنی میں فحش غلطی کا امکان ہے، لہٰذا یہاں وقف کرنا ضروری ہے۔

لا : اس کا مطلب ہے کہ یہاں نہ ٹھہرا جائے اور اگر اس مقام پر وقف کیا جائے تو بہتر ہے کہ اسے دوبارہ لوٹا کر پڑھا جائے۔

قف : اس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ، یہ اس جگہ لایا جاتا ہے، جہاں پڑھنے والے کو یہ خیال ہوسکتا ہو کہ یہاں وقف درست نہیں۔

10.10 قرآن مجید پریس پر

جب تک پریس ایجاد نہیں ہوا تھا، قرآن کریم کے تمام نسخے قلم سے لکھے جاتے تھے اور ہر دور میں مسلمانوں کی ایک جماعت نے کتابتِ قرآن کو اپنا مشغلہ بنائے رکھا، پھر جب پریس ایجاد ہوا، تو سب سے پہلے 1113ھ میں ہیمبرگ کے مقام پر قرآن کریم طبع ہوا، جس کا ایک نسخہ اب تک دارالکتب المصریہ میں موجود ہے، اس کے بعد متعدد مستشرقین نے قرآن کریم کے نسخے طبع کرائے، لیکن یہ نسخے اسلامی دنیا میں مقبول نہ ہوسکے، مسلمانوں میں سب

سے پہلے مولائے عثمان نے روس کے شہر سینٹ پیٹرس برگ میں 1887ء میں قرآن کریم کا ایک نسخہ طبع کرایا، اسی طرح قازان میں بھی ایک نسخہ چھاپا گیا، 1828ء میں ایران کے شہر تہران میں قرآن کریم کو پتھر پر چھاپا گیا اور پھر اس کے مطبوعہ نسخے دنیا بھر میں عام ہو گئے۔

10.11 قرآن مجید سے متعلق ضروری اعداد و شمار

قرآن مجید کی کل سورتوں کی تعداد	:	114
مکی دور میں نازل ہونے والی سورتوں کی تعداد	:	86
مدنی دور میں نازل ہونے والی سورتوں کی تعداد	:	28
قرآن مجید کی کل آیات کی تعداد	:	6236
قرآن مجید کے کل کلمات کی تعداد	:	77932
قرآن مجید کے کل حروف کی تعداد	:	332015
قرآن مجید کے کل اجزا (پارے) کی تعداد	:	30
قرآن مجید کے کل احزاب کی تعداد	:	7
قرآن مجید میں سجدوں کی تعداد	:	15 (جن میں سے ایک کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہاں سجدہ کیا جائے گا یا نہیں؟)۔
قرآن مجید کی سب سے بڑی سورۃ	:	سورہ بقرہ
قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورۃ	:	سورہ کوثر
قرآن مجید کتنے سال کی مدت میں نازل ہوا	:	تقریباً 22 سال 5 ماہ چودہ دن
پہلی وحی	:	سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات
آخری وحی	:	سورہ توبہ کی آخری دو آیات
عہد نبوی میں قرآن مجید کے ان حفاظ کی تعداد، جن کے ناموں کی صراحت ملتی ہے	:	42
کاتبین وحی کی تعداد	:	40

10.12 مکی و مدنی سورتیں

قرآن کریم کی بعض سورتیں مکی ہیں اور بعض مدنی، آخر سورتوں کے مدنی اور مکی ہونے کا مفہوم کیا ہے؟ بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں وہ مکی اور جو مدینہ میں نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں، لیکن حقیقتاً یہ تقسیم زمانۂ نزول کے اعتبار سے ہے، یعنی نبی کی مدینہ ہجرت سے پہلے جو سورتیں نازل ہوئیں وہ مکی ہیں، خواہ وہ کسی بھی جگہ نازل ہوئی ہوں۔ اور ہجرت کر کے مدینہ پہنچنے کے بعد جو سورتیں نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں، خواہ کسی مقام پر نازل ہوئی ہوں، آیات اور سورتوں کے درمیان مکی اور مدنی کی یہ تقسیم اگرچہ نبی کریم سے مروی نہیں، لیکن بعد میں صحابہ اور تابعین نے آیات اور

سورتوں کے بارے میں وضاحت کی کہ فلاں سورہ یا آیت مکی ہے اور فلاں مدنی، اس کے علاوہ بعض دیگر شواہد کی بنیاد پر بھی یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ کوئی سورہ یا آیت مکی ہے یا مدنی؟ ان کا ذکر آگے آئے گا۔

مکی اور مدنی سورتیں چوں کہ مختلف حالات اور ماحول میں نازل ہوئیں اور ان کے مخاطب بھی مختلف تھے، اسی لیے ان کے انداز اور اُسلوب میں فرق پایا جاتا ہے، مکی زندگی میں مسلمانوں کا واسطہ چوں کہ زیادہ تر عرب کے بُت پرستوں سے تھا اور کوئی اسلامی ریاست وجود میں نہیں آئی تھی، اس لیے اس دور میں زیادہ زور عقائد کی درستی، اخلاق کی اصلاح، بُت پرستوں کی مدلل تردید، مظاہر فطرت پر غور وفکر کی دعوت اور قرآن کریم کی شانِ اعجاز کے اظہار پر دیا گیا۔

10.12.1 مکی سورتوں کی خصوصیات

مکی سورتوں کی بعض خصوصیات درج ذیل ہیں :

1۔ مکی سورتوں میں عام طور سے مشرکین اور بُت پرستوں کو خطاب کیا گیا ہے اور اہل کتاب اور منافقین کو مخاطب نہیں بنایا گیا ہے۔

2۔ مکی سورتیں زیادہ تر توحید، رسالت اور آخرت کے اثبات، حشر ونشر کی منظر کشی، آنحضرت کو صبر وتسلی کی تلقین اور پچھلی اُمتوں کے واقعات پر مشتمل ہیں، ان سورتوں میں احکام وقوانین بہت کم بیان ہوئے ہیں۔

3۔ مکی آیتیں اور سورتیں عموماً چھوٹی چھوٹی اور مختصر ہیں اور ان کا اُسلوب بیان زیادہ پرشکوہ ہے، ان میں استعارات تشبیہات اور تمثیلیں زیادہ ہیں اور ذخیرۂ الفاظ بہت وسیع ہے۔

اس کے علاوہ مکی سورتوں کی پہچان کے لیے بعض علما کے نزدیک چند مخصوص علامات بھی ہیں جو درج ذیل ہیں :

1۔ مکی سورتوں میں عموماً ''**یا ایھا الناس** ''(اے لوگو!) کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔

2۔ ہر وہ سورہ جس میں لفظ'' کلا''(ہرگز نہیں) آیا ہے، وہ مکی ہے، یہ لفظ پندرہ سورتوں میں 33 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

3۔ ہر وہ سورہ جس میں کوئی سجدے کی آیت آئی ہے، مکی ہے۔

4۔ سورۂ بقرہ کے سوا ہر وہ سورہ جس میں آدم وابلیس کا واقعہ آیا ہے وہ مکی ہے۔

10.12.2 مدنی سورتوں کی خصوصیات

مدینہ طیبہ میں چوں کہ ایک اسلامی ریاست وجود میں آچکی تھی اور لوگ جوق درجوق اسلام میں داخل ہورہے تھے، بُت پرستی کا ابطال ہوچکا تھا اور تمام تر نظریاتی مقابلہ اہل کتاب سے تھا، اس لیے یہاں احکام وقوانین اور حدود وفرائض کی تعلیم اور اہل کتاب کی تردید پر زیادہ توجہ دی گئی اور اسی کے مناسب اُسلوبِ بیان اختیار کیا گیا ہے۔

مدنی آیات اور سورتوں کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں :

1۔ مدنی سورتوں میں زیادہ تر خطاب اہل کتاب اور منافقین سے ہے۔

2۔ مدنی سورتوں میں خاندانی اور تمدنی قوانین، جہاد وقتال کے احکام اور حدود وفرائض بیان کیے گئے ہیں۔

3۔ مدنی آیات اور سورتیں طویل اور مفصل ہیں اور ان کا اُسلوبِ بیان مکی سورتوں کی بہ نسبت سادہ ہے اور ان کا ذخیرۂ الفاظ مکی سورتوں کی طرح وسیع نہیں۔

اس کے علاوہ مدنی سورتوں کی بعض علامات درج ذیل ہیں :

1۔ مدنی سورتوں میں عموماً ''**یا ایھا الذین آمنوا** ''(اے ایمان والو!) کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔

2۔ ہر وہ سورہ جس میں جہاد کی اجازت یا اس کے احکام مذکور ہیں، مدنی ہے۔

3۔ ہر وہ سورہ جس میں منافقین کا ذکر آیا ہے، مدنی ہے۔

10.13 خلاصہ

1۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا وہ کلام معجز ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اور بغیر شبہ کے تواتر کے ساتھ نقل ہوا ہے۔

2۔ قرآن مجید ایک سو چودہ سورتوں پر مشتمل ہے اور اس کی سورتیں اور آیتیں اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائی ہیں۔

3۔ نزولِ قرآن کا آغاز اگست 610ء میں ہوا، اور تقریباً 23 سال کی مدت میں پورا قرآن نازل ہوا۔

4۔ عہد نبوی ہی میں بہت سے صحابہ وصحابیات قرآن مجید کے حافظ تھے اور تحریری طور پر بھی قرآن جمع ہو چکا تھا۔

5۔ عہد صدیقی میں حافظوں کے علاوہ قرآنی نوشتوں کی مدد سے ایک جگہ پورا مصحف مرتب کیا گیا، البتہ اس میں ہر سورہ الگ الگ دفتروں میں تھی۔

6۔ حضرت عثمان غنی نے دوبارہ قرآن مجید کو حفاظ اور صحابہ کے نوشتوں سے جمع کیا اور اس انداز پر کتابت کرائی کہ وہ مختلف قرأتوں کو شامل ہو۔

7۔ عبدالملک بن مروان کے عہد میں قرآن پر نقطے لگوائے گئے اور حرکتیں دی گئیں اور ابوالاسود دؤلی کو اس خدمت کا اعزاز حاصل ہوا۔

8۔ صحابہ کے دور میں قرآن کو سات احزاب اور حجاج بن یوسف کے عہد میں 30 پاروں میں تقسیم کیا گیا، اور بعد کے لوگوں نے رکوع مقرر کیے، نیز ابوعبداللہ محمد بن طیفور سجاوندی نے رموز اوقاف متعین کیے۔قرآن کی بعض سورتیں مکی ہیں اور بعض مدنی۔اور مضامین واُسلوب کے اعتبار سے دونوں کی الگ الگ خصوصیات ہیں۔

10.14 نمونۂ امتحانی سوالات

(1) لفظ ''قرآن'' عربی گرامر کی رو سے مصدر ہے، جس کے معنی .... کرنے کے ہیں۔

(2) قرآن کریم کی پہلی وحی سورہ .... ہے۔

(3) خلیفہ .... کے عہد میں قرآن پر نقطے لگوائے گئے اور حرکتیں دی گئیں۔

(4) ہر وہ سورہ جس میں لفظ ''کلا'' (ہرگز نہیں) آیا ہے، وہ .... ہے۔

(5) ''ج'' کا مطلب ہے کہ یہاں وقف کرنا .... ہے۔

مختصر جوابی سوالات:

(1) قرآن کی تعریف کیا ہے اور اس کے کیا کیا نام ہیں؟

(2) قرآن مجید کی تقسیم سورتوں اور آیتوں میں کی گئی ہے، واضح کیجیے۔

(3) عہد نبوی میں جمع قرآن بصورتِ کتابت پر روشنی ڈالیے۔

(4) مکی سورتوں اور مدنی سورتوں کی تعداد، نیز قرآن کے کل کلمات اور کل حروف کی تعداد لکھیں؟

(5) قرآن کریم کے رموز اوقاف پر ایک نوٹ لکھیے۔

طویل جوابی سوالات:

(1) عہد صدیقی میں جمع قرآن کی خصوصیات کیا ہیں؟ بیان کیجیے۔

(2) عہد عثمانی میں جمع قرآن کی خصوصیات کیا ہیں؟ بیان کیجیے۔

(3) عہد نبوی میں جمع قرآن کی تاریخ پر روشنی ڈالیے۔

(4) قراءت قرآن میں آسانی پیدا کرنے کے لیے جو مختلف اقدامات کیے گئے ہیں ان کا بیان کیجیے۔

(5) مکی اور مدنی سورتوں میں کیا فرق ہے؟ ان کی خصوصیات کیا ہیں؟ بیان کیجیے۔

10.15 سفارش کردہ کتابیں

1۔ علوم القرآن	مولانا محمد تقی عثمانی
2۔ علوم القرآن	ڈاکٹر صبحی صالح (ترجمہ: غلام احمد حریری)
3۔ مناهل العرفان فی علوم القرآن	دکتور عبدالعظیم زرقانی
4۔ الإتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی
5۔ جمع قرآن	مولانا عبداللطیف رحمانی

۔:oOo:۔

اکائی 11 : قرآنی تعلیمات

اکائی کے اجزا

11.1 تمہید

11.2 قرآن کی معاشی تعلیمات

11.3 قرآن کی معاشرتی تعلیمات

11.4 قرآن کی سیاسی تعلیمات

11.5 قرآن اور بین قومی تعلقات

11.6 قرآن کی اخلاقی تعلیمات

11.6.1 اچھے اخلاق

11.6.2 بُرے اخلاق

11.7 خلاصہ

11.8 نمونہ امتحانی سوالات

11.9 سفارش کردہ کتابیں

11.1 تمہید

قرآن مجید اس زمین پر اللہ کی سب سے بڑی نعمت اور بندوں کی سب سے بڑی ضرورت ہے، یہ انسانیت کے لئے ایک جامع ترین ہدایت نامہ اور زندگی کے ہر گوشے سے متعلق تعلیمات پر مشتمل ایک مکمل دستور ہے، اس کی تعلیمات میں الٰہیات کے ضروری حقائق اور دین کے اُصول وقواعد کی تفصیل بھی ہے اور انسانی آداب واخلاق کی تشریح بھی، فرد کی تربیت کے خطوط بھی ہیں اور معاشرہ کی تعمیر کے اُصول بھی، خاندانی، معاشرتی، تمدنی، معاشی اور سیاسی احکام بھی ہیں اور صلح وجنگ کے آداب وقوانین بھی، ان تعلیمات میں غایت درجہ اعتدال، عقلیت اور فطرت سے ہم آہنگی پائی جاتی ہے، اسی لیے یہ ہر قوم، ہر زمانہ اور ہر ملک کے لیے یکساں طور پر موزوں ہیں، یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سال گذر جانے کے باوجود آج بھی یہ تعلیمات حیاتِ انسانی کے تمام مسائل کا صحیح حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

زیرِ نظر اکائی میں قرآن کریم کی چند اہم تعلیمات درج کی گئی ہیں۔ اس میں سب سے پہلے قرآن کی معاشی تعلیمات بیان کی گئی ہیں، پھر سماجی زندگی سے متعلق احکام وآداب کو معاشرتی تعلیمات کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔ سیاسی تعلیمات کے ضمن میں انسانی حقوق کی بابت اور بین الاقوامی

تعلقات سے متعلق قرآن کی ہدایات ذکر کی گئی ہیں۔آخر میں اخلاقی تعلیمات کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پہلے فضائل کو پھر بری عادتوں اور رذائل کو بیان کیا گیا ہے۔

11.2 قرآن کی معاشی تعلیمات

اس روئے زمین پر انسان کی فطری اور لازمی ضرورتوں میں سے ایک معاشی ضرورت بھی ہے، چنانچہ قرآن نے انسان کے معاشی مسئلہ سے بھی بحث کی ہے، اس نے انسان کے معاشی نظام پر قدغن نہیں لگائی، بلکہ اس کے لیے صحیح خطوط فراہم کیے ہیں، قرآن کی اہم معاشی تعلیمات درج ذیل ہیں :

- خرید و فروخت درست ہے اور یہ حلال طریقہ پر ہونی چاہیے، غلط طریقوں سے مال کمانا جائز نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ . (29:4)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ، لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو تو مضائقہ نہیں۔

- تجارت اور معاش میں کھو کر انسان کو اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جانا چاہیے۔

رِجَالٌ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ . (37:24)

کامیاب وہ لوگ ہیں جنھیں خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر دیتی۔

- اُجرت پر کام کرنا درست ہے اور انبیا نے بھی اسے ذریعہ معاش کے طور پر اختیار کیا ہے۔

قَالَ إِنِّيْ أُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمَانِيَ حِجَجٍ(27:28)

انھوں نے (موسیٰ سے) کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دوں، اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو۔

دوسری جگہ ہے : **قَالَ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا . (77:18)**

(موسیٰ نے) کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کچھ اُجرت ہی لے لیتے۔

- رہن کے معاملات درست ہیں اور رہن رکھی جانے والی چیز پر جب تک مرتہن کا قبضہ نہیں ہو جاتا، رہن منعقد نہیں ہوتا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِباً فَرِهٰنٌ مَقْبُوْضَةٌ . (283:2)

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو۔

- جس شخص کے پاس کوئی امانت ہو، اس کی ذمہ داری ہے کہ بحفاظت امانت واپس کرے۔

اِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُوَدُّوْا الْاَمَانَاتِ إِلٰى أَهْلِهَا . (58:4)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کو ان کی امانتیں پہنچاؤ۔

فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضاً فَلْيُؤَدِّ الَّذِيْ اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللهَ رَبَّهُ . (283:2)

اگر تم ایک دوسرے کے پاس امانت رکھو، تو جس کے پاس امانت رکھی جائے وہ اسے ادا کرے اور اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے۔

- امانت میں خیانت کرنا قبیح فعل ہے اور ممنوع ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا اَمَانَاتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ . (8: 27)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی آپس کی امانتوں میں جان بوجھ کر خیانت کرو۔

- قرآن ناپ تول میں ایمانداری کی تعلیم دیتا ہے اور کم تولنے کو زمین میں فساد اور بگاڑ پیدا کرنے کے مترادف قرار دیتا ہے۔

فَاَوْفُوْا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلاَ تَبْخَسُوْا النَّاسَ أَشْيَاءَ هُمْ وَلاَ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ إِصْلاحِهَا . (85:7)

ناپ تول میں کمی نہ کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دو اور زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد نہ برپا کرو۔

- ترازو یا پیمانہ بالکل درست ہونا چاہیے اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہونی چاہیے۔

وَأَوْفُوْا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ . (17: 35)

جب تم تولو تو پورا تولو اور صحیح ترازو سے وزن کرو۔

- دوسروں کو کم دینے والے اور ان سے پورا لینے والے تباہی سے دوچار ہوں گے اور انجام کار گھاٹے میں رہیں گے۔

وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ، وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْوَزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ . (83: 1−3)

تباہی و بربادی ہے کم کرنے والوں کے لیے جو لوگوں سے تول کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب انھیں ناپ یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔

اَوْ فُوْا الْكَيْلَ وَلاَ تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ . (26: 181)

پورا پورا تولو اور کم تولنے والوں میں سے نہ بنو۔

- قرآن قرض کے لین دین سے متعلق اہم ہدایات دیتا ہے، اس میں پہلی ہدایت یہ ہے کہ قرض لوٹانے کی مدت متعین ہو۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلٰىٓ أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ . (2: 282)

اے ایمان والو! جب تم قرض کا معاملہ کرو ایک متعینہ مدت تک، تو اسے لکھ لو۔

- اس سلسلہ میں دوسری ہدایت یہ ہے کہ قرض چھوٹا ہو یا بڑا اسے لکھنے میں کوتاہی نہ کی جائے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلٰىٓ أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ وَلاَ تَسْئَمُوْا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْراً أَوْ كَبِيْراً إِلٰى اَجَلِهِ . (2:282)

اے ایمان والو! جب تم قرض کا معاملہ کرو، ایک متعینہ مدت تک، تو اسے لکھ لو اور قرض چھوٹا ہو یا بڑا اس کے لکھنے میں کاہلی نہ کرو اس کی متعین مدت تک۔

- اس سلسلہ کی ایک اور ہدایت یہ ہے کہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو اس معاملہ کا گواہ بنالیا جائے۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَءَ تَانِ . (2:282)

اور مردوں میں سے دو لوگوں کو اس کا گواہ بنالو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو۔

- ان ہدایات کا مقصد یہ ہے کہ اس طریقہ سے ثبوت پختہ ہو جاتے ہیں اور شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی، نتیجتاً تعلقات خراب ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا۔

ذٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنٰى أَلَّا تَرْتَابُوْا . (2: 282)

یہ اللہ کے نزدیک انصاف کی راہ ہے اور شہادت کی بہترین صورت ہے اور اس سے تمہارے شک وشبہ میں پڑنے کے مواقع باقی نہیں رہتے۔

- قرآن صنعتوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور ابنیا کو صنعتوں کی جو تعلیم دی گئی اسے خدا کی جانب سے فضل وانعام شمار کرتا ہے۔

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِنْ بَاْسِكُمْ . (21: 8)

اور ہم نے داؤد کو تمہارے جنگی لباس بنانے کا طریقہ بتایا تاکہ تمہیں تمہاری جنگوں سے محفوظ رکھ سکے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلاً يٰجِبَالُ أَوِّبِيْ مَعَهُ وَالطَّيْرَ وَاَلَنَّالَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِيْ السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا .

(۳۴: ۱۰-۱۱)

اور ہم نے داؤد کو اپنے خاص فضل سے نوازا، (ہم نے کہا) اے پہاڑ اور پرندو! اس کے ساتھ پڑھو، اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا کہ اس سے کشادہ زرہیں بناؤ اور اندازے سے جوڑ کر کڑیاں بناؤ اور بھلائی کے کام کرو۔

- سود حرام ہے اور تمام سودی کاروبار ناجائز ہیں۔

اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا . (2: 275)

اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَابَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ . (2: 278)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو ذرا بھی سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم واقعی مومن ہو۔

- سود کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور بسا اوقات اصل مال سے کئی گناہ زیادہ ہو جاتا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا أَضْعَافاً مُّضَاعَفَةً . (3: 13)

اے ایمان والو! سود نہ کھاؤ کئی کئی گنا۔

- ہر مال جو غلط طریقہ سے کمایا جائے حرام ہے، خواہ وہ غصب کے ذریعہ کمایا گیا ہو، یا رشوت لے اور دے کر حاصل کیا گیا ہو۔

وَلاَ تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَاكُلُوْا فَرِيْقاً مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (2: 188)

آپس میں ایک دوسرے کا مال غلط طریقہ سے نہ کھاؤ اور حاکموں تک مال اس غرض سے نہ پہنچاؤ کہ اس کے ذریعہ تم لوگوں کا مال گناہ کرتے ہوئے کھا سکو دراں حالاں کہ تم اس سے واقف ہو۔

- قرآن ذخیرہ اندوزی کو ناقابل معافی جرم قرار دیتا ہے اور ایسا کرنے والوں کو سخت عذاب کی وعید سناتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ . (9:34)

جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انھیں دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ O اَلَّذِيْ جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَهُ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ . (104 : 1-2)

تباہی ہے ہر غیبت کرنے والے اور عیب لگانے والے کی جس نے دولت اکٹھی کی اور اس کو گن گن کر رکھا، سمجھتا ہے کہ اس کی دولت اس کو ہمیشہ رکھے گی۔

- قرآن دولت کے ارتکاز کو پسند نہیں کرتا، دولت کے ارتکاز ہی کو روکنے کے لیے اس نے صدقہ وخیرات کا نظام پیش کیا ہے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ. (59 : 7)

تا کہ یہ دولت صرف تمہارے دولت مندوں ہی تک محدود ہو کر نہ رہ جائے۔

- اسلام ضرورت مندوں کے درمیان مال خرچ کرنے کی تلقین کرتا ہے اور ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو اپنا مال محتاجوں میں خرچ کرتے ہیں۔

وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ . (19:51)

اور ان کے مال میں سائلوں اور محتاجوں کا حصہ ہے۔

- قرآن انفاق پر اُبھارتے ہوئے اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے، کہ انسان کا سارا مال اسی دنیا میں رہ جانے والا ہے، اور اسے بالآخر ایک ایسے دن کا سامنا کرنا ہے جب کوئی مال اور دولت کام آنے والی نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا أَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّاتِيَ يَوْمٌ لا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ . (2: 254)

اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو، اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی فروخت ہوگی، نہ دوستی اور نہ ہی کوئی سفارش۔

- قرآن انفاق یعنی ضرورت مندوں پر خرچ کرنے میں بھی اعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْراً . (17: 26)

قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرو اور بہت زیادہ فضول خرچی نہ کرو۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلاَ تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ . (2: 195)

اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

- قرآن ان لوگوں کو اللہ کے حقیقی فرمانبردار بندوں میں شمار کرتا ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، نہ تو کنجوسی کرتے ہیں اور نہ ہی بہت زیادہ اسراف کرتے ہیں، بلکہ میانہ روی سے خرچ کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَاماً . (25: 67)

وہ لوگ جو کہ خرچ کرتے ہیں، تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی کنجوسی کرتے ہیں، وہ میانہ روی سے خرچ کرتے ہیں۔

- قرآن فضول خرچی کو ناپسند کرتا ہے اور ایسا کرنے والوں کو شیطان کا معاون قرار دیتا ہے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ . (17: 27)

فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

- قرآن والدین، اعزہ واقربا، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں میں مال خرچ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ . (2: 215)

کہہ دو کہ جو مال تم خرچ کرو تو وہ والدین کے لیے، قریبی رشتہ داروں کے لیے، یتیموں کے لیے مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے ہے۔

- قرآن اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ معاشی ورزقی اعتبار سے مراتب و مدارج کا اختلاف قدرتی تقسیم ہے اور معاشی نظام کے جاری رہنے کے لیے ضروری ہے۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِيْ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضاً سُخْرِيًّا . (43 : 32)

ہم نے ان کی دنیوی زندگی کی روزی ان میں تقسیم کردی ہے اور ایک کو دوسرے سے بلند کیا ہے، تاکہ ایک دوسرے کو ماتحت کرلے۔

- ایمان وتقویٰ، توبہ واستغفار اور شکر سے آسمانی برکتوں کا نزول ہوتا ہے اور نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ يُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَاراً وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ . (52:11)

اے قوم کے لوگو! اپنے رب سے گناہوں کی معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹو وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش نازل کرے گا اور تمہاری قوت میں اضافہ کرے گا۔

وَ إِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ . (14: 7)

اور جب تمھارے پروردگار نے تمھیں آگاہ کردیا کہ اگر تم شکر گزاری کروگے تو بے شک میں تمھیں زیادہ دوں گا۔

- کفر و اعراض کی روش اختیار کرنے کا نتیجہ معاشی تنگی و بدحالی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا . (20 : 124)

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی۔

11.3 قرآن مجید کی معاشرتی تعلیمات

- سارے انسان برابر ہیں، مرد کو عورت پر یا کسی گروہ کو دوسرے گروہ پر پیدائشی بنیاد پر فضیلت حاصل نہیں۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْباً وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقَاكُمْ . (13:49)

اے لوگو! ہم نے تمھیں مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمھیں گروہوں اور قبیلوں میں تقسیم کردیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، تم میں سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔

- عمل کے اعتبار سے مرد و عورت دونوں برابر ہیں، اور کسی کو کسی پر کوئی برتری نہیں۔

اَنِّیْ لَا اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ . (3 : 195)

میں تم میں سے کسی محنت کرنے والے کی محنت ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک ہو۔

- قرآن نکاح کی ترغیب دیتا ہے اور محض معاشی پس ماندگی کے خیال سے نکاح میں تاخیر کو پسند نہیں کرتا۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ . (24: 32)

اور تم میں سے جو کنوارے ہوں اور تمھارے غلام اور لونڈیوں میں سے جو نیک ہوں، ان کا نکاح کردو، اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ ان کو اپنی مہربانی سے غنی کردے گا۔

- جو لوگ کسی وجہ سے نکاح نہ کرسکتے ہوں، انھیں چاہیے کہ وہ صبر وضبط کا دامن تھامے رہیں۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحاً حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ . (24: 33)

اور اپنے آپ کو بچاتے رہیں وہ لوگ جو نکاح نہیں کرسکتے یہاں تک کہ اللہ انھیں اپنے فضل سے بے نیاز کردے۔

- قرآن زیادہ سے زیادہ چار نکاح کی اجازت دیتا ہے، لیکن اگر بیویوں کے درمیان انصاف ممکن نہ ہو تو ایک ہی نکاح کی تلقین کرتا ہے۔

فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً . (4: 3)

تمھیں جو عورتیں پسند آئیں ان سے شادی کرلو، دو، تین، چار، لیکن اگر تمھیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی سے نکاح کرو۔

- قرآن نکاح کے سلسلے میں عورتوں کی رائے کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے اور انھیں اس بات کا حق دیتا ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق نکاح کریں۔

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ . (2: 232)

تو اب ان کو نہ روکو کہ وہ اپنی پسند کے شوہر سے نکاح کرلیں، جب وہ آپس میں راضی ہوجائیں دستور و رواج کے مطابق۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِیْ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ . (2: 234)

جب وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو رواج کے مطابق اپنے حق میں جو بھی کریں، تم پر کوئی گناہ نہیں۔

- اہل کتاب عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے۔

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُوْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ . (5: 5)

تمہارے لیے حلال ہیں، پاکباز مسلمان عورتیں اور وہ پاکباز عورتیں جن کے پاس تم سے پہلے کتاب آچکی ہے، جب کہ تم انھیں ان کے مہر ادا کردو۔

- وہ عورتیں جن سے نکاح کرنا ممنوع ہے، قرآن کی ان آیتوں میں بیان ہوئی ہیں۔

وَلاَ تَنْكِحُوْا مَانَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَاقَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتاً وَسَآءَ سَبِيْلاً ، حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالاَتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنَاتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِيْ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ الّٰتِي فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ اللاَّتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلاۤئِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلاَبِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ إِلَّا مَاقَدْ سَلَفَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْراً رَّحِيْماً . (4: 22–23)

اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں، انھیں اپنے نکاح میں نہ لاؤ، مگر جو ہو چکا ہے، یہ بے حیائی اور غضب کا کام ہے اور بدترین راہ ہے، تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھائی اور بہن کی بیٹیاں، تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے، تمہاری دودھ شریک بہنیں، تمہاری بیویوں کی مائیں اور ان کی وہ بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں اور جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو، کہ اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی ہے تو کوئی حرج نہیں، تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشت سے ہیں اور دو بہنوں کو اکٹھا کرنا، مگر جو ہو چکا، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

- مسلمان مردوں کا مشرک عورتوں سے نکاح جائز نہیں، اسی طرح مسلمان عورتوں کا مشرک مردوں سے نکاح بھی ناجائز ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكَةٍ وَلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوْا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا . (2: 221)

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور مومن باندی مشرکہ سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں اچھی لگے اور مشرک مردوں سے نکاح مت کرو جب تک ایمان نہ لے آئیں۔

- نکاح کے بعد عورت کی عصمت و آبرو کے احترام کے طور پر مہر واجب ہوتا ہے، جو شوہر کو ادا کرنا ضروری ہے۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ . (4: 24)

تم نے جو ان عورتوں سے فائدہ اٹھایا ہے، تو ان کو ان کے مقرر کردہ حق (مہر) دو اور مقرر کرنے کے بعد تم باہمی رضامندی سے جو طے کرلو اس میں کوئی حرج نہیں۔

وَاٰتُوْا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً . (4: 4)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی خوشی دے دو۔

- قرآن مردوں کو عورتوں کے ساتھ معاشرت بالمعروف کی ہدایت دیتا ہے اور اگر کوئی چیز ناگوار گزرے تو اسے نظر انداز کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْراً كَثِيْراً . (4: 19)

اور ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرو اور اگر وہ تمہیں پسند نہ آئیں تو ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اسے خوب خیر کا ذریعہ بنادے۔

- اگر کوئی ایسی صورت حال پیش آ جائے کہ میاں بیوی دونوں کا ایک ساتھ زندگی گزارنا ممکن نہ ہو، تو قرآن ایسے موقع کے لیے شوہر کو طلاق کا حق دیتا ہے، لیکن اس وقت بھی اسے حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ . (2: 231)

جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت تک پہنچ جائیں تو ان کو بھلے طریقے سے روک لو یا اچھے طریقے سے رخصت کردو۔

- بعض صورتوں میں عورت کو بھی یہ اختیار ہے کہ وہ کچھ دے دلا کر شوہر سے الگ ہو جائے، اسے خلع کہتے ہیں۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ . (2:229)

اگر تم لوگوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کے حدود کی پاسداری نہ کر سکیں گے تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے، اس میں جو عورت بدلے میں دے کر الگ ہو جائے۔

- عورت اور مرد میں سے کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں، لیکن ایک خاندان کا نظم و نسق سنبھالنے کے لیے ایک ذمہ دار کی ضرورت ہوتی ہے، یہ ذمہ داری مرد کو سونپی گئی ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ . (2:228)

اور عورتوں کو بھی حق حاصل ہے جیسے کہ ان پر حقوق عائد ہوتے ہیں، دستور کے مطابق البتہ مردوں کو ان پر یک گونہ فضیلت حاصل ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ . (34:4)

مرد عورتوں پر ذمہ دار ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔

- مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کے رہنے، کھانے، پہننے کا انتظام کرے اور اپنے مقدور کے مطابق اس کی ضروریات پوری کرے۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗ اُخْرٰى O لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا اٰتٰهُ اللهُ.(65: 6–7)

ان کو رہنے کے لئے گھر دو جہاں تم خود رہو اپنے مقدور کے مطابق اور انھیں تکلیف نہ پہنچاؤ تا کہ ان پر گرفت رکھو، اور اگر وہ حمل سے ہوں تو ان پر خرچ کرو جب تک بچہ نہ جن دیں، پھر اگر وہ تمہاری خاطر دودھ پلائیں تو انھیں ان کی مزدوری دو اور آپس میں بھلے طریقے کی تعلیم دو، اور اگر تم آپس میں ضد کرو تو کوئی اور عورت اسے دودھ پلائے، چاہیے کہ دولت مند شخص اسی لحاظ سے خرچ کرے، اور جس کی روزی محدود ہے وہ اسی میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔

- اگر شوہر بیوی کی جانب سے نافرمانی محسوس کرے تو وہ اسے سمجھائے، اگر پھر بھی نہ مانے تو بستر الگ کر دے اور اگر کوئی طریقہ کارگر نہ ہو تو اخیر میں ہلکی پھلکی مار کی بغرض اصلاح گنجائش ہے۔

وَاللّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلاً . (34:4)

اور جن عورتوں سے تمھیں سرکشی کا اندیشہ ہو ان کو سمجھاؤ اور ان کے بستر الگ کر دو اور مارو، پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان پر الزام کی راہ مت تلاش کرو۔

- اگر شوہر و بیوی میں رنجش ہوجائے اور وہ آپس میں اسے حل نہ کرسکیں تو چاہیے کہ دونوں کی جانب سے ایک ایک حَکَم متعین کیے جائیں، جو ان کے درمیان صلح کرادیں۔

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَماً مِّنْ اَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا اِنْ يُرِيدَا اِصْلَاحاً يُّوَفِّقِ اللهُ بَيْنَهُمَا . (35:4)

اگر تمہیں ان کے درمیان رنجش کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کی جانب سے اور ایک حکم عورت کی جانب سے متعین کرو، اگر وہ صلح چاہیں گے تو اللہ انھیں اس کی توفیق دے گا۔

- عورتوں کی اصل جگہ ان کا اپنا گھر ہے اور ان کے لئے بلاضرورت گھر سے نکلنا بہتر نہیں۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلاَ تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰی . (33:33)

اپنے گھروں میں رہو اور اس طرح نہ دکھاتی پھرو جیسا کہ پہلے نادانی کے وقت دستور تھا۔

- اگر ضرورت کے تحت انھیں باہر نکلنا پڑے تو انھیں اپنی نگاہیں نیچی رکھنی چاہیے، اپنا بدن چادر سے ڈھک لینا چاہیے اور زیب و زینت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلاَ يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلاَّ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ . (31:24)

مومن عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اپنی ستر تھامتی رہیں اور اپنی زیب و زینت ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہوجائے اور اپنے گریبان پر اپنی چادر ڈال لیں۔

اس پردے کا فائدہ یہ ہے کہ جب لوگ انھیں دیکھیں تو پہچان لیں کہ یہ پاکدامن عورتیں ہیں اور ان کی طرف غلط نظر نہ ڈالیں۔

يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُعْرَفْنَ فَلاَ يُؤْذَيْنَ . (59:33)

اے نبی ﷺ! اپنی عورتوں، بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر اپنی چادریں ڈال لیا کریں، تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں۔

- عورتیں اپنی زینت کچھ لوگوں کے سامنے ظاہر کرسکتی ہیں، جن سے ہمیشہ واسطہ رہتا ہے اور جن سے مکمل پردہ باعث مشقت ہے، وہ لوگ درج ذیل ہیں :

وَلاَ يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلاَّ لِبُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ اٰبَائِهِنَّ اَوْ اٰبَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِیْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْبَنِیْ اَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَاءِ هِنَّ أَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ أَوِالتَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُوْلِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِالطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلاَ يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ . (31:24)

اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہر کے سامنے یا اپنے باپ کے یا شوہر کے باپ کے یا اپنے بیٹے کے، یا خاوند کے بیٹے کے یا اپنے بھائی کے، یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی عورتوں اور باندیوں کے یا بے غرض ملازموں کے، یا لڑکوں کے سامنے جو ابھی سن شعور کو پہنچے، اور وہ اپنے پیروں کو زمین پر نہ ماریں کہ ان کی پوشیدہ زینتیں ظاہر ہوجائیں۔

- اہل خانہ اور اولاد کی صحیح تربیت کرنا اور انھیں غلط راستے سے روکنا ہر شخص کی ذمہ داری ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَاراً . (66: 6)

اے ایمان والو! خود کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

- قرآن والدین سے حسن سلوک کی تلقین کرتا ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر وہ خدا کی عبادت کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتا ہے، اگر وہ بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو جھڑکنے حتی کہ اُف تک کہنے سے منع کرتا ہے اور ان کی اطاعت کی ہدایت دیتا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلاَ تُشْرِ كُوْا بِهٖ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَاناً . (4: 36)

اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین سے حسن سلوک کرو۔

قَضٰى رَبُّكَ اَلاَّ تَعْبُدُوْا إِلاَّ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَاناً اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيْماً ، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْراً . (١٧ : ٢٣)

اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اور اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو "اُف" نہ کہو اور انھیں نہ جھڑکو اور ان کے ساتھ ادب سے بات کرو، اور ان کے سامنے عاجزی سے جھک جاؤ اور پیار کا سلوک کرو اور کہو کہ اے رب! ان پر رحم فرما جیسا کہ انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔

- قرآن صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور قرابت داروں سے حسن سلوک کا معاملہ کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔

وَاتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ . (4:1)

اللہ سے ڈرتے رہو جس کا تم آپس میں واسطہ دیتے ہو اور رشتوں ناتوں کا خیال رکھو۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى . (16:90)

اللہ حکم دیتا ہے انصاف کا اور حسن سلوک کا اور قرابت داروں کو نوازنے کا۔

اسی طرح رشتے ناتے توڑنے کو فساد فی الارض سے تعبیر کرتا ہے اور ایسے لوگوں کو خدا کی لعنت کا مستحق قرار دیتا ہے۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ ، اُوْلٰئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ . (47:22،23)

پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت ملے تو تم زمین میں فساد برپا کرو گے اور اپنے ناتے توڑو گے، ایسے ہی لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

- قرآن والدین اور قرابت داروں کے ساتھ ساتھ یتیموں، مسکینوں، پڑوسیوں، سفر کے ساتھیوں اور مسافروں سے بھی حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ . (4:36)

والدین، قرابت داروں، یتیموں، فقیروں، قریبی پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں، برابر کے رفیقوں اور راہ کے مسافروں سے حسن سلوک کرو۔

- دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے سے قبل اجازت لینی ضروری ہے اور اگر اجازت نہ ملے تو واپس چلا جانا بہتر ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تَدْخُلُوْا بُيُوْتاً غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَانِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهَا ذَالِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ، فَاِنْ لَمْ تَجِدُوْا فِيْهَا اَحَداً فَلاَ تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ. (24: 27—28)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو، جب تک تمہارے آنے کی اطلاع نہ ہو جائے اور تم انھیں سلام نہ کرلو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، شاید کہ تم یاد رکھو، پھر اگر تم اس گھر میں کسی کو نہ پاؤ تو اس میں نہ جاؤ جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے، اور اگر تم سے واپس ہونے کے لیے کہا جائے تو واپس ہو جاؤ، یہی تمہارے لیے صاف ستھری بات ہے۔

- یہ بات مجلس کے آداب میں سے ہے کہ مجلس میں نئے آنے والوں کو جگہ دی جائے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا إِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا ۔ (11:58)

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کشادہ ہوکر بیٹھوتو کشادہ ہوجاؤ، اللہ تمہیں کشادگی عطا کرے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ کھڑے ہو۔

- قرآن خودکشی کوحرام قرار دیتا ہے: وَلاَ تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ ۔ (29:4)

- مفلسی کے خوف سے اولاد کو مارڈالنا بہت بڑا جرم ہے اور ایسا کرنے والے صریح نقصان میں ہیں، کیوں کہ وہی خدا جو انھیں روزی فراہم کرتا ہے ،ان کے بچوں کے رزق کا انتظام بھی کرے گا۔

وَلاَ تَقْتُلُوْا اَوْلاَدَکُمْ خَشْیَةَ إِمْلاَقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِیَّاکُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ کَانَ خِطْأً کَبِیْراً ۔ (31:17)

اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے نہ مارو، ہم انھیں روزی دیں گے اور تمہیں بھی، بے شک ان کو مارنا بہت بڑا جرم ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْا اَوْلاَدَهُمْ سَفَهاً بِغَیْرِ عِلْمٍ ۔ (140:6)

وہ لوگ گھاٹے میں ہیں جنھوں نے اپنی اولاد کو بلا سمجھے بوجھے نادانی سے مارڈالا۔

- وہ غیر مسلم جو مسلمانوں سے جنگ نہیں کرتے اور انھیں بے گھر کرنے کی کوششیں نہیں کرتے، ان سے حسن سلوک اور عدل و انصاف کا برتاؤ کیا جائے گا۔

لاَ یَنْهَاکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ أَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا إِلَیْهِمْ إِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۔ (8:60)

وہ لوگ جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے بے گھر نہیں کیا، اللہ تمہیں ایسے لوگوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی سے منع نہیں کرتا اور نہ ہی ان کے ساتھ عدل و انصاف سے روکتا ہے، اللہ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

- وہ غیر مسلم جو مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں، ان کے دین کے معاملہ میں ان سے لڑائیاں کرتے اور زور زبردستی کرتے ہیں، انھیں ان کے گھروں سے بے گھر کرتے ہیں اور ان کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات نہیں رکھے جائیں گے۔

إِنَّمَا یَنْهَاکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَأَخْرَجُوْکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰی اِخْرَاجِکُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۔ (9:60)

اللہ تعالیٰ تمہیں ایسے لوگوں کو دوست بنانے سے منع کرتا ہے، جنھوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ کی ہے، تمہیں اپنے گھروں سے نکالا ہے اور تمہیں نکالنے کے لیے آپس میں اتحاد کرلیا ہے۔

- قرآن مسلمانوں کو اس بات سے منع کرتا ہے کہ وہ غیر مسلموں کے معبودوں کو برا بھلا کہیں۔

وَلاَ تَسُبُّوْا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوْا اللّٰہَ عَدْواً بِغَیْرِ عِلْمٍ ۔ (109:6)

جنھیں (مشرکین) اللہ کے سوا پکارتے ہیں انھیں برا بھلا نہ کہو کہ کہیں وہ مخالفت میں نادانی کے ساتھ اللہ کو برا بھلا کہہ بیٹھیں۔

11.4 قرآن مجید کی سیاسی تعلیمات

- دین کے معاملے میں کوئی جبر اور زور زبردستی نہیں ہے، اور ہر کسی کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہے، ہدایت خدا کی عطا کردہ نعمت ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

لاَ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ . (2: 256)

دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعاً اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ، وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلاَّ بِأِذْنِ اللهِ . (10: 99-100)

اگر تیرا رب چاہتا، تو روئے زمین پر بسنے والے سب لوگ ایمان لے آتے، کیا تم لوگوں کو اس بات پر مجبور کروگے کہ وہ ایمان لے آئیں؟ کوئی بھی شخص اللہ کے حکم ہی سے ایمان لاتا ہے۔

- انسان کی جان محترم ہے اور اسے ناحق زندگی سے محروم کرنا بہت بڑا جرم ہے، ایک انسان کا قتل سارے انسانوں کے قتل کے برابر ہے، ہر شخص کو اپنے نفس کی حفاظت کا حق حاصل ہے۔

وَلاَ تَقْتُلُوْا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْماً فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا . (17:33)

اور کسی نفس کو نہ مار ڈالو جس کے ناحق مارنے کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، اور جو کوئی ظلم سے مار ڈالا گیا تو ہم نے اس کے وارث کو بدلہ کا حق دیا ہے۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا . (5:32)

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر مقرر کردیا کہ جو کوئی کسی جان کو مار ڈالے تو گویا اس نے سارے انسانوں کو مار دیا سوائے اس کے کہ مقتول نے کسی کی جان لی ہو یا زمین میں فساد مچایا ہو، اور جس نے ایک جان کی حفاظت کی تو گویا اس نے ساری انسانیت کی حفاظت کی۔

- ہر شخص کو اپنی املاک کے تحفظ کا حق حاصل ہے اور اس پر دست درازی کرنے والے کے لیے سخت سزا مقرر ہے، البتہ سزا دینے کا حق صرف حاکم کو ہے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللهِ . (5:38)

چور مرد ہو یا عورت اس کے ہاتھ کاٹ ڈالو، یہ اس کے کرتوت کا بدلہ ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بطور تنبیہ۔

"ایک حدیث میں ہے کہ جو کوئی اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے" من قتل دون مالہ فهو شهيد۔ (ترمذی: 1418)

- ہر شخص کو عصمت و آبرو کی حفاظت کا حق حاصل ہے، کوئی بھی چیز جس سے کسی کی عصمت پر حرف آتا ہو خواہ معمولی ہی کیوں نہ ہو، قرآن اس سے منع کرتا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسىٰ اَنْ يَكُوْنُوْا خَيْراً مِنْهُمْ وَلاَ نِسَآءٌ مِنْ نِّسَآءٍ عَسٰى اَنْ يَكُنَّ خَيْراً مِّنْهُنَّ وَلاَ تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلاَ تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ . (49:11)

اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ، ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ہی بعض عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ لوگوں کو غلط ناموں سے پکارو۔

اسی طرح پاکباز عورتوں پر الزام تراشی کرنے والوں کو دنیا و آخرت میں دردناک عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصِنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ . (24:33)

جولوگ تہمت لگاتے ہیں پاکباز اور بے خبر مومن عورتوں پر ان پر دنیاو آخرت میں لعنت ہے اور دردناک عذاب ہے۔

- ہر شخص کی نجی زندگی کو تحفظ حاصل ہے اور اس میں کوئی دخل اندازی درست نہیں ہے، خواہ وہ کسی بھی طریقہ سے ہو، کسی کی جاسوسی کرنا، اس کے معاملات کی کھوج کرنا یا اس کے گھر میں بلا اجازت داخل ہوجانا، نجی زندگی کے تحفظ کے حق کو پامال کرنا ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اجْتَنِبُوْا کَثِیْراً مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَلاَ تَجَسَّسُوْا وَلاَ یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضاً ۔ (12:49)

اے ایمان والو! بہت زیادہ ظن وگمان سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور کسی کا بھید نہ ٹٹولو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لاَ تَدْخُلُوْ بُیُوْتاً غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَانِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰی اَھْلِھَا ۔ (24: 27)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اس وقت تک نہ جاؤ جب تک اس گھر والوں کو تمہارے آنے کی اطلاع نہ ہوجائے اور تم انھیں سلام نہ کرلو۔

- مظلوم کو احتجاج کا حق حاصل ہے۔

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلاَّ مَنْ ظُلِمَ ۔ (4 : 148)

اللہ تعالیٰ بری بات کے اعلان کو پسند نہیں کرتا، البتہ اگر کسی پر ظلم ہوا ہو تو وہ ایسا کرسکتا ہے۔

- اسلامی نظام سلطنت شورائیت پر مبنی ہے، جس میں ہر کام اہل رائے کے مشورہ سے انجام پاتا ہے، اس نظام میں امیر کا انتخاب اور اس جیسے دوسرے اہم اُمور مشورہ اور رائے عامہ کے ذریعہ عمل میں آتے ہیں، یہ نظام موجودہ جمہوریت سے بہت قریب اور اس کی جملہ خرابیوں سے محفوظ ہے، اس نظام میں خدا کے قوانین کو اس دنیا میں نافذ کرنے کے لیے ایک امیر کا انتخاب عمل میں آتا ہے، جس کی اطاعت لازم ہوتی ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوْا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۔ (4: 59)

اے ایمان والو! اللہ، اس کے رسول اور اپنے بااختیار لوگوں کی اطاعت کرو۔

- یہ امیر تمام فیصلے خدا کے قوانین کی روشنی میں اہل رائے کے مشورے سے کرتا ہے اور من مانی نہیں کرتا۔

وَاَمْرُھُمْ شُوْریٰ بَیْنَھُمْ ۔ اور معاملات کے سلسلہ میں ان کا طریقہ کار آپسی مشورہ کا ہے۔

- ہر شہری کو حصول انصاف کا حق حاصل ہے اور کسی سے دشمنی انصاف کی راہ میں آڑے نہیں آنی چاہئے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلاَ یَجْرِ مَنَّکُمْ شَنْاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَلاَّ تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ۔ (8:5)

اے ایمان والو! اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کو اٹھ کھڑے ہو اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث عدل کی روش نہ چھوڑو، عدل وانصاف سے کام لو۔

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ۔(16:90) بے شک اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے۔

- جو لوگ اپنے حقوق کی حفاظت خود بہتر طور پر نہیں کرسکتے، قرآن ایسے لوگوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے معاشرے کو ابھارتا ہے اور انھیں ان کے حقوق کی ادائیگی کی تلقین کرتا ہے۔

وَاٰتُوْا الْیَتَامٰی اَمْوَالَھُمْ ، وَلاَ تَتَبَدَّلُوْا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ وَلَا تَأْکُلُوْا اَمْوَالَھُمْ اِلٰی اَمْوَالِکُمْ ، اِنَّہٗ کَانَ حُوْباً کَبِیْراً ۔ (2:4)

اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور ان کے اچھے مال کو اپنے خراب مال سے نہ بدلو، اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ، یہ بہت گناہ کی بات ہے۔

- حاکم اعلیٰ خدا کی ذات ہے، اسی کے بنائے ہوئے قوانین اس دنیا میں نافذ ہوں گے۔

قُلْ اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ . (32:3)

کہہ دو کہ اللہ کی اور رسول کی پیروی کرو، پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ نافرمانوں کو پسند نہیں کرتا۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوْا اللّٰهَ . (59:4) اے ایمان والو! اللہ کی پیروی کرو۔

- لوگوں کے درمیان تنازع کی صورت میں فیصلہ اللہ کے حکم کے مطابق اور اس کے نازل کردہ دستور و قوانین کی روشنی میں کیا جائے گا۔

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلاَ تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ هُمْ عَمَّا جَاءَ كَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجاً . (48:5)

ان کے درمیان اللہ کے اتارے ہوئے (قوانین) کے مطابق فیصلہ کرو اور اپنے پاس آئے ہوئے حق کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی اتباع نہ کرو، ہم نے تم میں سے ہر ایک کو ایک دستور اور راہ عطا کی ہے۔

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلاَ تَتَّبِعِ الْهَوٰى . (26:38)

لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہشات کے پیچھے نہ چلو۔

- خدا کے نازل کردہ حکم و قوانین کے مطابق کیے گئے فیصلہ کو جو لوگ تسلیم نہ کریں اور جو لوگ اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم، فاسق اور نافرمان ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ . (44:5)

جو لوگ خدا کے نازل کردہ قوانین کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی حقیقتاً کافر ہیں۔

- ایسے ہی لوگوں کے متعلق دوسری جگہ ارشاد ہے :

أُوْلٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ . (5: 45) وہی ظالم لوگ ہیں۔

أُوْلٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ . (5: 47) وہی حقیقتاً نافرمان ہیں۔

- قرآن نے لوگوں کی جان، مال، عزت و آبرو اور عقل کی حفاظت کے لیے قتل، چوری، ڈاکہ زنی، زنا اور شراب نوشی جیسے جرائم کو حرام قرار دیا ہے اور ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے سزائیں متعین کی ہیں، جنھیں حدود کہا جاتا ہے۔

- قرآن نے کسی کی جان لینے کو حرام قرار دیا ہے۔

وَلاَ تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ . (6: 152)

اس جان کو زندگی سے ناحق محروم نہ کرو، جسے مارنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

- جو قتل جان بوجھ کر کیا جائے اس کی وجہ سے سزا کے طور پر قصاص واجب ہوتا ہے، البتہ اگر مقتول کے ورثا دیت لینے پر آمادہ ہو جائیں، تو دیت واجب ہوتی ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ . (2: 178)

اے ایمان والو! مقتولین کے معاملہ میں تم پر قصاص واجب ہے، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، پھر جس کو اپنے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے، تو چاہیے کہ دستور کے مطابق عمل کرے اور بھلے طریقہ سے اسے ادا کردے۔

- یہ قصاص کی سزا یعنی جان کے بدلے جان لینا کوئی ظلم و تعدی نہیں ، بلکہ قرآن کے الفاظ میں اسی سزا میں بنی نوع انسانی کی حیات مضمر ہے ،کیوں کہ یہی سزا معاشرے میں قتل کے جرم کو عام ہونے سے روک سکتی ہے اور قاتلوں کو لگام دے سکتی ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يأُوْلِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ . (2: 179)

اے عقل والو! تمہارے لیے قصاص ہی میں زندگی ہے، تا کہ تم بچے رہو۔

- جو قتل بے قصد و ارادہ ہو جائے اور اس میں قاتل کے منشا کا دخل نہ ہو، وہ قتل خطا کہلاتا ہے، اس کی سزا کے طور پر کفارہ واجب ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ دیت بھی واجب ہوتی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَّقْتُلَ مُؤمِناً إِلاَّ خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مَؤْمِناً خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلٰى أَهْلِهِ إِلاَّ أَنْ يَّصَّدَّقُوْا . (92:4)

کسی مومن کے شایاں شان نہیں کہ وہ دوسرے مومن کو مار ڈالے مگر غلطی سے، اور جس نے کسی مومن کو غلطی سے مار ڈالا تو بدلے میں ایک مسلمان غلام آزاد کرنا اور مقتول کے گھر والوں کو دیت ادا کرنا ہوگا، البتہ اگر وہ معاف کر دیں (تو کوئی بات نہیں)۔

- انسان کی عقل کی حفاظت کے لیے قرآن نے شراب نوشی کو حرام قرار دیا ہے اور اس سے باز رہنے کی تلقین کی ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ ، لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ . (90:5)

اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے شیطان کے گندے کام ہیں، تو ان سے بچو تا کہ تم کامیاب ہوسکو۔

- شراب نوشی کی ممانعت کا سبب بتاتے ہوئے قرآن کہتا ہے :

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا إِثْمٌ كَبِيْرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا . (219:2)

وہ تم سے شراب اور جوئے کے متعلق دریافت کرتے ہیں، کہہ دو کہ ان میں بہت زیادہ گناہ ہے اور لوگوں کا کچھ فائدہ بھی ہے، لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔

- شراب کے ان نقصانات پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن کہتا ہے :

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ . (91:5)

شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض و نفرت پیدا کر دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔

- زنا ایک گھناؤنا جرم ہے۔

وَلاَ تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلاً . (32:17)

زنا کے قریب نہ جاؤ کہ یہ بے حیائی کا کام اور برا راستہ ہے۔

اس کی سزا شادی شدہ کے لیے یہ ہے کہ اسے پتھروں سے مار کر ہلاک کر دیا جائے اور غیر شادی شدہ لوگوں کو سو کوڑے لگائے جائیں۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ . (2:24)

زانی مرد اور زانیہ عورت دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ۔

- مال کے تحفظ کے لیے چوری کو بڑا جرم قرار دیا گیا ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللهِ . (5: 38)

چور مرد ہو یا عورت اس کے ہاتھ کاٹ دو اس کے کرتوت کے بدلے، اللہ کی جانب سے بطور تنبیہ۔

- اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کرنے والوں، ڈاکہ زنی اور روئے زمین پر فساد برپا کرنے والوں کی سزا یہ ہے کہ انھیں قتل کر دیا جائے یا سولی پر چڑھا دیا جائے یا ان کے ہاتھ پیر کاٹ دیے جائیں یا انھیں ملک بدر کر دیا جائے، گویا جس درجے کا جرم ہو اس کے مطابق انھیں سزا دی جائے، البتہ اگر وہ توبہ کر لیں تو انھیں معاف کر دیا جائے۔

اِنَّمَا جَزَاؤُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَسْعَوْنَ فِيْ الْاَرْضِ فَسَاداً اَنْ يُقَتَّلُوْا اَوْيُصَلَّبُوْا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذَالِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ، اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ . (5: 33–34)

ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، یہ ہے کہ انھیں قتل کر دیا جائے، یا سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں (مقابل کے) کاٹ دیے جائیں یا انھیں ملک بدر کر دیا جائے، یہی دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے، سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے تمہارے ہاتھ آنے سے پہلے ہی توبہ کر لی ہو۔

- کسی غیر یقینی خبر کی جب تک تصدیق نہ ہو جائے، اس وقت تک اس کے ردِ عمل میں کوئی اقدام کرنا درست نہیں، بلکہ پہلے اس کی تحقیق کر لینی ضروری ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَافَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ . (49:6)

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لو کہ کہیں تم نادانی میں کسی قوم پر جا پڑو اور پھر تمہیں اپنے کیے پر شرمندہ ہونا پڑے۔

11.5 قرآن مجید اور بین قومی تعلقات

- قرآن امن کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور زمین میں فساد برپا کرنے کو ناپسند کرتا ہے۔

لَا تُفْسِدُوْا فِيْ الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا . (7: 85)　　زمین میں امن قائم ہونے کے بعد اس میں فساد نہ مچاؤ۔

قریش مکہ کو یہ نعمت خاص طور سے یاد دلاتا ہے کہ خدا نے انھیں امن جیسی دولت سے نوازا۔

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ، الَّذِيْ اَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوْعٍ وَّآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ . (106: 3–5)

تو انھیں چاہیے کہ رب کعبہ کی پیروی کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانا دیا اور حالت خوف میں امن عطا کیا۔

قرآن کی نظر میں امن کی اہمیت کا اندازہ اس آیت سے بھی ہوتا ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِيْ الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا . (5:32)

جس نے کسی نفس کو مار ڈالا تو گویا اس نے سارے انسانوں کو مار دیا، سوائے اس کے کہ مقتول نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو، اور جس نے کسی ایک نفس کی حفاظت کی تو گویا اس نے ساری انسانیت کی حفاظت کی۔

- عہد و میثاق کی بڑی اہمیت ہے اور معاہدہ کے بعد عہد کو پورا کرنا ضروری ہے۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوْا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلاً . (16:91)

جب تم آپس میں معاہدہ کرو تو اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کرو اور قسمیں پختہ کر لینے کے بعد نہ توڑو جب کہ تم اللہ کو اپنا ضامن بنا چکے ہو۔

- جو لوگ اپنا عہد پورا کریں اور کسی قسم کی عہد شکنی نہ کریں، ان سے کیے گئے عہد کو پورا کرنا ضروری ہے اور جب تک عہد کی مدت ختم نہ ہو جائے یا دوسرا فریق عہد کی خلاف ورزی نہ کرے، عہد شکنی کرنا جائز نہیں۔

إِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئاً وَلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَداً فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلٰى مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ . (4:9)

مگر جن مشرکوں سے تمہارا معاہدہ ہے، پھر انھوں نے تمہارے ساتھ کچھ قصور نہ کیا اور نہ ہی تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی، تو ان کا عہد مدت پوری ہونے تک نبھاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ عہد کی پاسداری کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

- اگر مسلمان غیر مسلموں کے مقابلہ میں مدد چاہیں تو ان کی مدد کی جائے گی، لیکن اگر وہ ایسے ملک کے خلاف مدد چاہیں، جس سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو، تو ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

وَإِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِيْ الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيْثَاقٌ . (72:8)

اور اگر وہ تم سے دین کے معاملہ میں مدد چاہیں تو تمہیں ان کی مدد کرنی ہے، البتہ جب وہ ایسی قوم کے خلاف مدد چاہیں، جن سے تمہارا معاہدہ ہے، تو مدد کرنا درست نہیں۔

- اگر دشمن بھی ان لوگوں سے مل جائیں جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہے، تو ان سے بھی جنگ نہیں کی جائے گی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ إِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيْثَاقٌ . (90:4)

سوائے ان لوگوں کے جو ان لوگوں سے مل جائیں جن سے تمہارا معاہدہ ہے۔

- عہد صرف اسی صورت میں توڑا جا سکتا ہے، جب دوسرا فریق عہد کی خلاف ورزی کرے اور عہد کو توڑ ڈالے، ایسی صورت میں معاہدہ ختم کر دینا درست ہے۔

وَإِنْ نَكَثُوْا اَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ . (12:9)

اور اگر وہ عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں عیب لگائیں تو ان کفر کے سرداروں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کی کوئی حیثیت نہیں، شاید کہ وہ باز آ جائیں۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ . (8: 58)

اور اگر تمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو یکساں طور پر ان کا عہد ان پر دے مارو، اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

- جو لوگ بار بار عہد شکنی کریں ان کے خلاف جنگ کی جائے گی اور بار بار عہد کی خلاف ورزی کا مزہ چکھایا جائے گا، تاکہ آئندہ ایسی حرکتوں سے باز آ جائیں۔

اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ، فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِيْ الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ . (8: 56-57)

جن سے آپ نے عہد و پیمان کر لیا، پھر بھی وہ اپنے عہد و پیمان کو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور بالکل پاسداری نہیں کرتے تو جب بھی آپ ان پر لڑائی میں غالب آ جائیں تو انھیں ایسی مار ماریں کہ ان کے پچھلے بھی بھاگ کھڑے ہوں تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔

- قرآن مسلمانوں کو دشمنوں کے مقابلے میں ثابت قدمی دکھانے اور سرحدوں کی حفاظت کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا . (4: 200)

اے ایمان والو! ثابت قدم رہو، مقابلے میں مضبوطی دکھاؤ اور سرحدوں کی حفاظت کرو۔

- اسلام امن کو پسند کرتا ہے اور کسی صورت فساد کو پنپتے نہیں دیکھ سکتا، امن کو برقرار رکھنے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ کوئی طاقت ہو جو ان لوگوں کا ہاتھ روک سکے جو معاشرے میں بدامنی پھیلانے کے درپے ہوں، چنانچہ اسی طاقت کے استعمال کے لیے اسلام مظلوموں کو اجازت دیتا ہے کہ ظالموں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں، وہ اپنے ماننے والوں کو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ وہ ظالموں اور زمین میں فساد پھیلانے والوں کے خلاف متحد ہو جائیں اور انھیں بزورِ قوت ان حرکتوں سے باز رکھنے کی کوشش کریں، ظلم و جبر کے خلاف اسی کوشش اور جدوجہد کا نام جہاد ہے، قرآن کے الفاظ میں:

اُذِنَ لِلَّـذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ، الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللهُ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَ صَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللهِ كَثِيْراً . (22: 39−40)

ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لوگ اس وجہ سے لڑتے ہیں کہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے، وہ جن کو ان کے گھروں سے ناحق نکال باہر کیا گیا، صرف اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں میں بعض کو بعض سے ہٹایا نہ کرتا تو بہت سارے گرجا، کنیسے، عبادت خانے اور مسجدیں ڈھا دیئے جاتے، جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے۔

- اسی مقصد سے مسلمانوں پر جہاد فرض قرار دیا گیا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئاً وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ . (2: 216)

تم پر جہاد فرض قرار دیا گیا ہے، جب کہ یہ تمھیں ناگوار گزرتا ہے، ممکن ہے کہ ایک چیز تمھیں ناپسند ہو جب کہ وہی تمہارے لئے بہتر ہو۔

- قرآن یہ تصور دیتا ہے کہ بذاتِ خود قتال کوئی پسندیدہ اور اچھی چیز نہیں، لیکن وہ فتنہ جسے ختم کرنے کے لیے قتال کا حکم ہوا ہے، قتال سے کہیں بڑھ کر سنگین ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ . (2:217) اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین جرم ہے۔

چنانچہ اسی فتنہ کو ختم کرنا جہاد کا اصل مقصد ہے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ . (2:193)

اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور پورا حکم اللہ کا ہو جائے، اگر وہ باز آ جائیں تو کوئی دشمنی نہیں ہے سوائے ظالموں کے۔

وہ ''فتنہ'' جسے ختم کرنے کے لیے جہاد کا حکم دیا گیا ہے، اس کوشش کا نام ہے جو مسلمانوں کو زبردستی ان کے دین سے پھیرنے کے لیے کی جاتی ہے اور بزورِ قوت یا ظلم کے ذریعہ انھیں دین پر عمل کرنے سے روکا جاتا ہے۔

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا . (2: 217)

اور اگر ان کا بس چلے تو وہ برابر تم سے جنگ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ تمھیں اپنے دین سے پھیر دیں۔

- ظلم سے روکنے اور فتنہ کو ختم کرنے کے لیے اسلام اپنے ماننے والوں کو ظالموں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار رہنے کا حکم دیتا ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ . (8:60)

اور جس قدر ممکن ہو سکے، ان سے مقابلے کے لئے قوت پیدا کرو اور گھوڑے تیار کرو، جس سے کہ اللہ کے اور تمہارے دشمنوں پر رعب پڑے اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی۔

- قرآن دورانِ جنگ صلح کی پیشکش قبول کر لینے کی ہدایت دیتا ہے، اگر دشمن صلح کی پیشکش کرے تو پھر ان سے جنگ درست نہیں۔

فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡكُمۡ فَلَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ وَاَلۡقَوۡا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سَبِيۡلاً . (90:4)

اگر وہ تم سے الگ ہو جائیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمہیں صلح کی پیشکش کریں، تو پھر اللہ نے تمہارے لیے ان کے خلاف لڑنے کی کوئی راہ نہیں کھولی۔

- اگر دشمنوں کی طرف سے صلح کی پیشکش کو قبول کرنے میں کسی خطرہ کا اندیشہ ہو تو بھی خطرہ مول لے کر، اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے، اسے قبول کیا جائے گا اور صلح کر لی جائے گی۔

وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ . (8: 61)

اگر وہ صلح کے لیے جھکیں تو تم بھی جھک پڑو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔

- جنگی قیدیوں کو یا تو بلا فدیہ لیے چھوڑ دیا جائے گا، یا ان سے فدیہ لے کر انھیں رہا کیا جائے گا۔

فَاِمَّا مَنًّا بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً . (4:47)

پھر بعد میں یا تو احسان کرتے ہوئے یا فدیہ لے کر (انھیں رہا کیا جائے گا)۔

- جنگی قیدی جب تک قید میں رہیں، ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا، قرآن ایسے لوگوں کی تعریف کرتا ہے، جو ان سے حسن سلوک کرتے ہیں۔

وَيُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسۡكِيۡناً وَّيَتِيۡماً وَّاَسِيۡراً . (8:76)

اور وہ مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

- وہ مال جو کافروں سے جنگ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، مالِ غنیمت کہلاتا ہے، اس کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ اس کے کل پانچ حصے کیے جائیں گے، ایک حصہ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ، آپ کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا اور بقیہ چار حصے لشکر میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔

وَاعۡلَمُوۡا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِنۡ شَيۡئٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِي الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتَامٰى وَالۡمَسَاكِيۡنِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ . (41:8)

اور جان لو کہ جو کچھ بھی تم مالِ غنیمت حاصل کرو، تو اس کا پانچواں حصہ اللہ، اس کے رسول ﷺ، رسول ﷺ کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔

- جو مال کافروں سے بغیر جنگ کئے ہوئے حاصل ہو جاتا ہے وہ فئ کہلاتا ہے، یہ مال پورا کا پورا اللہ کے رسول ﷺ، آپ ﷺ کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، اسے لشکر میں تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ مِنۡهُمۡ فَمَا اَوۡجَفۡتُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ خَيۡلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنۡ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيۡئٍ قَدِيۡرٌ ، مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ مِنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِي الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتَامٰى وَالۡمَسَاكِيۡنِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ . (7 :59)

اور جو اللہ نے کافروں سے اپنے رسول کے ہاتھ لگایا، تم نے نہ تو اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ، بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے غلبہ عطا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جو کچھ اللہ بستی والوں سے اپنے رسول کے ہاتھ لگائے تو وہ اللہ، اس کے رسول ﷺ، رسول کے قرابت داروں،

یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔

- اسلامی سلطنت اپنے تمام شہریوں کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے، غیر مسلموں کی حفاظت کی غرض سے اسلامی سلطنت ان سے جو ٹیکس وصول کرتی ہے وہ جزیہ کہلاتا ہے، قرآن نے جزیہ کی کوئی مقدار متعین نہیں کی ہے، بلکہ یہ وقت اور حالات کے مطابق لیا جاتا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُوْنَ مَاحَرَّمَ اللهُ وَرَسُوْلُهُ وَلاَ يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوْا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوْا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَهُمْ صَاغِرُوْنَ . (9: 29)

ان لوگوں سے لڑو جو اللہ اور یوم آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور سچا دین قبول نہیں کرتے، ان لوگوں میں جو اہل کتاب ہیں، یہاں تک کہ وہ اقتدار سے دستبردار ہوکر اور بے قدر ہوکر جزیہ ادا کریں۔

11.6 قرآن مجید کی اخلاقی تعلیمات

11.6.1 اچھے اخلاق

- قرآن سچائی اور راست بازی کی تعلیم دیتا ہے اور اسے بڑے وسیع معنی میں استعمال کرتا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْن آمَنُوْا اتَّقُوْا اللهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ . (119:9)

اے ایمان لانے والو! خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

- قرآن جن لوگوں کو خدا کی مغفرت اور اجر عظیم کی خوشخبری سناتا ہے، ان میں اسلام و ایمان اور خدا کی فرماں برداری کے بعد پہلا درجہ سچوں اور راست بازوں کا ہے۔

إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ -- اَعَدَّ اللهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيْماً . (33 :35)

اسلام قبول کرنے والے مرد اور عورتیں، ایمان لانے والے مرد اور عورتیں اور فرماں بردار مرد اور عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں--- خدا نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر رکھا ہے۔

- قرآن کی ایک اہم اخلاقی تعلیم سخاوت ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ . (3:2)

اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْن آمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَاتِىَ يَوْمٌ لاَ بَيْعٌ فِيْهِ وَلاَ خُلَّةٌ وَلاَ شَفَاعَةٌ . (254:2)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اس میں سے کچھ خرچ کرو، جو ہم نے تم کو دیا ہے، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے، جس میں نہ خرید و فروخت ہے، نہ دوستی اور نہ کوئی سفارش۔

قرآن اس سخاوت و فیاضی کو قرض قرار دیتا ہے جو بندہ اپنے خدا کو دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے یہ قرض کئی گنا واپس کرے گا۔

مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَناً فَيُضَاعِفَهُ لَهُ وَلَهُ اَجْرٌ كَرِيْمٌ . (57 :11)

کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے تو وہ اس کو اس کے لیے دو گنا کردے، اور اس کے لیے باعزت بدلہ ہے۔

وہ خوشحالی اور تنگی ہر حال میں خرچ کرنے والوں کو جنت کی بشارت دیتا ہے۔
وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ . (3 : 134)

اور اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف دوڑو، جس کی وسعت آسمان و زمین کو محیط ہے اور جو ان پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے، جو خوشی اور تکلیف دونوں حالتوں میں خرچ کرتے ہیں۔

- قرآن خدا کی رضا کے لیے مال خرچ کرنے کی تلقین کرتا ہے اور احسان جتانے کو ناپسند کرتا ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ . (2 :271)
اور تم خرچ نہیں کرتے مگر اللہ کی رضا کے لیے۔

- قرآن وہی چیز خرچ کرنے اور دوسروں کو دینے کی ہدایت دیتا ہے جو خود اپنے لیے بھی ناپسندیدہ نہ ہو، اور بہترین چیزیں خرچ کرنے کو پسند کرتا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوْا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيْهِ . (2: 267)

اے ایمان والو! جو کچھ تم نے کمایا ہے اور جو زمین سے ہم نے تمہارے لیے پیدا کیا ہے، اس میں سے اچھی چیزیں خرچ کرو، اس میں سے بری چیز دینے کا ارادہ نہ کرو، کہ تم دیتے تو ہو، جب کہ تم اس کو لینے والے نہیں۔

- عفت و پاکبازی ساری اخلاقی خوبیوں کی جان ہے، چنانچہ قرآن مومنوں کے امتیازی اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ . (23 :5)

(کامیاب ہو گئے وہ لوگ) جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، مگر اپنی بیویوں یا اپنی باندیوں سے، تو ان پر کچھ الزام نہیں، لیکن جو اس سے تجاوز کریں تو وہی لوگ حد سے باہر نکلنے والے ہیں۔

- اسی غرض سے قرآن مردوں اور عورتوں دونوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ.(30:24)
مومنوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے ستر کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے پاکیزگی کی راہ ہے۔
اسی طرح عورتوں کو بھی ان تمام چیزوں سے روک دیا گیا، جس سے مردوں کو شہ ملے، چنانچہ انھیں درج ذیل ہدایات دی گئیں :

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ . (31:24)

اور مومن عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نظریں جھکائے رکھیں اور اپنے ستر کی حفاظت کریں اور اپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اس کے جو ظاہر ہو جائے اور وہ اپنی چادریں اپنے گریبانوں پر ڈال لیں۔

- لین دین کے معاملات میں دیانت داری اور امانت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، قرآن اس اہم اخلاقی صفت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اس کے

حاملین کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے :

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ . (8:23)

اور جولوگ اپنی امانتوں اور وعدہ کا پاس رکھتے ہیں۔

قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس حکم کی منادی کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوْا الْأَمَانَاتِ إِلٰى أَهْلِهَا . (4: 57)

اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں کے حوالہ کر دیا کرو۔

- شرم وحیا انسان کا فطری وصف ہے جس سے بہت سی اخلاقی خوبیاں پروان چڑھتی ہیں اور انسان اس کے ذریعہ بہت سے گناہوں سے بچ جاتا ہے، قرآن نبی کریم ﷺ کے بارے میں کہتا ہے :

إِنَّ ذٰالِكُمْ كَانَ يُؤْذِئ النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِ مِنْكُمْ . (33 : 53)

اس سے پیغمبر کو ایذا ہوتی تھی اور وہ تمہارا لحاظ کرتے تھے۔

قرآن حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکیوں کا ذکر مدح وستائش کے ساتھ کرتا ہے :

فَجَآءَ تْهُ اِحْدَا هُمَا تَمْشِئ عَلَى اسْتِحْيَاءِ . (28 :25)

ان میں سے ایک لڑکی ان کے پاس شرماتی ہوئی آئی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''الحیاء لا یأتی إلا بخیر ''یعنی حیا سے صرف بھلائی پہنچتی ہے، دوسری جگہ فرمایا: ''ان مما ادرك الناس من كلام النبوة الاولى اذا لم تستحى فاصنع ماشئت ''یعنی لوگوں نے پرانے پیغمبروں سے جو باتیں پائی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر تم میں شرم وحیا نہیں ہے تو جو چاہو کرو۔

- قرآن عدل وانصاف کے قیام پر زور دیتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو اس کا حکم دیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ . (16 :90)

بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

وہ اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ کسی سے دشمنی عدل وانصاف کی راہ میں نہ آنے پائے اور انسان عدل کو چھوڑ نہ بیٹھے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَانُ قَوْمٍ عَلٰى أَنْ لَا تَعْدِلُوْا إِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى. (8:5)

اے ایمان والو! خدا کے واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لیے تیار رہو اور لوگوں کی عداوت کی وجہ سے کہیں تم یہ جرم نہ کر بیٹھو کہ انصاف نہ کرو، ہر حال میں انصاف کرو کہ یہ پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔

قرآن فیصلہ میں عدل وانصاف کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیتے ہوئے کہتا ہے۔

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ . (58:4)

اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

- بندوں کی خوبیوں میں سے ایک بڑی اخلاقی خوبی یہ ہے کہ وہ کسی سے جو وعدہ کریں، اسے پورا کریں اور جو قول وقرار کریں، اس کے پابند رہیں،

چنانچہ قرآن ایسے لوگوں کو کامیابی کی بشارت سناتا ہے، جو اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں۔

اَلْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوْا . (177:2)

اور جب بھی عہد کریں تو اپنے عہد کو نبھانے والے۔

دوسری جگہ انھیں جنت کی خوشخبری دیتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ . (70 :32)

وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔

- دوسروں کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور بھلائی کرنا ایک عظیم اخلاقی صفت ہے جو ہر نیکی کے کام کو محیط ہے، اس کی بہت ساری صورتیں ہیں، قرآن تمام معاملات میں احسان یعنی دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

  اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ . (90:16)

  اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ انصاف اور بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

  وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ . (237:2)

  آپس میں فضل (بھلائی) کو مت بھولو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

- دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے والے خدا کے محبوب بندے ہیں۔

  وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ . (3 :148)

- قرآن کافر و مسلم سب کے ساتھ بھلائی اور اچھے سلوک کا حکم دیتا ہے، چنانچہ کافروں کے متعلق کہتا ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ . (8:60)

جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور انھوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، ان کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے خدا تم کو منع نہیں کرتا، اللہ تو انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

- نیکی کا بدلہ بھی نیکی ہی ہے۔

  هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ . (60:55)

  بھلائی کا بدلہ تو صرف بھلائی ہی ہے۔

- عفو و درگزر ایک عظیم اخلاقی صفت ہے، خصوصاً غصہ کی حالت میں جب کہ انسان کو اپنے آپ پر قابو نہیں رہتا معاف کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، چنانچہ قرآن مومنوں کی امتیازی صفت بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ جب وہ غصہ ہوتے ہیں تو معاف کردیتے ہیں:

  وَ إِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ . (37:42)

  قرآن اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اگر بندہ کسی کے قصور کو معاف کردیتا ہے تو خدا بھی اس کے قصوروں سے درگزر کرتا ہے۔

  وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ . (22:24)

اور چاہیے کہ وہ معاف کریں اور درگزر کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تم کو معاف کرے، اور اللہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔

قرآن اس موقع پر بھی عفو و درگذر سے کام لینے کی تلقین کرتا ہے، جب مخالف جماعتیں حق کی راہ میں روڑے اٹکائیں اور اپنے بغض وحسد کا مظاہرہ کریں :

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ . (199:7)

عفو و درگزر سے کام لو اور نیک کاموں کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض کرو۔

قرآن معاف کردینے کو بڑی ہمت کا کام بتاتا ہے اور اسے عظیم اخلاقی صفت کے طور پر پیش کرتا ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ .(43:42)

اور جو شخص صبر کرے اور دوسرے کو بخش دے، تو بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔

- قرآن رفق ولطف اور معاملات میں نرمی برتنے کو ایک اخلاقی صفت کے طور پر پیش کرتا ہے، وہ اسے ابنیا کی صفت بتاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کہتا ہے :

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ . (114:9)

بے شک ابراہیم علیہ السلام نیک دل بُردبار تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون کے دربار میں بھیجتے وقت جو ہدایت دی گئی اس کا ذکر قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے۔

وَقُوْلاَ لَهُ قَوْلاً لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشٰى . (20 :44)

اور اس سے نرم لہجہ میں بات کرو تاکہ وہ نصیحت حاصل کرے اور ڈرے۔

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ صفت ایک عظیم نعمت کے طور پر عطا کی گئی تھی، جس کا تذکرہ قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے :

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ . (159:3)

اللہ کی رحمت سے تم ان کے لیے نرم دل ہوگئے، اگر تم تیز مزاج اور سخت گیر ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے تتر بتر ہوگئے ہوتے۔

- قرآن بندوں کو تواضع وخاکساری اور عاجزی کی تعلیم دیتا ہے، چنانچہ خود نبی ﷺ کو مومنوں سے محبت اور تواضع کی ہدایت دی گئی۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ . (215:26)

اور جو تیرے پیروکار ایمان والے ہیں، ان سے محبت اور عاجزی سے پیش آؤ۔

اور خدا اپنے خاص بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے :

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْناً . (63:25)

اور خدا کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔

قرآن حضرت لقمان علیہ السلام کی نصیحت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے :

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلاَ تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحاً اِنَّ اللهَ لاَ يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ، وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِکَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ . (18:31)

اور لوگوں سے بے رُخی نہ برتو اور زمین پر اترا کر نہ چلو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی خور کو پسند نہیں کرتا، اور اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز نیچی رکھو۔

- قرآن ایثار کی تعلیم دیتا ہے اور ان لوگوں کی تعریف کرتا ہے جو ایثار کرتے ہوئے اپنی ضرورتوں پر دوسروں کی ضرورتوں کو ترجیح دیتے ہیں اور خود تکلیف اُٹھا کر دوسروں کو آرام فراہم کرتے ہیں۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ . (59 :9)

اور جو دوسروں کو خود پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ وہ خود تنگی میں کیوں نہ ہوں، اور جو اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے، تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

- خودداری اور عزت نفس وہ اخلاقی وصف ہے، جس سے انسان اپنی عزت، اپنی شان، اپنے مرتبہ اور اپنی حیثیت کی حفاظت کرتا ہے، چنانچہ قرآن مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے ان کو ان کے بلند مقام کی یاد دہانی کراتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ . (3 :110)

تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہو۔

- قرآن ان لوگوں کی تعریف کرتا ہے، جو فقر و فاقہ کی حالت میں ہونے کے باوجود اپنی خودداری اور عزت نفس پر آنچ نہیں آنے دیتے اور اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا . (2 :273)

(صدقات) ان حاجت مندوں کے لیے ہیں جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں، علاقہ میں کہیں جا نہیں سکتے، بے خبر ان کی خودداری کی وجہ سے انھیں غنی سمجھتا ہے، تم ان کو ان کے اوصاف سے پہچان لوگے، وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔

- قرآن حق گوئی کی تعلیم دیتا ہے، یہ اخلاقی وصف حق و باطل کی کشمکش میں نکھر کر سامنے آتا ہے کہ اس وقت برملا حق کا اظہار کیا جائے اور حق کی حمایت میں آواز بلند کی جائے، قرآن نبی کریم ﷺ کو اس کی ہدایت دیتے ہوئے کہتا ہے :

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ . (94:49)

تم کو جو حکم دیا گیا ہے، اسے کھول کر سنا دو اور مشرکین کی مطلق پروا نہ کرو۔

حق گوئی کی راہ میں کسی ملامت کی پروا نہ کرنے کو مسلمانوں کا ایک ممتاز اخلاقی وصف قرار دیا گیا ہے۔

وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ . (5:54)

اور لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

- قرآن کی ایک اخلاقی تعلیم استغنا یعنی بے نیازی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کی ذات کے سوا دوسروں سے بے نیاز ہو اور اسے جو کچھ بھی ملا ہے، اس پر مطمئن رہے، قرآن کے الفاظ میں :

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ . (4:32)

اور جس چیز میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے، اس کی ہوس مت کرو۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ . (20 :131)

اور اپنی آنکھیں نہ پھیلاؤ اس طرف جو ہم نے ان میں سے طرح طرح کے لوگوں کو سامان دیا ہے۔

11.6.2 برے اخلاق

بعض برے اخلاق جن کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے، ان سے بچنے کا حکم اس نے اپنے بندوں کو دیا ہے، یہ وہ اخلاقی خرابیاں ہیں، جن کے باعث انسانی افراد اور جماعتوں کو روحانی، مادی اور معاشرتی نقصان پہنچتا ہے اور ہر عقل مند انسان انھیں فطرتاً ناپسند کرتا ہے، قرآن عموماً ان اخلاقی خرابیوں کے لئے فحشا، منکر اور بغی کے الفاظ استعمال کرتا ہے، چند اخلاقی خرابیاں جن سے قرآن منع کرتا ہے، درج ذیل ہیں :

- جھوٹ ہر قسم کی اخلاقی برائیوں کی جڑ ہے، چنانچہ قرآن نے جھوٹ بولنے والوں کے لیے خطرناک وعید سنائی ہے۔

  اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ کَاذِبٌ کَفَّارٌ . (3: 39)

  بے شک اللہ تعالیٰ اس کو راہ نہیں دکھاتا جو جھوٹا اور احسان فراموش ہے۔

  جھوٹا شخص خدا کی لعنت کا مستحق قرار پاتا ہے۔

  اَنَّ لَعْنَۃَ اللّٰہِ عَلَیْہِ اِنْ کَانَ مِنَ الْکَاذِبِیْنَ . (7: 24)

  اور اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو، تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

- قرآن خیانت اور بددیانتی سے سختی سے منع کرتا ہے۔

  یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَخُوْنُوْا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا اَمَانَاتِکُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ . (27:8)

  اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور اپنی آپس کی امانتوں میں جان بوجھ کر خیانت نہ کرو۔

  قرآن اس بات سے بھی آگاہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ظاہری ہی نہیں، بلکہ باطنی خیانتوں سے بھی واقف ہے۔

  یَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرِ . (19:40)

  اللہ آنکھوں کی خیانت سے واقف ہے اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے اس سے بھی۔

- بہتان تراشی ایک اخلاقی جرم ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی بے گناہ کو مجرم ٹھہرایا جائے یا اس کی طرف کوئی ناکردہ گناہ منسوب کر دیا جائے، قرآن نے اس کی سخت مذمت کی ہے۔

  وَمَنْ یَّکْسِبْ خَطِیْئَۃً اَوْ اِثْماً ثُمَّ یَرْمِ بِہٖ بَرِیْئاً فَقَدِ احْتَمَلَ بُھْتَاناً وَّاِثْماً مُّبِیْناً.(112:4)

  اور جو کوئی خطا یا گناہ کرے پھر وہ اس کی تہمت کسی بے گناہ پر دھر دے، تو اس نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا۔

  وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْناً . (58:33)

  اور جو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ان گناہوں کی تہمت لگا کر تکلیف پہنچاتے ہیں، جو انھوں نے نہیں کیے ہیں، تو انھوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا۔

- قرآن چغل خوری کو عیب قرار دیتا ہے، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی کہ ایسے لوگوں کی بات نہ مانی جائے۔

  وَلَا تُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ مَّھِیْنٍ ھَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِیْمٍ . (11:68)

  آپ ایسے لوگوں کا کہا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھاتے ہیں، آبرو باختہ ہیں، آوازے کستے ہیں اور چغلیاں لگاتے پھرتے ہیں۔

  خود نبی کریم انے ارشاد فرمایا: ''لا یدخل الجنۃ قتات'' (ابوداؤد: کتاب الأدب باب فی القتات) یعنی جنت میں چغل خور داخل نہ ہوگا۔

- قرآن غیبت اور بدگوئی سے بھی منع کرتا ہے اور اسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیتا ہے۔

وَلاَ یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضاً اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَأْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتاً فَکَرِهْتُمُوْهُ . (12:40)

اورتم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے (یعنی اسے پیٹھ پیچھے برا بھلا نہ کہے)، بھلاتم میں سے کوئی اس بات کو گورا کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے ،تو اس سے تو تمہیں گھن آئے گی ۔

- قرآن دورخے پن کو بھی اخلاقی برائی قرار دیتا ہے اور ایسے لوگوں کو جو اس میں مبتلا ہوتے ہیں منافق قرار دیتا ہے، وہ ان کے متعلق کہتا ہے:

وَاِذَا لَقُوْا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قَالُوْ آمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیَاطِیْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُ وْنَ . (14:2)

وہ جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو ایمان لا چکے ہیں اور جب تنہائی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو صرف مسلمانوں کو بناتے ہیں ۔

- قرآن بدگمانی سے بھی منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بعض اوقات یہ بدگمانی گناہ کا سبب بنتی ہے ۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اجْتَنِبُوْا کَثِیْراً مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ .(12:49)

اے ایمان والو! بہت بدگمانی سے بچا کرو، بے شک بعض بدگمانی گناہ ہے ۔

- بخل بھی ایک اخلاقی برائی ہے اور بہت ساری برائیوں کا سبب بنتا ہے ،قرآن جہنمیوں سے سوال و جواب کا ایک منظر پیش کرتے ہوئے بخل کی مذمت کرتا ہے،اور اسے جہنم رسید ہونے کا سبب بتاتا ہے :

مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ، وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ . (42:74)

(پوچھا جائے گا) تم کو دوزخ میں کیا چیز لے گئی ؟ کہیں گے ہم نمازیوں میں سے نہ تھے اور محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے ۔

قرآن ایسے لوگوں کو وعید سناتے ہوئے کہتا ہے :

وَلاَ یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَیْراً لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ .
(180: 3)

اور جو لوگ اس مال کو، جو خدا نے اپنی مہربانی سے ان کو دیا ہے، روکے رکھتے ہیں وہ اس کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں، بلکہ وہ ان کے حق میں بدتر ہے، جس مال میں وہ بخل کرتے ہیں، قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان کے گلے میں پہنایا جائے گا ۔

- قرآن رشوت کو اخلاقی جرم قرار دیتا ہے اور اس کی ہر صورت کی مذمت کرتا ہے :

وَلاَ تَاکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا اِلَی الْحُکَّامِ لِتَاکُلُوْا فَرِیْقاً مِنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ . (188:2)

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طریقوں سے مت کھاؤ اور نہ مال حاکموں تک پہنچاؤ تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ سے جان بوجھ کر کھا جاؤ ۔

اہل کتاب علما اپنی کتابوں میں مال و دولت کے بدلے جو تحریفات کیا کرتے تھے، ان کی مذمت قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْکِتَابِ وَیَشْتَرُوْنَ بِهِ ثَمَناً قَلِیْلاً اُوْلٰٓئِکَ مَا یَاکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلاَّ النَّارَ . (174:2)

وہ لوگ جو خدا کے ذریعہ نازل کردہ احکام کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے حقیر معاوضہ حاصل کرتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں ۔

- دل میں کسی کی دشمنی اور عداوت کو پالنا بغض و کینہ کہلاتا ہے ،قرآن اس کی مذمت کرتا ہے اور اہل ایمان کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اس سے محفوظ رہنے کی دُعا مانگیں :

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ . (10:59)

اے ہمارے رب ! ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، بخش دے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے کینہ کو جگہ نہ دے، اے رب تو بڑا شفیق اور مہربان ہے۔

جنت کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ وہاں بغض و کینہ کا گزر نہ ہوگا :

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ . (47:49)

اور ہم نے ان کے سینوں سے جو کینہ تھا نکال لیا کہ اب بھائی ہو تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے۔

- قرآن ظلم کو حرام قرار دیتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَيْرِ الْحَقِّ . (33:7)

کہہ دو کہ میرے رب نے بے حیائی کے کاموں کو کھلے ہوں یا چھپے اور گناہ کو اور ناحق ظلم و سرکشی کو حرام قرار دیا ہے۔

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ . (90:16)

اور خدا بے حیائی کے کام، ناپسندیدہ کام اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔

قرآن ظلم کرنے والوں کے خلاف لڑائی کا حکم دیتا ہے اور آخرت میں بھی انھیں دردناک عذاب کی وعید سناتا ہے :

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُوْلٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ . (42:42)

راہ ان لوگوں پر ہے جو ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

فَاِنْ بَغَتْ اِحْدَا هُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوْا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰى اَمْرِ اللهِ. (9:49)

اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر ظلم کرے تو ظلم کرنے والے گروہ سے سب مل کر جنگ کرو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

- قرآن فخر و غرور اور تکبر کو ناپسند کرتا ہے اور اسے شیطان کی روش قرار دیتا ہے :

فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِيْنَ.(7 :13)

یہاں سے اُتر جا یہاں تو غرور نہیں کرسکتا، نکل جا تو ذلیل اور حقیر ہے۔

قرآن متکبرین کا ٹھکانہ جہنم کو قرار دیتا ہے:

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْمُتَكَبِّرِيْنَ . (60:39)

کیا جہنم مغروروں کا ٹھکانہ نہیں ہے؟

قرآن غرور و تکبر کی ہر صورت کو ناپسند کرتا ہے اور اس سے منع کرتا ہے :

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا . (18:31)

اور لوگوں سے بے رُخی نہ برتو اور زمین پر اترا کر نہ چلو۔

- قرآن ریا اور نمائش کو سخت ناپسند کرتا ہے، کہ یہ برائی انسان کے نیک اعمال کو بھی بے ثمر بنا دیتی ہے، چنانچہ مسلمانوں کو جہاد میں نکلتے وقت حکم دیا گیا کہ تمہارا مقصد محض حق کی حمایت ہو نہ کہ نمود و نمائش :

وَلاَ تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَراً وَرِئَاءَ النَّاسِ . (47:8)

اوران کافروں جیسے نہ بنو جوشیخی کے مارے لوگوں کو دکھلانے کے لیے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔

قرآن صدقات اور نماز کے سلسلے میں خصوصاً اس بات کی ہدایت دیتا ہے کہ اس میں نمائش کا کوئی پہلو داخل نہ ہونے پائے اور ان لوگوں کی مذمت کرتا ہے، جو محض لوگوں کو دکھانے کے لیے یہ کام انجام دیتے ہیں، وہ بتاتا ہے کہ جو لوگ نمود و نمائش کے لیے صدقات دیتے ہیں انھیں اس کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا :

يَـا اَيُّهَـا الَّـذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلاَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ . (264:2)

اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور سائل کو طعنہ دے کر ضائع مت کرو، اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت کا یقین نہیں رکھتا۔

- حسد یعنی دوسرے کی نعمت کو پسند نہ کرنا اور خواہش کرنا کہ وہ اس سے چھن جائے ایک عظیم اخلاقی بیماری ہے، قرآن اسے یہود اور کفار و منافقین کی صفت قرار دیتا ہے :

وَدَّ كَثِيْرٌ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ . (109:2)

بہت سے اہل کتاب اپنے دلی حسد کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر تم کو کافر بنا دیں۔

قرآن اپنے ماننے والوں کو نہایت بلند اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، وہ صرف حسد سے ہی منع نہیں کرتا، بلکہ دوسروں کو ملی نعمت کی خواہش کرنے سے بھی منع کرتا ہے :

وَلاَ تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ . (32:4)

اور خدا نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر جو برتری دے رکھی ہے اس کا ارمان نہ کرو۔

11.7 خلاصہ

قرآن کریم کے اندر دین کے حقائق اور اصول و قواعد کے علاوہ اخلاق و آداب کی تعلیم دی گئی ہے اور زندگی گذارنے کا پورا دستور العمل بتایا گیا ہے، یہاں درج اکائی میں معاشی تعلیمات کے اندر سود اور دھوکہ کو حرام بتا کر، مال کو گردش میں رکھنے اور نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ پھر معاشرتی تعلیمات کے تحت نکاح و طلاق کے احکام، پردہ کی اہمیت، نان نفقہ کے حقوق، والدین اور دوسرے کے ساتھ حسن سلوک وغیرہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ سیاسی تعلیمات میں بتایا گیا ہے دین میں زور زبردستی نہیں ہے، ناحق قتل حرام ہے، مال، آبرو اور عزت کو تحفظ حاصل ہے اور چوری و زنا جیسے سنگن جرائم پر سزا مقرر ہے۔ بین قومی تعلقات میں عدل و انصاف، امن عالم، مذہبی رواداری اور معاہدہ کی پاسداری جیسے امور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اخلاقی تعلیمات میں صداقت و دیانت، حیا، صبر، عدل اور حکم پر آمادہ کرنے کے ساتھ جھوٹ، ظلم، کینہ و حسد، چغلی، بدگمانی، بخل، غرور اور بے حیائی کے کاموں سے روکا گیا ہے۔

11.8 نمونہ امتحانی سوالات

(1) وَيْلٌ .... اَلَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْن۔ (83:1-2)

(2) وَاٰتُوْا النِّسَاءَ .... نِحْلَةً ۔ (۴:۴)

(3) وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْناً وَّيَتِيْماً و .... ۔ (8:76)

(4) وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ .... ۔ (63:65)

(5) يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا .... بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۔(264:2)

مختصر جوابی سوالات:

(1) سود کے بارے میں قرآن کی تعلیم پر روشنی ڈالیے۔

(2) والدین کے کیا حقوق قرآن میں بتائے گئے ہیں؟ بیان کیجیے۔

(3) مذہبی رواداری کے بارے میں قرآن کا کیا تصور ہے؟

(4) دولت کی ذخیرہ اندوزی کے بارے میں قرآن کی معاشی تعلیمات کا جائزہ لیجیے۔

(5) طلاق کے بارے میں قرآن کی ہدایات پر روشنی ڈالیے۔

طویل جوابی سوالات:

(1) قرآن کی معاشی تعلیمات کا جائزہ لیجیے۔

(2) قرآن کی سیاسی تعلیمات پر روشنی ڈالیے۔

(3) قرآن کی معاشرتی تعلیمات کیا ہیں؟ بیان کیجیے۔

(4) قرآن اور بین قومی تعلقات پر ایک مضمون لکھیے۔

(5) قرآن کی اخلاقی تعلیمات کیا ہیں؟ بیان کیجیے۔

11.9 سفارش کردہ کتابیں

1۔ قرآنی تعلیمات — مولانا محمد یوسف اصلاحی

2۔ قرآن کیا کہتا ہے؟ — مولانا محمد منظور نعمانی

3۔ مضامین قرآن مجید (دو جلدیں)

4۔ الفہرس الموضوعی لآیات القرآن الکریم

۔:oOo:۔

سیرت نبویؐ، خلافت راشدہ اور اموی دور

بلاک 3 : خلافت راشدہ اور اموی حکومت

اکائی 12 : خلافت راشدہ اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت

اکائی کے اجزا

12.1 تمہید

12.2 خلافت : معنی اور مفہوم

12.3 خلافت : دائرہ اختیار

12.4 خلافت راشدہ کا ارتقا

12.5 خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ

12.6 خلاصہ

12.7 نمونۂ امتحانی سوالات

12.8 سفارش کردہ کتابیں

12.1 تمہید

اس اکائی میں خلافت کے معنی ومفہوم کو بیان کرتے ہوئے، خلافت کے دائرۂ اختیار کو بیان کیا جائے گا۔ خلافت راشدہ کا ادارہ کیسے وجود میں آیا، خلفاء راشدین کا انتخاب کن طریقوں سے عمل میں آیا، اس پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی جائے گی۔ نیز خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سیرت وکردار، کارنامے اور ان کے انتظام حکومت سے بحث کی جائے گی۔

12.2 خلافت : معنی اور مفہوم

لغت میں خلافت کے معنی پیچھے آنے کے ہیں۔ اسی سے خلیفہ کا لفظ نکلا ہے، جس کے معنی جانشین اور نائب کے ہوتے ہیں۔ اصطلاح میں خلافت اس جانشینی یا نیابت کو کہتے ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کے اصحاب (ساتھیوں) اور دوسرے مسلمانوں نے کی۔ خلافت راشدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس دور کو کہتے ہیں جس میں آپ کے چار اصحاب (سیدنا حضرت ابوبکرؓ، سیدنا حضرت عمرؓ، سیدنا حضرت عثمانؓ، سیدنا حضرت علیؓ) نے آپ کی جانشینی اس طرح کی کہ انہوں نے خود کو زیادہ سے زیادہ آپ کے اسوے اور نمونے پر قائم رکھا، اسی لئے اسے خلافت علی منہاج النبوہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی وہ خلافت جو نبی کے طریقے پر قائم تھی۔ خلافت راشدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد 30 برس تک قائم رہی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت پیغمبری کی نیابت اور قائم مقامی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم سے پہلے بنی اسرائیل میں انبیا اور پیغمبر سیاست کرتے تھے، جب ایک پیغمبر کی وفات ہوتی تو دوسرا پیغمبر پیدا ہوتا تھا، لیکن پیغمبری اب ختم ہوگئی، تم میں خلفا ہوں گے۔ (بخاری ومسلم)۔

12.3 خلافت: دائرہ اختیار

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تک اس دنیا میں رہے مسلمانوں کے تمام دینی و دنیوی امور و معاملات ان کے ہاتھ میں رہے۔ آپؐ کے بعد جب خلافت کا ادارہ قائم ہوا تو اس کے دائرہ کار میں بھی مسلمانوں کے تمام دینی و دنیوی امور و معاملات کی انجام دہی شامل ہوئی۔ خلافت کی ذمہ داری میں ارکان اسلام مثلاً نماز، روزہ، زکاۃ اور حج وغیرہ کو قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر (اچھائیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا)، جہاد، قاضیوں کا تقرر، سزاؤں وغیرہ کا نفاذ اور وعظ و نصیحت اور تعلیم جیسے سبھی امور شامل تھے۔ خلفاء راشدین نے یہ تمام امور بہترین طریقہ پر انجام دیے۔

معلومات کی جانچ:

1۔ خلافت کے معنی بیان کیجیے؟

2۔ خلافت کے دائرہ کار میں کون سے امور و معاملات آتے ہیں؟

12.4 خلافت راشدہ کا ارتقا

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم 12 ربیع الاول 11 ہجری (مطابق 20 جون 632ء) کو اس دنیا سے اس طرح رخصت ہوئے کہ آپؐ نے اپنے بعد واضح طور پر کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا تھا۔ صحابہ کرام پر پہلے تو آپ کی وفات کی خبر ہی بجلی بن کر ٹوٹی اور جب وہ اس صدمہ سے ابھرے تو آپؐ کی تجہیز و تکفین کے کام میں مشغول ہوگئے۔ البتہ ان کے ذہن میں یہ سوال تھا کہ اس نئی ملت کا جس کی تشکیل آپ نے پچھلے 23 برسوں میں کی تھی اب کیا بنے گا اور اب کون اس کشتی کا کھیون ہار ہوگا؟ یہ سوال اجتماعی طور پر سب سے پہلے انصار مدینہ میں سے بنوخزرج کی چوپال میں اٹھا جو سقیفہ بنی ساعدہ (بنو ساعدہ کی چوپال) کہلاتی تھی۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے مسئلے نے سنجیدہ گفتگو اور بحث کی صورت اختیار کر لی۔ معاملے کی سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے بعض اصحاب نے اس اجتماع کی خبر مہاجرین مکہ کے اکابر کو بھی دی کیونکہ اب تک اس میں صرف انصار مدینہ ہی شریک تھے۔ اس خبر کے بعد مہاجرین میں سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ جیسے اکابرین بھی اس اجتماع میں شرکت کے لیے پہنچے۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں اس وقت زیر بحث مسئلہ یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ انصار یا مہاجرین! انصار مدینہ خود کو خلافت کا سب سے زیادہ حق دار سمجھتے تھے کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کو اپنے یہاں پناہ دی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی تھی اور اسلام کو پورے عرب میں غالب کرنے کی ان کی مہم میں ان کا ساتھ دیا تھا۔ انصار کی دلیلیں سننے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوئے، انہوں نے ان کی تمام قربانیوں اور خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے مہاجرین کے حق کی افضلیت بیان کی کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے انصار سے بہت پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ انتہائی سخت حالات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا، یہاں تک کہ اس راستے میں انہوں نے اپنا گھر بار، وطن اور عزیز اقربا سب کچھ چھوڑ دیا۔ اس کے بعد انصار نے اس پر مصالحت کرنی چاہی کہ مسلمانوں کے دو امیر بنا لیے جائیں، ایک انصار میں سے ہو اور دوسرا مہاجرین میں سے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں سمجھایا کہ اقتدار تقسیم ہونے والی چیز نہیں اور ساتھ ہی انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی یاد دلایا کہ ''الائمۃ من قریش'' یعنی امام (امیر) قریش میں سے ہونا چاہیے۔ اس دلیل کے بعد انصار کی جانب سے کسی قسم کی مزاحمت نہیں ہوئی کیونکہ وہ بھی اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ اس زمانے کے عرب کے حالات میں عرب قبیلے کسی اور کی امارت پر جمع نہیں ہوسکتے، اس لیے حکمرانی کے لیے قریش ہی سب سے زیادہ موزوں ہیں۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان انہیں سب سے زیادہ عزیز تھا۔

یہ طے ہو جانے کے بعد کہ نبی کا جانشین قریش کے اولین مہاجرین میں سے ہوگا؛ حضرت ابوبکرؓ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود لوگوں کے سامنے خلافت کے لیے حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے نام پیش کیے اور کہا کہ ان میں سے کسی کو اپنا امیر بنا لیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس موقع پر

کھڑے ہو کر حضرت ابوبکرؓ کے فضائل اور اسلام کے راستے میں ان کی قربانیاں بیان فرمائیں اور کہا کہ ان کی موجودگی میں کسی اور کو خلافت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق نہیں پہنچتا اور آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس کے بعد اگلے روز مسجد نبوی میں حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر عام بیعت ہوئی۔ بیعت سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے عام لوگوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا: ''مجھے کچھ لوگوں نے خلیفہ بنا دیا ہے، حالانکہ میں آپ لوگوں میں سب سے بہتر آدمی نہیں ہوں، اگر آپ لوگ بھی اس کی تصدیق کریں گے تو میں کام کروں گا بصورت دیگر اپنے میں سے کسی بہتر آدمی کو خلیفہ بنا لیں''۔ تمام لوگوں نے خوشی خوشی حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس طرح مسلمانوں کے اہل رائے حضرات کے اتفاق سے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب عمل میں آیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے مرض الموت کے دوران مدینہ میں موجود بڑے بڑے صحابہ کرام اور اہل رائے سے اپنے جانشین کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ کی افضلیت اور اہلیت کے سب قائل تھے لیکن بعض لوگوں کو خدشہ تھا کہ حضرت عمرؓ دین کے معاملے میں نہایت سخت ہیں اور ان کے مزاج میں گرمی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں سمجھایا کہ ذمہ داری کا بوجھ انہیں نرم بنا دے گا۔ لہذا سبھی لوگ حضرت عمرؓ کی خلافت پر متفق ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عثمانؓ کو بلوا کر ایک وصیت نامہ لکھوایا جسے ان کے غلام نے مجمع عام میں پڑھ کر سنایا اور سب لوگوں نے اس سے اتفاق کیا۔ اس طرح حضرت عمرؓ کو بالاتفاق مسلمانوں کا دوسرا خلیفہ تسلیم کر لیا گیا اور حضرت ابوبکرؓ کے انتقال کے بعد سب نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کا جب آخری وقت آیا تو انہوں نے اپنے بعد کسی ایک کو اپنا جانشین نامزد کرنے کے بجائے چھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی اور ہدایت کی کہ ان کے انتقال کے بعد تین دنوں کے اندر ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ کمیٹی کے چھ ارکان یہ تھے:

1۔ حضرت عثمان بن عفانؓ
2۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ
3۔ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ
4۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
5۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ
6۔ حضرت زبیر بن العوامؓ

حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کو حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد انتخاب خلیفہ کی ذمہ داری سونپی گئی۔ انہوں نے خلیفہ کے انتخاب کو آسان بنانے کے لیے مجلس کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ چھ میں سے تین حضرات اپنے نام واپس لے لیں۔ آخری تین لوگوں نے ان کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے اپنے نام واپس لے لیے۔ جب تین نام رہ گئے تو حضرت عبدالرحمانؓ نے اپنا نام بھی واپس لے لیا۔ اب صرف دو نام رہ گئے یعنی حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے۔ چونکہ یہ حج کا زمانہ تھا اور مختلف علاقوں کے اہل رائے اور ذمہ دار افراد مدینہ میں موجود تھے۔ حضرت عبدالرحمانؓ نے عام لوگوں میں گھوم پھر کر اور اہل رائے کے مشورے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اکثریت حضرت عثمانؓ کے خلیفہ بنائے جانے کے حق میں ہے چنانچہ انہوں نے مجمع عام میں حضرت عثمانؓ کے خلیفہ بنائے جانے کا اعلان کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور پھر سب لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ غیر معمولی حالات میں اور اچانک شہید کر دیے گئے۔ مدینے میں شورش زدگی کی صورت حال تھی لہذا ان کی جانب سے جانشین کا انتخاب اور نامزدگی عمل میں نہیں آسکی۔ شورش پسند جن کا کہ مدینے پر قبضہ تھا انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے خلافت قبول کرنے کو کہا لیکن تینوں نے اس سے انکار کر دیا۔ جب تین دنوں تک مدینے کی صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تو وہاں کے اہل الرائے حضرت علیؓ کے پاس آئے اور ان سے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی کیونکہ اس وقت اس منصب کے لیے ان سے بہتر کوئی دوسرا موجود نہیں تھا۔ مسجد نبوی میں عام مسلمانوں کی موجودگی میں حضرت علیؓ کی خلافت پر بیعت ہوئی، صرف چند لوگ تھے جنہوں نے بیعت نہیں کی۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد خلافت کے دو دعوے دار پیدا ہو گئے۔ کوفہ میں حضرت علیؓ کے حامیوں نے ان کے صاحب زادے حضرت حسنؓ کو خلیفہ بنا لیا تو شام میں حضرت معاویہؓ کے حامیوں نے ان کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ بعد میں حضرت حسنؓ کی حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست

برداری کے بعد حضرت معاویہؓ مسلمانوں کے خلیفہ قرار پائے۔اس طرح حضرت حسنؓ کی دستبرداری پر خلافت راشدہ یا خلافت علی منہاج النبوۃ کا خاتمہ ہو گیا۔نبوت محمدی کے بعد اسلامی تاریخ کا یہ سب سے اہم دور ہے۔خلافت راشدہ کی کل مدت تیس(30) سال ہے۔

معلومات کی جانچ:

1۔ خلیفہ اول کا انتخاب کس جگہ عمل میں آیا؟

2۔ خلافت راشدہ کی پوری مدت بتائیں۔

12.5 خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ

12.5.1 سیرت و کردار

خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اصل نام عبداللہ اور کنیت ابوبکر ہے جس سے کہ وہ زیادہ مشہور ہیں۔ان کے والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ تھی ، وہ بھی اپنی کنیت سے ہی مشہور ہوئے۔ چونکہ حضرت ابوبکرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر دعوے اور بات کی بلا جھجک اور کسی شک و شبہے کے بغیر تصدیق کر دیتے تھے اس لیے ''صدّیق'' کے لقب سے سرفراز ہوئے۔حضرت ابوبکرؓ نبوت سے پہلے سے ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت ہی گہرے اور قریبی دوست تھے،تجارت کے سفروں میں بھی کئی بار دونوں کا ساتھ رہا تھا۔نبوت ملنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے قریبی حلقوں میں دعوت کا کام شروع کیا تو بالغ اور آزاد مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکرؓ تھے۔انہوں نے ہر مشکل گھڑی میں اور ہر نازک موقعہ پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا،خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے:''ابوبکر صحبت اور مال کے لحاظ سے میرے سب سے بڑے محسن ہیں''۔اسی لیے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب بھی تھے۔ حضرت ابوبکرؓ ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے، آپؐ کے بچپن کے دوست تھے،انہیں ہجرت کے دوران نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ ملا اور غار ثور میں آپؐ کے ساتھ رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی حضرت ابوبکرؓ ان میں ایک تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک رہے؛ غزوہ تبوک کے موقعہ پر انہوں نے اپنے گھر کا تمام مال واسباب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور جب اللہ کے رسول نے ان سے پوچھا کہ ابوبکر! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ تو فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کا نام ان کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہی فتح مکہ کے بعد انہیں پہلے حج کا امیر الحج مقرر کیا،اور اپنی بیماری کے زمانے میں نمازوں کی امامت بھی انہیں سے کرائی۔

12.5.2 خلافت کے لیے انتخاب

ہم پہلے ہی یہ جان چکے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی کو اپنا نائب یا جانشین نہیں بنایا تھا،چنانچہ آپ کی وفات کے ساتھ ہی مدنی ریاست میں جانشینی کے مسئلے کا اٹھ کھڑا ہونا کوئی انہونی بات نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ (انصار مدینہ کی ایک چوپال) میں جب کچھ لوگ اکٹھا ہوئے تو فطری طور پر بحث وگفتگو کا موضوع آپ کی جانشینی تھا۔سقیفہ بنی ساعدہ میں گفتگو کا جب آغاز ہوا تو صرف چند لوگ تھے لیکن بات جیسے جیسے آگے بڑھی مزید لوگ آتے گئے اور اس میں شامل ہوتے رہے۔ زیر بحث مسئلہ یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ انصار مدینہ،جنھوں نے ہر طرح کے حالات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معاونت اور مدد کی تھی ، یا مہاجرین مکہ جنھیں اسلام میں سبقت اور اولیت حاصل تھی اور جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت پر اپنا گھر بار اور وطن سب کچھ قربان کر دیا تھا؟ اس بحث وگفتگو نے جب سنجیدہ صورت اختیار کر لی تو کچھ لوگوں نے جا کر اکابر مہاجرین کو خبر دی کیونکہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ابھی تک انصار ہی تھے۔مہاجرین کو جب خبر ملی تو ان میں سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے۔

یہ لوگ جب سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے تو گفتگو اس پر چل رہی تھی کہ چونکہ اسلام کے راستے میں انصار کی قربانیاں زیادہ ہیں، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں پناہ دی، سارے عرب سے دشمنی مول لی، ہر موقعہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور اسلام کو عرب میں غالب کرنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور ساتھ دیا، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی جانشینی اور خلافت کے سب سے زیادہ حق دار انصار ہیں۔ مہاجرین (حضرت ابوبکرؓ وغیرہ) نے انصار مدینہ کی دلیلیں سنیں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے انصار کی قربانیوں اور اسلام کے فروغ میں ان کی خدمات کا اعتراف کیا اور ان کے فضائل بیان کیے۔ البتہ اس کے ساتھ ہی انہوں نے مہاجرین کی خدمات اور قربانیاں بھی گنائیں کیونکہ انہوں نے اسلام قبول کرنے میں پہل کی تھی، انتہائی سخت حالات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا، یہاں تک کہ اس راستے میں اپنا گھر بار عزیز اقربا سب کو چھوڑ دیا تھا۔ انصار کی جانب سے یہ پیش کش ہوئی کہ دو امیر بنا لیے جائیں ایک مہاجرین میں سے ہو اور دوسرا انصار میں سے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے اس کے ناقابل عمل ہونے کی طرف توجہ دلائی، کیونکہ اقتدار کوئی قابل تقسیم چیز نہیں ہے اور ساتھ ہی انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی یاد دلایا کہ ''الائمۃ من قریش''، یعنی امام (امیر) قریش میں سے ہوگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے کے عرب کے حالات میں مختلف قبائل اگر کسی کی قیادت پر جمع ہو سکتے تھے تو وہ صرف اور صرف قریش مکہ کی تھی۔ اس کے بعد انصار مدینہ نے خود کو خلافت کے دعوے سے الگ کر لیا۔

جب یہ طے ہو گیا کہ خلیفہ قریش مکہ میں سے کوئی ہوگا تو حضرت ابوبکرؓ نے وہاں موجود لوگوں سے کہا کہ یہاں عمرؓ اور ابوعبیدہؓ موجود ہیں ان میں سے آپ لوگ کسی کو اپنا امیر بنا لیں۔ اس پر مجمع کے اندر سے حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کے فضائل بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ان کی موجودگی میں کسی اور کو خلافت رسول کا حق نہیں پہنچتا اور خود آگے بڑھ کر حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس کے بعد پھر کیا تھا پورے مجمع نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اس طرح حضرت ابوبکرؓ کا خلافت کے لیے انتخاب عمل میں آیا۔ اگلے دن مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی۔ اس موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو بتایا کہ مجھے کچھ لوگوں نے مسلمانوں کا امیر بنا دیا ہے۔ اگر آپ لوگ بھی اس کی تصدیق کریں گے تو میں کام کروں گا بصورت دیگر اپنے میں سے کسی بہتر آدمی کو اپنا امیر اور خلیفہ بنالیں، تمام لوگوں نے خوشی خوشی حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ بیعت کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے مسجد نبوی میں لوگوں کے سامنے جو تقریر کی وہ عوام کے حقوق اور حکمراں کے فرائض پر بھرپور روشنی ڈالتی ہے، انھوں نے فرمایا:

> ''لوگو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں، حالانکہ میں تمہاری جماعت میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر غلط راستے پر چلوں تو مجھے سیدھا کر دو۔ تم میں جو کمزور ہے وہ بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اس کو دلا دوں۔ اور تمہارا قوی شخص بھی میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق حاصل کرلوں۔ اگر میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو، اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔''

حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بننے کے بعد دو برس تین ماہ اور گیارہ دن باحیات رہے۔ اس طرح ان کی خلافت کا زمانہ ڈھائی برس سے بھی کم ہے۔ لیکن اس مختصر مدت میں ہی انہوں نے اسلامی حکومت کے بنیادی اصول متعین فرما دیے جن پر ان کے بعد دیگر خلفاء راشدین بھی گامزن رہے۔ خلیفہ بننے کے بعد انہوں نے اسلامی معاشرے میں اتحاد و اتفاق کو قائم رکھا۔ انہوں نے عرب میں ہونے والی بغاوتوں کا خاتمہ کر دیا۔ مدینہ کی ریاست کو جلد ہی اتنا مضبوط اور مستحکم کر دیا کہ مسلمانوں نے بیک وقت ایران اور روم جیسی بڑی طاقتوں کے خلاف جہاد شروع کیا اور ان کے بہت سے علاقے فتح کر لیے۔ حضرت ابوبکرؓ کا بہت بڑا کارنامہ قرآن مجید کی جمع و تدوین ہے۔ اس وقت تک قرآن مجید ایک مصحف کی شکل میں مرتب نہیں ہوا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے قرآن مجید کو ایک جگہ لکھوالیا۔ قرآن مجید کا یہ نسخہ مصحف صدیقی کہلایا، بعد میں قرآن مجید کے سبھی نسخے اسی مصحف صدیقی سے نقل کیے گئے۔

12.5.3 استحکام حکومت

حضرت ابوبکرؓ نے خلیفہ بننے کے بعد سب سے پہلے اور سب سے زیادہ توجہ اسلامی حکومت کے استحکام پر دی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا

فائدہ اٹھا کر عرب کے بہت سارے قبیلوں اور افراد نے اسلام کو ماننے سے انکار کر دیا یا پھر اپنی مرضی کے اسلام پر چلنا چاہا۔حضرت ابوبکرؓ کے سامنے یہ بہت بڑا چیلنج تھا۔حضرت ابوبکرؓ نے سب سے پہلے مدینہ کی اسلامی ریاست کے خلاف ہونے والی مذہبی و سیاسی بغاوتوں کا نوٹس لیا۔اس ضمن میں سب سے زیادہ اہمیت کے حامل وہ جھوٹے مدعیان نبوت تھے جن میں سے کچھ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانے میں ہی اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ان کی تفصیل اس طرح ہے:

1۔اسود عنسی : قبیلہ مذحج، یمن کے علاقے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا، کچھ قبیلوں نے اسے اپنا سردار بنالیا۔

2۔مسیلمہ کذاب : اس کا تعلق یمامہ کے علاقے میں قبیلہ بنوحنیفہ سے تھا، اپنے قبیلے کے علاوہ بعض قریبی قبیلوں کا نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔اصلاً عیسائی تھا، بعد میں اس نے سجاح سے شادی کر کے اسلام کے خلاف ایک اتحاد قائم کر لیا۔

3۔سجاح بنت الحارث : یمامہ کے علاقے میں قبیلہ تمیم وتغلب سے تعلق تھا،تغلب، ربیعہ، نمر اور شیبان وغیرہ قبیلوں کے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔

4۔طلیحہ اسدی : قبیلہ بنواسد، بنوفزارہ، بنوطئے اور غطفان کے بعض خاندانوں کا نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔اس کا علاقہ مدینہ کے شمال میں تھا۔

دوسرا طبقہ مرتدین کا تھا۔ یہ وہ افراد اور قبیلے تھے، جنہوں نے اسلام کی ابھرتی ہوئی قوت کے سامنے سرتسلیم خم تو کر دیا تھا لیکن حقیقی معنوں میں اسلام نے ان کے دلوں کے اندر گھر نہیں کیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ لوگ اسلام سے پھر گئے اور اپنے سابقہ مذہب کی طرف لوٹ گئے۔

تیسرا طبقہ مانعین زکاۃ یعنی زکاۃ نہ ادا کرنے والوں پر مشتمل تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام کی طاقت کے خوف سے اسلام قبول کیا تھا اور زکاۃ کو جرمانہ سمجھ کر ادا کرتے تھے۔اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان قبیلوں نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا۔ان میں سے بعض نے یہ درخواست کی کہ انہیں زکاۃ ادا کرنے سے مستثنیٰ کر دیا جائے، اسلام کے باقی احکامات پر وہ عمل کرتے رہیں گے اور بعض کہتے تھے کہ وہ بیت المال کو زکاۃ ادا نہیں کریں گے، اپنے طور پر کریں گے۔

بظاہر یہ الگ الگ گروہ تھے لیکن اسلام کے خلاف انہوں نے اپنا ایک گٹھ جوڑ بنا لیا تھا اور انہوں نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مدینہ پر حملہ بھی کیا۔لیکن حضرت ابوبکرؓ کو پہلے ہی اس کا کچھ اندازہ ہو گیا تھا اور انہوں نے بہت معمولی فوج کے ساتھ ان کو مدینہ سے مار بھگایا، اور ان کے ٹھکانوں پر حملہ کر کے ان کی کمر توڑ دی۔اس ابتدائی کوشش کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے جھوٹے مدعیان نبوت، مرتدین اور مانعین زکاۃ کی مکمل سرکوبی کے لیے مختلف علاقوں میں فوجی مہمیں بھیجیں جن کی مجموعی تعداد گیارہ تھی۔اس طرح بہت تھوڑی سی مدت میں ان فوجی مہموں کے ذریعہ ہر طرح کے باغیوں کا قلع قمع ہو گیا اور پورا عرب ایک بار پھر اسلام کے جھنڈے تلے یکجا اور متحد ہو گیا۔

12.5.4 فتوحات

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہی حضرت اسامہؓ بن زید کی قیادت میں ایک لشکر کو شام پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا۔اس لشکر کی روانگی سے پہلے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت فرما گئے۔ مدینے اور اطراف کے حالات کو دیکھتے ہوئے صحابہ کرام کی رائے تھی کہ حضرت اسامہؓ کے لشکر کی روانگی کو ملتوی کر دیا جائے، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اسے گوارا نہیں کیا کہ جس مہم کا ارادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہوا سے ملتوی کیا جائے۔ چنانچہ

انہوں نے حضرت اسامہؓ کی قیادت میں لشکر کو روانہ کیا جو چالیس دن میں اپنا مقصد پورا کر کے کامیابی کے ساتھ واپس لوٹ آیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں ایران طوائف الملو کی کا شکار تھا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر عراق میں آباد بعض عرب قبائل نے ایرانی مقبوضات پر حملے شروع کر دیے، انہیں میں ایک قبیلے کے سردار مثنیٰ شیبانی تھے، وہ اسلام قبول کر چکے تھے اور جانتے تھے کہ وہ تنہا ایران کی عظیم الشان حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے انہوں نے دربار خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ حملے کی اجازت طلب کی اور اپنے قبیلے کے ساتھ ایرانی علاقوں پر حملہ کرنے لگے۔ اس وقت تک لشکر اسلام حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں مدعیان نبوت اور مرتدین و مانعین زکاۃ کو ٹھکانے لگا چکا تھا۔ چناں چہ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو ایک فوج کے ساتھ حضرت مثنیٰ کی مدد کے لیے بھیجا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے پہنچتے ہی مسلمانوں نے بہت سے ایرانی علاقے فتح کر لیے۔ خاص طور پر حیرہ کا پورا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا۔

عراق میں ابھی ایرانیوں کے خلاف مسلمانوں کی فتوحات کا آغاز ہی ہوا تھا کہ شام کی سرحدوں پر بھی جنگ چھڑ گئی۔ صحابہ کرام کے مشورے سے حضرت ابوبکرؓ نے شام پر لشکر کشی کے لیے 27 ہزار فوج مختلف سرداروں کی قیادت میں روانہ کی۔ شام میں رومی افواج کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لیے اسلامی افواج کے سرداروں نے مرکز خلافت سے مزید فوجی مدد چاہی۔ مدینہ میں اس وقت کوئی فوج نہیں تھی لہٰذا حضرت ابوبکرؓ نے عراق میں حضرت خالدؓ کو لکھا کہ عراق کا معاملہ مثنیٰ کے ہاتھ میں چھوڑ کر فوراً شام کی طرف روانہ ہو جائیں۔ حضرت خالدؓ راستے میں چھوٹی موٹی لڑائیاں لڑتے ہوئے شام پہنچے اور یہاں پر مسلمانوں کی مشترکہ فوج کے ساتھ مل کر شام کے متعدد علاقے فتح کر لیے، خاص طور اجنادین کی جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی نے شام میں مسلمانوں کے داخلے کا راستہ ہمیشہ کے لیے ہموار کر دیا۔ آگے بڑھ کر مسلمانوں نے دمشق کا بھی محاصرہ کر لیا البتہ دمشق حضرت ابوبکرؓ کی زندگی میں فتح نہیں ہو سکا۔

عراق و شام کی فتوحات کے علاوہ بھی حضرت ابوبکرؓ نے مختلف علاقوں میں چھوٹی چھوٹی فوجی مہمیں بھیجیں جنہوں نے بے مثال کامیابیاں حاصل کیں اور مدینہ کی ریاست ایک بڑی فوجی قوت کے طور پر ابھر کر سامنے آئی۔

12.5.5 نظم و نسق

حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں ریاست مدینہ کا زیادہ تر نظم و نسق وہی رہا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا تھا۔ البتہ انہوں نے ان میں سے بعض انتظامی اداروں کو منظم کرنے کی کوشش کی۔ مثلاً انہوں نے فوج کی تنظیم کی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو فتوحات میں آسانی ہوئی۔ انہوں نے ریاستی امور کو بہتر ڈھنگ سے چلانے کے لیے اکابر صحابہ پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ بنائی۔ اسی طرح سلطنت کو صوبوں میں تقسیم کر کے ان میں گورنروں کے تقرر کا عمل بھی حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں شروع ہوا۔ انہوں نے حکومت کے نظام مالیات کو ترقی دی اور حکومت چلانے کے اصول و ضوابط بھی مدون فرمائے۔

12.5.6 مذہبی خدمات

حضرت ابوبکرؓ کی مذہبی خدمات میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن مجید کی جمع و تدوین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پورا قرآن مجید لکھا ہوا موجود تھا؛ البتہ اس کے اجزا بکھرے ہوئے تھے۔ جنگ یمامہ میں بڑی تعداد میں حفاظ قرآن کی شہادت کے بعد حضرت عمرؓ کے مشورے سے حضرت ابوبکرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب حضرت زید بن ثابتؓ کی سربراہی میں ایک مجلس تدوین تشکیل دی جس نے مکمل قرآن مجید کو ایک مصحف میں جمع کر دیا۔ قرآن مجید کا یہ مجموعہ مصحف صدیقی کہلایا۔

احادیث کے معاملے میں گو کہ حضرت ابوبکرؓ بہت محتاط تھے لیکن کسی روایت کی پوری طرح تحقیق ہو جانے کے بعد اس کے قبول کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے اسلامی معاشرے میں جہاں کہیں بھی بدعات کو سر اٹھاتے دیکھا ان کا وہیں سد باب کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فقہی

مسائل کی تحقیق وتنقید کے لیے افتا کا محکمہ قائم کیا اور حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ جیسے مجتہد صحابہ کرام کو اس ذمہ داری پر مامور کیا۔ اسی طرح اشاعت اسلام کے لیے بھی حضرت ابوبکرؓ نے غیر معمولی کوششیں کیں، جہاں کہیں بھی ضرورت ہوتی مسلم داعیوں کو بھیجتے تا کہ وہ اسلام کے پیغام کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک عام کریں۔ ان کے زمانے میں بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

12.5.7 بیماری اور حضرت عمرؓ کی جانشینی

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو ابھی ڈھائی برس بھی نہیں ہوئے تھے کہ اللہ کی جانب سے ان کے لیے بلاوا آ گیا۔ پندرہ دن شدید بخار میں مبتلا رہے؛ یہاں تک کہ مسجد جانے سے بھی معذور ہو گئے چنانچہ حضرت عمرؓ کو امامت کی خدمت پر مامور کیا۔ جب مرض میں کمی نہیں آئی تو صحابہ کرام کو بلا کر جانشینی کے بارے میں مشورہ کیا اور اپنی جانب سے حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا۔ بعض صحابہ کو حضرت عمرؓ کی سختی کے سبب اس میں کچھ پس وپیش تھا، ان سے فرمایا کہ جب خلافت کا بار پڑے گا تو خود بخود نرم پڑ جائیں گے۔ چناں چہ حضرت عثمانؓ کو بلا کر خلافت کا عہد نامہ لکھوایا جسے ان کے غلام نے مجمع عام میں پڑھ کر سنایا۔ ترسٹھ برس کی عمر میں 13 ہجری میں انتقال فرمایا۔

معلومات کی جانچ:

1۔ پہلے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب کس جگہ پر عمل میں آیا؟

2۔ نبوت کے جھوٹے دعویداروں میں سے دو کے نام لکھیں؟

3۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اسلامی فوج نے کن دو بڑی حکومتوں پر حملہ کیا؟

12.6 خلاصہ

خلاصہ یہ کہ خلافت نام ہے نیابت اور جانشینی کا۔ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی نیابت اور جانشینی کی ان کو ہم خلفاء راشدین کے نام سے جانتے ہیں اور ان کے زمانۂ خلافت کو خلافت راشدہ کہا جاتا ہے۔ خلفاء راشدین چار ہیں (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ) اور خلافت راشدہ کا زمانہ تیس برس پر محیط ہے۔ اس دوران اسلامی معاشرہ عرب کے علاقے سے نکل کر غیر عرب علاقوں تک پھیل گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ ریاست کے حدود ایشیا اور افریقہ کے بڑے علاقوں تک وسیع ہو گئے۔

حضرت ابوبکرؓ کی دورِ خلافت تقریبا سوا دو سال تھی۔ آپ نے سب سے زیادہ توجہ اسلامی سماج اور حکومت دونوں کو مستحکم کرنے پر دی۔ آپ کے دور میں شہر مدینہ کا زیادہ تر نظم ونسق وہی رہا جو نبی ﷺ نے قائم کیا تھا۔ البتہ حضرت ابوبکرؓ نے بعض انتظامی اداروں کو منظم کرنے کی کوشش ضرور کی۔ مذہبی خدمات میں آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن کی جمع وتدوین ہے۔

12.7 نمونۂ امتحانی سوالات

(1) لغت میں خلافت کے معنی .... آنے کے ہیں۔

(2) مسیلمہ کذاب کا تعلق قبیلہ .... سے تھا۔

(3) جھوٹے مدعیان نبوت میں سے ایک عورت تھی، اس کا نام .... بنت الحارث تھا۔

(4) .... کی جنگ کی کامیابی نے مسلمانوں کے لیے شام کا راستہ ہموار کر دیا۔

(5) حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اصل نام .... ہے۔

مختصر جوابی سوالات:

(1) خلافت کا معنی و مفہوم بیان کیجیے۔

(2) خلافت کے دائرہ اختیار کا ذکر کیجیے۔

(3) حضرت ابوبکرؓ کی سیرت و کردار پر نوٹ لکھیے ۔

(4) حضرت ابوبکرؓ کی مذہبی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

(5) خلیفہ اول کے زمانہ حکومت کی فتوحات پر روشنی ڈالیے۔

طویل جوابی سوالات:

(1) خلافت راشدہ کے ارتقا سے بحث کریے۔

(2) خلیفہ اول کے دور میں استحکام حکومت اور فتوحات پر روشنی ڈالیے۔

(3) حضرت ابوبکرؓ کی خدمات اور طرز حکومت پر مضمون لکھیے ۔

(4) خلیفہ اول کی جانشینی پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

(5) خلیفہ ابوبکر صدیقؓ کی حیات اور ان کے کارناموں پر ایک تفصیلی مضمون لکھیے ۔

12.8 سفارش کردہ کتابیں

1۔ خلفا راشدین	حاجی معین الدین ندوی
2۔ تاریخ تہذیب اسلامی (حصہ دوم)	پروفیسر یسین مظہر صدیقی
3۔ الفاروق	علامہ شبلی نعمانی
4۔ مختصر تاریخ اسلام	غلام رسول مہر
5۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (جلد اول)	ثروت صولت

۔:oOo:۔

اکائی 13 : خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطابؓ

اکائی کے اجزا

13.1 تمہید

13.2 سیرت و کردار

13.3 منہج خلافت

13.4 مملکت کی توسیع اور استحکام

13.5 اولیات

13.6 شہادت

13.7 خلاصہ

13.8 نمونۂ امتحانی سوالات

13.9 سفارش کردہ کتابیں

13.1 تمہید

پچھلی اکائی میں آپ سیکھ چکے ہیں کہ خلافت کا معنی ومفہوم کیا ہے۔ہم نے دیکھا خلافت راشدہ کے ارتقا کو، خلیفہ اول ابوبکر صدیقؓ کی حیات اور ان کے کارناموں پر روشنی ڈالی۔اس اکائی میں ہم پڑھیں گے خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطابؓ کی حیات اور ان کے کارناموں کو۔ان کے دور میں منہج خلافت اور مملکت کی توسیع اور استحکام کا بھی جائزہ لیں گے۔

13.2 سیرت و کردار

خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروقؓ کا اصل نام عمر، کنیت ابوحفص اور لقب فاروق تھا۔ان کے والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام حنتمہ تھا۔زمانۂ جاہلیت میں ثالثی اور قریش کی سفارت کاری ان کے خاندان کا امتیاز تھا۔ہجرت نبوی سے چالیس برس قبل پیدا ہوئے۔حضرت عمرؓ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو زمانہ ٔجاہلیت میں پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔عام عربوں کی طرح ان کا ذریعۂ معاش بھی تجارت تھا۔خود دار، بلند حوصلہ اور بہت زیادہ معاملہ فہم تھے، اسی لیے قریش نے ان کو اپنا سفیر بنا لیا تھا، لہٰذا جب قبائل کے درمیان معاملات میں کوئی پیچیدگی پیدا ہوتی تو وہی سفارت کے فرائض انجام دیتے۔اسلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں قبیلہ قریش کے جو لوگ سب سے آگے تھے ان میں حضرت عمرؓ ایک تھے۔حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل یا عمر میں سے کسی ایک کے اسلام قبول کرنے کی دعا کی تھی اور اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ کچھ ہی دنوں بعد حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔حضرت عمرؓ چالیسویں مسلمان تھے۔مسلمانوں کو جب مدینہ کی جانب ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت عمرؓ بھی اللہ کے رسول کی اجازت سے مدینہ ہجرت کر گئے۔نبی صلی اللہ علیہ و

سلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ ہر وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ تھا اور آپ ان پر بہت زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ پہلے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت عمرؓ ان کے سب سے قریبی مشیر رہے اور اسی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بعد انہیں مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ نامزد کیا۔

13.3 منہج خلافت

گو کہ خلافت کے نظام کا آغاز حضرت ابوبکرؓ کے زمانے سے ہوتا ہے اور اسے ایک ادارے کی شکل بھی انہیں کے دور میں حاصل ہوگئی تھی ؛ لیکن اس میں تنظیم اور استحکام پیدا کرنے میں سب سے نمایاں رول حضرت عمرؓ کا ہے، جن کے زمانہ خلافت میں حکومت کے تمام ضروری شعبوں کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کی سب سے بڑی اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسلامی جمہوری حکومت تھی۔ یعنی ان کی حکومت میں ملک وقوم کے تمام مسائل مجلس شوریٰ کے سامنے پیش ہوتے تھے اور وہیں طے کیے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کی مجلس شوری میں مہاجرین وانصار میں سے منتخب اور اکابر اہل الرائے شامل تھے، اور تمام امور کا فیصلہ اتفاق رائے یا کثرت رائے سے ہوتا تھا۔ مجلس شوریٰ کے ممتاز اراکین میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کے نام شامل ہیں۔

حضرت عمرؓ نے امور سلطنت کی انجام دہی کے لیے مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک مجلس عام بھی تشکیل دی تھی۔ اس مجلس میں انصار ومہاجرین کے علاوہ تمام قبیلوں کے سردار شریک ہوتے تھے۔ مجلس کا اجلاس اس وقت طلب کیا جاتا تھا جب کوئی بہت ہی اہم مسئلہ درپیش ہو، ورنہ حکومت کے روزمرہ کے کاموں کے لیے مجلس شوریٰ کے فیصلوں کو کافی سمجھا جاتا تھا۔ ان دونوں مجلسوں کے علاوہ ایک تیسری مجلس خاص بھی تھی جس میں صرف مہاجر صحابہ ہی شریک ہوتے تھے۔

کسی بھی جمہوری حکومت کا امتیاز یہ ہوتا ہے کہ اس میں ہر شخص کو اپنی رائے کے اظہار، حقوق کی حفاظت اور حکومت کے کاموں پر تنقید ونکتہ چینی کا پورا پورا حق حاصل ہو۔ اسی طرح ایک جمہوری حکومت میں حاکم کے اختیارات محدود ہوتے ہیں۔ ان اصولوں کی روشنی میں اگر حضرت عمرؓ کی خلافت کا جائزہ لیا جائے تو وہ ایک خالص جمہوری حکومت تھی جس میں ریاست کا ہر شہری علانیہ اپنی رائے کا اظہار کرسکتا تھا، خلیفہ وقت کے کسی بھی طرز عمل پر اسے ٹوک سکتا تھا اور آزادی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرسکتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں لوگوں کو خلیفہ اور دوسرے حکام پر تنقید ونکتہ چینی کرنے کی عام آزادی حاصل تھی اور یہ آزادی مردوں اور خواتین دونوں کو یکساں طور پر حاصل تھی۔ حج کے دنوں میں سرکاری حکام اور افسروں کو ہدایت ہوتی تھی کہ مکہ میں ضرور حاضر ہوں، اسی طرح عام لوگوں کو بھی ہدایت تھی اگر انہیں کسی حاکم یا افسر سے کسی بھی قسم کی شکایت ہو تو وہاں پیش کریں تاکہ وہیں اس کا ازالہ بھی کیا جاسکے۔

حضرت عمرؓ نے اپنی حکومت کے نظام کو بہتر اور موثر بنانے کے لیے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مملکت کو صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کیا۔ ان کے زمانہ خلافت میں درج ذیل گیارہ صوبے تھے:

1۔مکہ 2۔مدینہ 3۔ شام 4۔جزیرہ 5۔بصرہ 6۔کوفہ 7۔مصر 8۔فلسطین 9۔خراسان

10۔آذربائجان 11۔فارس۔ ہر صوبے میں درج ذیل عہدے دار ہوتے تھے:

1۔صوبے کا حاکم جو والی کہلاتا تھا۔ 2۔کاتب یعنی صوبے کا چیف سکریٹری۔ 3۔کاتب دیوان یعنی محکمہ فوج کا سکریٹری۔ 4۔صاحب الخراج یعنی ٹیکس کلکٹر۔ 5۔صاحب الاحداث یعنی پولس افسر۔ 6۔صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ۔ 7۔قاضی یعنی جج۔ حکومت کے بڑے عہدے داروں کا انتخاب وتقرر عموماً مجلس شوریٰ کے ذریعہ ہوتا تھا۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ حضرت عمرؓ کسی موزوں فرد کا نام پیش کرتے اور مجلس شوری کے ارکان بحث و مباحثہ کے بعد اس کی تصدیق کردیتے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے حکام کی نگرانی کے لیے احتساب کا شعبہ قائم کیا۔ وہ جسے بھی کوئی ذمہ داری دیتے تو اس سے یہ عہد لیتے کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہیں پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازے پر دربان نہیں رکھے گا اور ضرورت مندوں کے لیے ہمیشہ اپنے دروازے کھلے رکھے گا۔ گویا حضرت عمرؓ کی کوشش ہوتی تھی کہ حاکم بھی عام لوگوں کی طرح رہے اور اس پر اقتدار کا نشہ نہ چڑھنے پائے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ اپنے ہر عامل (حاکم) کے مال و اسباب کی ایک فہرست تیار کراتے تھے اور جب کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی اضافے کا علم ہوتا تھا تو اس کا جائزہ لے کر آدھا مال ضبط کرا لیتے تھے۔ ان کے زمانہ خلافت میں لوگوں کو حکام کے خلاف شکایت کرنے کی عام اجازت تھی۔ حکام کے علاوہ حضرت عمرؓ نے عام لوگوں کے اخلاق و عادات کی نگرانی کا بھی انتظام کیا اور مسلم معاشرے کو برائیوں اور رذائل اخلاق سے دور رکھنے کے لیے موثر اقدامات کیے۔

13.4 مملکت کی توسیع اور استحکام

اسلامی فتوحات کا آغاز خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں ہی ہو چکا تھا، ان میں بہت زیادہ وسعت خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں آئی۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں عراق اور شام کے دونوں محاذوں پر مسلم فوجیں برسرِ پیکار تھیں۔ البتہ فتوحات ابھی ابتدائی نوعیت کی تھیں۔ حضرت عمرؓ کے خلافت سنبھالنے کے بعد قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں مشہور صحابی رسول حضرت سعد بن وقاصؓ کی سپہ سالاری میں تیس ہزار مسلمانوں نے ساٹھ ہزار ایرانیوں کو شکست دی اور ایرانی دارالحکومت مدائن پر قبضہ کر لیا۔ نہاوند کے مقام پر ایرانیوں نے ایک بار پھر جمع ہو کر مسلمانوں سے اپنے علاقے واپس لینے کی کوشش کی لیکن اس جنگ میں بھی انہیں بری طرح شکست ہوئی۔ اور اس کے بعد چار پانچ برس کے عرصے میں ایران اور خراسان کے تمام علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔

شام کے محاذ پر یرموک کے میدان میں رومیوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی، اس جنگ میں اسلامی فوج کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنی حیرت انگیز صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک لاکھ سے زائد رومی فوج کو شکست فاش دی، رومیوں کی اس شکست کے بعد قیصر روم ہرقل ہمیشہ کے لیے شام کو چھوڑ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ شام کی فتوحات کے سلسلے میں ہی (یروشلم) بیت المقدس پر مسلمانوں کے قبضے کا اہم واقعہ پیش آیا۔ مسلمانوں نے جب شہر کا محاصرہ کیا تو مقامی عیسائی اس شرط پر شہر مسلمانوں کے حوالے کرنے اور صلح کرنے پر راضی ہوئے کہ حضرت عمرؓ خود بیت المقدس آ کر معاہدہ صلح پر دستخط کریں، یہ پیغام ملنے کے بعد حضرت عمرؓ نے مدینہ میں حضرت علیؓ کو اپنا نائب بنا کر انتہائی سادگی کے ساتھ بیت المقدس کا سفر کیا، اور وہاں کے عیسائیوں کو ایک صلح نامہ لکھ کر دیا، جس میں ان کے جان و مال اور مذہب کی حفاظت کی ضمانت دی گئی تھی۔ اس طرح شام اور فلسطین کے علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔ بعد ازاں مصر کا علاقہ بھی حضرت عمرو بن العاصؓ کی سپہ سالاری میں دو تین برس کے اندر فتح ہو گیا اور موجودہ لیبیا تک کا علاقہ اسلامی حکومت کا حصہ بن گیا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے ساڑھے دس سالہ دور خلافت میں وہ عظیم الشان حکومت قائم کی جو رقبہ اور طاقت دونوں اعتبار سے اپنے زمانے کی سب سے بڑی اور طاقت ور حکومت تھی۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہونے والی فتوحات کے نتیجے میں یہ سوال پیدا ہوا کہ مفتوحہ علاقوں کے انتظام و انصرام کا کیا ہو؟ کیونکہ مسلمانوں کی فتوحات کا مقصد نری ملک گیری نہیں تھا بلکہ وہ دنیا میں عدل و انصاف قائم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فتوحات کے بعد مفتوحہ علاقوں میں اسلامی حکومت کے استحکام پر سب سے پہلے توجہ دی۔ اس سلسلے میں ان کا سب سے اہم اقدام یہ تھا کہ انہوں نے شوریٰ کے مشورے سے مفتوحہ علاقوں کی زمینوں کو مسلمان فوجوں میں تقسیم کرنے کے بجائے انہیں ان کے سابقہ مالکوں کے قبضے میں رہنے دیا اور اس کے بدلے میں ان سے خراج وصول کرنے کا طریقہ اختیار کیا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمان زرعی کاموں میں الجھنے کے بجائے فوجی و انتظامی خدمات سے وابستہ رہے۔ اسلامی حکومت کے استحکام کے لیے حضرت عمرؓ نے دوسرا اہم اقدام یہ کیا کہ مفتوحہ علاقوں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کیں جو بہت جلد مسلمانوں کے اہم

شہروں اور تمدنی مراکز میں تبدیل ہوگئیں۔عراق میں بصرہ،کوفہ اور موصل کے شہر آباد ہوئے تو مصر میں فسطاط اور جیزہ کے شہر بھی حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں آباد ہوئے۔

استحکام حکومت کے سلسلے میں حضرت عمرؓ نے پوری اسلامی مملکت کو صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کردیا اور ان میں مختلف محکموں کے مختلف افسر مقرر کیے۔ اسی طرح عام لوگوں کی سہولت کے لیے حضرت عمرؓ نے زمین کی پیمایش کرائی اور زراعت کی ترقی و پانی کی فراہمی کے لیے کئی نہریں کھدوائیں۔ اسلامی حکومت کے لیے ایک مستقل خزانے کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے شوریٰ کی منظوری کے بعد مدینہ میں ایک بڑا خزانہ قائم کیا اور اس کی شاخیں صوبوں اور ضلعوں میں بھی قائم کیں۔سب کو انصاف ملے اس مقصد کے حصول کے لیے تمام صوبوں اور ضلعوں میں عدالتیں قائم کیں اور ان میں قاضی مقرر کیے۔امن وامان کو یقینی بنانے کے لیے پولس کا محکمہ قائم کیا اور مجرموں کو سماج سے الگ رکھ کر ان کی سزا و تربیت کے لیے جیلیں بنوائیں۔آمد و رفت کو بہتر بنانے کے لیے سڑکیں تعمیر کروائیں اور پیغامات کی ترسیل کو بہتر بنانے کے لیے ڈاک کا محکمہ قائم کیا۔خلیفہ دوم حضرت عمر کے یہ وہ اقدامات ہیں جن کے سبب بڑے پیمانے پر فتوحات کے باوجود اسلامی حکومت مستحکم رہی۔لوگوں کو حکومت سے شکایتیں نہیں رہیں۔اسی لیے ان کے پورے دور خلافت میں شورش یا بغاوت کی ایک بھی مثال نہیں ملتی۔اور ان کا ساڑھے دس سالہ دور خلافت پورے طور پر پرامن رہا۔

13.5 اولیات

کسی بھی حکومت کے لیے دس سال کا عرصہ کوئی بہت زیادہ نہیں ہوتا لیکن حضرت عمرؓ نے صرف ساڑھے دس سال کی مختصر مدت خلافت میں وہ عظیم الشان حکومت قائم کی جو اپنے وقت کی سب سے بڑی اور طاقت ور حکومت تو تھی ہی، اس حکومت میں ہر طرف امن وامان کا بول بالا تھا۔عدل وانصاف عام تھا اور شہریوں کی تمام ضروریات کا خیال رکھا جاتا تھا۔حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں حکومت کے مختلف محکمے قائم کیے جو دیوان کہلاتے تھے۔ انتظام حکومت کو بہتر بنانے کے لیے حضرت عمرؓ نے جو بھی اقدامات کیے یا جو اصلاحات نافذ کیں انہیں اسلامی تاریخ میں 'اولیات عمرؓ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے،یعنی وہ کام جو سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے کیے۔ان میں سے کچھ کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

1۔ خلیفہ اسلام کے لیے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔یہ لقب حضرت عمرؓ کے بعد ہمیشہ کے لیے جاری ہوگیا۔

2۔ اسلامی کیلنڈر سنہ ہجری کا آغاز کیا۔یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے سال سے شروع ہوتا ہے۔اسلامی کیلنڈر کا پہلا مہینہ محرم ہے۔ اس سے قبل دوسرے کیلنڈروں سے اسلامی حکومت کا کام چلتا تھا۔اسلامی کیلنڈر کا آغاز 17ھ، 637ء سے ہوا۔

3۔ حکومت کے انتظامی امور کو چلانے کے لیے حضرت عمرؓ نے اسلامی ریاست کو صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کیا اور مختلف مقامات (صوبائی اور ضلعی مراکز) میں حکومتی امور کی نگرانی وانجام دہی کے لیے مختلف افسران اور حکام کا تقرر کیا۔

4۔ اسلامی حکومت کی فوجی ضروریات کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے باضابطہ فوج کا محکمہ قائم کیا۔فوج سے متعلق تمام امور اور معاملات کی دیکھ بھال اور نگرانی اس محکمے کی ذمہ داری تھی۔

5۔ حضرت عمرؓ نے اسلامی حکومت کے مالی امور کی دیکھ ریکھ کے لیے باضابطہ مالیات کا محکمہ قائم کیا۔یہ محکمہ مسلمانوں اور مملکت کی دیگر رعایا سے ٹیکسوں کی وصولی کرتا تھا اور ان کی تقسیم کا کام بھی اسی محکمے کے ذمہ تھا۔

6۔ اسلامی مملکت کے حدود میں ہر سطح پر امن وامان بحال رہے،اس مقصد کے حصول کے لیے حضرت عمرؓ نے پولس کا محکمہ قائم کیا۔اس محکمے کا نام 'احداث' تھا اور اس کا سربراہ 'صاحب الاحداث' کہلاتا تھا۔

7۔ پوری مملکت میں عدل و انصاف کو یقینی بنانے کے لیے حضرت عمرؓ نے تمام صوبائی و ضلعی مراکز میں عدالتیں قائم کیں اور ان میں فیصلے کرنے کے لیے قاضی مقرر کیے۔

8۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسلامی حکومت کی آمدنی میں بہت زیادہ اضافہ ہوا، لہذا کاموں پر مال خرچ کرنے کے بعد جو اضافی مال بچ رہتا تھا اس کو محفوظ کرنے کے لیے حضرت عمرؓ نے مدینہ میں بیت المال کی عمارت تعمیر کروائی۔ یہ محکمہ مال کی آمد و خرچ کا حساب رکھنے کے علاوہ اس پر بھی نظر رکھتا تھا کہ مال کو اصول و ضابطے کے تحت خرچ کیا جا رہا ہے یا نہیں؟ اس کی نگرانی کے لیے الگ سے افسر بیت المال کا تقرر ہوتا تھا۔

9۔ مملکت میں زراعت کی ترقی اور عشر و خراج کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے حضرت عمرؓ نے زمین کی پیمائش کرائی۔

10۔ حضرت عمرؓ نے اسلامی مملکت کو حقیقی معنوں میں رفاہی مملکت بنانے کے لیے مملکت کے ہر مسلمان شہری کے لیے وظیفہ مقرر کیا۔ اس زمانے میں یہ بہت بڑا انقلابی قدم تھا۔

11۔ وظائف کے نظام کو بہتر اور درست رکھنے کے لیے حضرت عمرؓ نے پہلی مرتبہ مردم شماری (census) کرائی تاکہ رعایا کے حالات پورے طور پر حکومت کے سامنے رہیں۔

12۔ مجرموں کو سزا دینے اور ان کی اصلاح و تربیت کے لیے حضرت عمرؓ نے جیل خانے قائم کیے۔

13۔ مملکت کی پوری پوری خبر رکھنے کے لیے حضرت عمرؓ نے تمام علاقوں میں وہاں کی خبریں حاصل کرنے کے لیے پرچہ نویس مقرر کیے۔

14۔ فوجوں کی بہتر ٹریننگ کے لیے عام شہری آبادیوں سے الگ ہٹ کر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔

15۔ حضرت عمرؓ نے مساجد کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے مسجدوں میں امام اور مؤذن مقرر کیے اور ان کی تنخواہیں بھی مقرر کیں۔

16۔ مملکت میں تعلیم کو عام کرنے کے لیے مکتب اور مدرسے قائم کیے، اور تعلیم دینے والے اساتذہ کے لیے تنخواہیں مقرر کیں۔

17۔ تجارتی، حج اور دیگر قافلوں کی آمد و رفت کو آسان اور محفوظ بنانے کے لیے شاہ راہوں پر چوکیاں قائم کیں اور سرائیں بنوائیں۔

18۔ زراعت کی ترقی کے لیے نہریں کھدوائیں۔

19۔ سڑکیں تعمیر کرائیں۔

20۔ ڈاک کا نظام قائم کیا۔

21۔ غیر مسلموں کو عرب علاقوں میں تجارت کرنے کی اجازت دی۔

22۔ عربوں کو غلام نہ بنائے جانے کا قاعدہ مقرر کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے استنباط پر مبنی تھا۔

23۔ وقف کے طریقہ کو منضبط کیا، جس میں وقف کے مصرف اور اس پر تولیت اور متولی کے اختیارات کو واضح فرمایا۔ اس پہلو سے آپ کو وقف کے طریقہ کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔

24۔ لوگوں میں اصلاح و تبلیغ کے لیے مسجدوں میں وعظ اور تقریر کا طریقہ جاری کیا۔

25۔ مسجدوں میں روشنی کا انتظام کیا۔

13.6 شہادت

فتوحات، حکومت کا انتظام، رعایا کی خیر خواہی اور بطور حکمراں ذمہ داری کا احساس حضرت عمرؓ کے وہ اوصاف حمیدہ ہیں جو دنیا کے حکمرانوں کی

صف میں انہیں ایک مثالی حکمراں بنا کر پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے حکمرانی کے وہ اصول قائم کیے جن پر چلنا دنیا کا ہر اچھا حکمراں اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا ہے۔ بصرہ کے گورنر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے ایک ایرانی مجوسی غلام ابولولو فیروز نے کچھ ایرانی اور عیسائی غلاموں کے ساتھ سازش کر کے 26 ذی الحجہ 32 ہجری کو نماز فجر میں جب کہ آپ امامت کر رہے تھے زہر میں بجھے ہوئے خنجر سے حملہ کر کے زخمی کر دیا اور پکڑے جانے کے خوف سے خود بھی خودکشی کر لی۔ زخمی ہونے کے بعد بھی حضرت عمرؓ تین چار دن زندہ رہے۔ جب زندگی سے مایوسی ہوئی تو جانشینی کے لیے چھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی اور مہینے کی آخری تاریخ کو انتقال کیا۔ یکم محرم 24 ہجری مطابق 7 نومبر 644ء کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

13.7 خلاصہ

حضرت عمرِ فاروقؓ نے اپنے دس سالہ دورِ خلافت میں اسلامی ریاست کی توسیع اور استحکام کے ساتھ ساتھ اسے حقیقی فلاحی ریاست میں تبدیل کر دیا۔ انتظامِ حکومت کو بہتر بنانے کے لیے وہ اقدامات اور اصلاحات کیں جو آج تک مشعل راہ باور کی جاتی ہیں۔ انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے طریقوں پر چلنے کی کوشش کی۔ ہمیشہ ان کے پیش نظر اسلام اور مسلم سماج کا مفاد رہا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے کوئی کام نہیں کیا۔ بیت المال کو عوام کی امانت سمجھا اور حکومت کو ان کی خدمت کا ذریعہ۔

13.8 نمونۂ امتحانی سوالات

(1) خلیفہ عمرؓ نے پہلی مرتبہ .... کرائی تاکہ تمام رعایا کے حالات پورے طور پر حکومت کے سامنے رہیں۔

(2) مصر میں .... اور جیزہ کے شہر بھی حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں آباد ہوئے۔

(3) عراق میں ....، کوفہ اور .... کے شہر حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں آباد ہوئے۔

(4) استحکام حکومت کے سلسلے میں حضرت عمرؓ نے پوری اسلامی مملکت کو صوبوں اور .... میں تقسیم کر دیا۔

(5) خلیفہ عمرؓ کے زمانہ میں کل .... صوبے تھے۔

مختصر جوابی سوالات:

(1) حضرت عمرؓ کے منہج خلافت کو بیان کریں۔

(2) مملکت کو صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس کی تفصیل بیان کیجیے۔

(3) حضرت عمرؓ کی شہادت پر ایک نوٹ لکھیے۔

(4) حضرت عمرؓ کی حیات اور کردار پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

(5) اولیات عمرؓ میں سے چھ کا بیان کیجیے۔

طویل جوابی سوالات:

(1) حضرت عمرؓ کی خلافت کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسلامی جمہوری حکومت تھی۔ اس عبارت پر روشنی ڈالیے۔

(2) حضرت عمرؓ نے حکومت کے انتظام کو بہتر بنانے کے لیے کیا اصلاحات نافذ کیں؟ تفصیل سے لکھیں۔

(3) حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتوحات پر روشنی ڈالیے۔

13.9 سفارش کردہ کتابیں

1۔	خلفائے راشدین	حاجی معین الدین ندوی
2۔	تاریخ تہذیب اسلامی (حصہ دوم)	پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی
3۔	الفاروق	علامہ شبلی نعمانی
4۔	مختصر تاریخ اسلام	غلام رسول مہر
5۔	ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (جلد اول)	ثروت صولت
6۔	ذوالنورین	مولانا سید احمد اکبر آبادی
7۔	صدیق اکبر	مولانا سید احمد اکبر آبادی
8۔	المرتضیٰ	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
9۔	خلافت راشدہ	مولانا عبدالشکور فاروقی
10۔	خلافت راشدہ کا عہدِ زرّیں	قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

۔:oOo:۔

اکائی 14 : خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفانؓ

اکائی کے اجزا

14.1 تمہید
14.2 سیرت و کردار
14.3 خلافت کے لیے انتخاب
14.4 مملکت کی توسیع
14.5 شہادت
14.6 خلاصہ
14.7 نمونۂ امتحانی سوالات
14.8 سفارش کردہ کتابیں

14.1 تمہید

پچھلی اکائی میں ہم نے دیکھا خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطابؓ کی حیات اور ان کے کارناموں کو۔ان کے دور میں منہج خلافت اور مملکت کی توسیع اور استحکام کا بھی جائزہ لیا گیا۔ اس اکائی میں ہم ایک نظر خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفّان کی سیرت و کردار پر ڈالیں گے ۔ان کے دور میں جو مزید فتوحات ہوئیں ان کا بھی تذکرہ کیا جائے گا۔انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نرمی اور حضرت عمر فاروقؓ کی سیاست کو اپنے لیے رہنما بنایا۔لیکن آپ کے آخری دور میں فتنہ وفساد برپا ہوا،جس کے اسباب پر بھی ہم اس اکائی میں روشنی ڈالیں گے۔

14.2 سیرت و کردار

خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کا نام عثمان،کنیت ابوعبداللہ اور ابوعمرو اور لقب ذوالنورین تھا۔والد کا نام عفان اور والدہ کا نام اروی تھا جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی ام حکیم کی بیٹی تھیں۔حضرت عثمانؓ کا تعلق قریش کے دوسرے سب سے بااثر خاندان بنوامیہ سے تھا۔وہ ایک مالدار گھرانے کے کامیاب تاجر تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے ابتدائی آٹھ لوگوں میں شامل تھے۔اپنی مالداری کی وجہ سے غنی کہلاتے تھے،اور اپنی دولت کو اسلام کے لیے انہوں نے وقف کر رکھا تھا۔حضرت عثمانؓ نے دو ہجرتیں کیں،پہلی حبشہ کی جانب اور دوسری مدینہ کو۔ان کی زوجیت میں یکے بعد دیگرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحب زادیاں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ آئیں،اور اسی لیے ذوالنورین ان کا لقب مشہور ہوا۔ہجرت نبوی سے 47 برس قبل پیدا ہوئے،چونتیس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا۔چونکہ وہ قریش کے ایک مالدار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اس لیے گمان غالب ہے کہ بچپن میں ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا ہوگا۔اسلام کے راستے میں حضرت عثمانؓ کی قربانیاں بہت زیادہ ہیں۔ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کو پانی کی بہت پریشانی تھی،

حضرت عثمانؓ نے بئر رومہ نامی کنویں کو جس کا مالک ایک یہودی تھا اس سے خرید کر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ اسی طرح تبوک کی فوجی مہم کا ایک تہائی خرچ حضرت عثمانؓ نے دیا تھا۔ غزوہ بدر کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے، غزوہ بدر میں اس لیے شریک نہیں ہو سکے تھے کہ ان کی اہلیہ حضرت رقیہؓ شدید بیمار تھیں اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تیمار داری کے لیے انہیں مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عثمانؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں خلفا کی شوریٰ کے ایک معزز رکن رہے۔

14.3 خلافت کے لیے انتخاب

خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے مرض الموت میں جب لوگوں نے اصرار کیا کہ اپنے بعد جانشینی کا مسئلہ طے کر جائیں تو انہوں نے چھ آدمیوں پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی اور تاکید کر دی کہ ان کی وفات کے بعد تین دنوں کے اندر ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ چھ نام یہ تھے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ۔

حضرت عمر فاروقؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد ان کے جانشین کے انتخاب کا مرحلہ پیش آیا۔ دو دنوں تک اس معاملے پر بحث و گفتگو ہوتی رہی لیکن لوگ کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے۔ تیسرے دن حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے کہا کی حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق خلیفہ چھ میں سے کسی ایک کو ہونا چاہیے، لیکن اب اسے تین تک محدود کر دینا چاہیے لہٰذا جو اپنے خیال میں جسے زیادہ مستحق سمجھتا ہو اس کا نام پیش کرے۔ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کا نام پیش کیا، حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کا نام پیش کیا اور حضرت سعد بن وقاصؓ نے حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کا۔ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے کہا کہ میں اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں، لہٰذا اب صرف دو نام رہ گئے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ۔ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے کہا کہ ان میں سے جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سنت شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی پابندی کا عہد کرے گا اسے خلیفہ منتخب کر لیا جائے گا۔ اس کے بعد وہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں سے الگ الگ ملے اور کہا کہ آپ دونوں فیصلے کا حق مجھے دے دیں، دونوں ہی اس پر راضی ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے لوگوں میں گھوم پھر کر ان کا عندیہ معلوم کیا اور پھر تمام صحابہ کرام کو مسجد نبوی میں جمع کیا اور ایک مختصر تقریر کے بعد حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ ان کا بیعت کرنا تھا کہ تمام حاضرین بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ اس طرح خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ محرم 24 ہجری میں عام اتفاق سے خلیفہ منتخب ہوئے اور اس وقت کی سب سے طاقت ور حکومت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں آئی۔

14.4 مملکت کی توسیع

حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں بیرونی فتوحات کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں وہ اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ چنانچہ ان کے دور خلافت میں شام، مصر اور ایران کے ممالک فتح ہو کر مملکت اسلامی کا حصہ بن چکے تھے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے مملکت کے انتظام کو چلانے کے لیے ایک دستور العمل بنا دیا تھا۔ لہٰذا جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو ان کے لیے میدان بالکل صاف تھا، انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نرمی اور حضرت عمر فاروقؓ کی سیاست کو اپنے لیے رہنما بنایا اور ابتدائی دور میں اسی پالیسی پر گامزن رہے۔ حضرت عثمانؓ کا بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتح کیے جانے والے علاقوں میں اسلامی حکومت کی بنیادوں کو مستحکم کیا۔ بعض علاقوں میں کچھ قوموں نے بغاوت کے لیے سر اٹھایا تو حضرت عثمانؓ نے اپنے حسن تدبیر اور حسن عمل سے انہیں اس طرح دبا دیا کہ پھر ان علاقوں میں کبھی بھی کوئی خودسری پر آمادہ نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی باہمی کش مکش کے زمانے میں بھی انہیں بغاوت کی ہمت نہیں ہوئی۔

بغاوتوں کا خاتمہ کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت عثمان کے زمانے میں بھی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ ان کے زمانۂ خلافت میں بڑے پیمانے پر فتوحات ہوئیں اور اسلامی مملکت کی سرحدیں وسیع سے وسیع تر ہوتی گئیں۔ ایران کے بعض علاقوں میں بغاوت ہوئی اور وہاں کے باشندوں نے

خراج دینا بند کر دیا تو اسے کچلنے کے علاوہ اسلامی فوجوں نے ایران کے وہ علاقے بھی فتح کر کے اسلامی مملکت میں شامل کر لیے جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتح ہونے سے رہ گئے تھے۔ اس طرح ایران کی فتوحات کی تکمیل حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوئی۔ اسلامی فوجوں نے مزید آگے بڑھ کر وسطی ایشیا میں ماوراء النہر اور جنوبی ایشیا میں ہرات اور کابل تک کے علاقے فتح کر لیے اور ہمیشہ کے لیے یہ علاقے اسلامی مملکت کا حصہ بن گئے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت کا ایک بڑا کارنامہ طرابلس کی فتح کا ہے، یہ مہم مصر کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح کی سرکردگی میں شروع ہوئی، ان کی مدد کے لیے ایک بڑا لشکر حضرت عثمانؓ نے دارالخلافہ مدینہ سے بھی بھیجا۔ اور اسلامی افواج نے متعدد معرکہ آرائیوں کے بعد طرابلس کے لوگوں کو شکست تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ وہاں کے امرا نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ ممکن نہیں ہے تو پچیس لاکھ دینار پر مصالحت کر لی۔ طرابلس کے علاوہ افریقہ میں الجزائر، تیونس اور مراکش کے علاقے بھی حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اسلامی مملکت کا حصہ بنے۔ ان علاقوں کی فتح کے بعد مسلمانوں کے لیے یورپ کی فتح کے دروازے بھی کھل گئے۔ چنانچہ حضرت عثمان کے دور خلافت میں 27 ہجری میں اسپین کے لیے پہلی فوجی مہم بھیجی گئی اور اس نے اسپین کے بعض علاقے فتح بھی کر لیے لیکن پھر اسے روک دیا گیا۔ شام کے علاقے میں رومیوں نے بھی مسلمانوں سے کچھ چھیڑ چھاڑ شروع کی تو حضرت عثمانؓ نے عراق سے ایک فوجی دستہ حضرت امیر معاویہؓ کی مدد کے لیے شام بھیجا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے نہ صرف یہ کہ رومی فوجوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا بلکہ شام کی سرحدوں سے متصل ایشیائے کوچک کے بعض علاقے فتح کر کے اسلامی مملکت میں شامل کر لیے۔

یہ تو تھیں برّی فتوحات جو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں حاصل ہوئیں۔ ان کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے برّی جنگ کے ساتھ ساتھ بحری جنگ میں بھی اپنی برتری اور بالادستی کو تسلیم کروا لیا۔ مسلمانوں نے بحری جہاز اور بحری جنگ کے لیے ابتدائی تربیت حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہی حاصل کر لی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ بحری جنگ کے خلاف تھے اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو بحری جنگ کی اجازت نہیں دی۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اپنی خلافت کے ابتدائی زمانے میں اس کی اجازت نہیں دی، لیکن 28 ہجری میں شام کے گورنر حضرت امیر معاویہؓ نے ایک بار پھر خلیفۂ وقت سے قبرص پر بحریہ کے ذریعے حملے کی اجازت مانگی۔ قبرص (سائپرس) بحیرہ روم میں شام کے قریب ایک بہت ہی زرخیز اور خوبصورت جزیرہ ہے اور یورپ کی طرف سے مصر اور شام کی فتح کا دروازہ ہے۔ یہ جزیرہ رومیوں کے قبضے میں تھا اور مسلمانوں کو ہمیشہ یہاں سے رومیوں کی جانب سے شام پر حملے کا دھڑکا لگا رہتا تھا، چنانچہ امیر معاویہ اسے فتح کر کے ہمیشہ کے لیے خطرے کے اس دروازے کو بند کر دینا چاہتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے لشکر کشی کی اجازت دے دی۔ چنانچہ مسلمان اسلامی بحری بیڑے کے ساتھ قبرص پر حملہ آور ہوئے اور بہت جلد اس پر قبضہ کر لیا۔ قبرص والوں نے صلح کر لی لیکن جلد ہی اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے رومی جہازوں کی مدد کی جس کے بعد امیر معاویہؓ نے دوبارہ قبرص پر لشکر کشی کر کے اسے اسلامی مملکت میں شامل کر لیا۔ اس طرح خلیفہ سوم نے اسلامی مملکت کو اتنی وسعت دی کہ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے علاقے اس کی سرحدوں میں شامل تھے۔ انہوں نے مملکت کی توسیع کے ساتھ اس کے استحکام پر بھی توجہ دی اور انتظامی شعبوں کو مزید بہتر بنایا۔

14.5 شہادت

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال بہت امن و اطمینان کے ساتھ گزرے۔ اس دوران بڑے پیمانے پر فتوحات ہوئیں، مال غنیمت کی فراوانی رہی، خراج میں اضافہ ہوا، زراعت اور تجارت میں بھی کافی ترقی ہوئی۔ حکومت کا نظم و نسق بہت اچھا تھا، لوگوں کے وظیفے بہت زیادہ بڑھا دیے گئے۔ آمدنی کے دیگر ذرائع میں بھی اضافہ ہوا، پوری مملکت میں خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ رہا، نتیجے کے طور پر سادگی اور بے تکلفی کا زمانہ جاتا رہا، زیادہ تر لوگ عیش و عشرت میں پڑ گئے۔ حضرت عثمانؓ کے آخری دور میں جو فتنہ اور فساد برپا ہوا وہ مسلمانوں کی اسی دولت مندی اور خوش حالی کا نتیجہ تھا، کیوں کہ دولت کی فراوانی نے لوگوں کے اندر قومی مفاد پر انفرادی و گروہی مفاد پرستی کے رجحان کو فروغ دیا، اور جب کسی قوم میں یہ رجحان پیدا ہو جائے تو

اس کا زوال آمادہ ہونا ضروری ہے۔ البتہ یہ واحد سبب نہیں تھا جس کی وجہ سے فتنہ وفساد برپا ہوا بلکہ اس کے ساتھ بعض دوسرے اسباب بھی تھے، مثلاً:

1۔ ایک وجہ یہ تھی کہ اکابر صحابہ کرام جو براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے، دھیرے دھیرے ختم ہوتے جارہے تھے۔ جو بچے تھے وہ بڑھاپے کے سبب سماجی زندگی سے الگ تھلگ پڑ گئے تھے۔ ان کی جگہ اب ان کی اولاد لے رہی تھی اور نئی نسل دینداری و راستبازی میں اپنے بزرگوں سے بہرحال کمتر تھی۔ لہذا عام لوگوں پر ان کے وہ اثرات نہ تھے جو ان سے پہلے لوگوں کے تھے۔

2۔ عرب کے مخصوص سماجی حالات میں قریش کے لوگوں کو انتظامی امور میں جو فوقیت حاصل تھی، اس کے سبب ان کی نئی نسل اسے اپنا موروثی حق سمجھنے لگی اور دوسرے عرب قبیلوں کو اپنا محکوم۔ اس کے نتیجے میں عام عرب قبائل میں اس رجحان کو فروغ ملا کہ چونکہ ہم بھی ملکی فتوحات میں برابر کے شریک ہیں لہذا وظائف کے معاملے میں قریش اور دیگر عرب قبائل میں برابری ہونی چاہیے۔

3۔ اسلامی مملکت میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر قومیتوں کے لوگ بھی آباد تھے اور یہ وہ لوگ تھے جو پہلے حاکم رہ چکے تھے، لہذا فطری طور پر ان میں مسلمانوں کے خلاف انتقامی جذبات پائے جاتے تھے جن کا اظہار کھلے عام وہ نہیں کر سکتے تھے، اس لیے انہوں نے مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کردیں، ان میں مجوسی اور یہودی پیش پیش تھے۔

4۔ حضرت عثمانؓ کی شرافت، نرم دلی اور بردباری کے سبب شرارت پسندوں کے حوصلے بہت زیادہ بڑھ گئے تھے۔

5۔ حضرت عثمانؓ اپنے خاندان، بنوامیہ کے لوگوں کو اپنے مال سے نوازتے رہتے تھے لیکن شرارت پسندوں نے عام لوگوں میں یہ بات پھیلائی کہ حضرت عثمانؓ سرکاری بیت المال سے اپنے خاندان والوں کو نوازتے ہیں۔

6۔ مسلمانوں کی نئی نسل کے اندر امیر کی اطاعت وفرماں برداری کا وہ جذبہ نہیں تھا جو کہ پہلی نسل میں تھا، اس لیے حضرت عثمانؓ کو حکومت کے نظم ونسق کو چلانے کے لیے اپنے خاندان (بنوامیہ) سے زیادہ لوگ لینے پڑے۔

7۔ دیگر قومیں شورش پسندوں کا اس لیے ساتھ دے رہی تھیں کہ اس طرح انہیں امید تھی کہ ان کے حالات بدل جائیں گے۔

اس طرح دیکھا جائے تو شورش پسندوں کے ذریعے مختلف گروہ مختلف مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اور وہ مختلف الخیال ہوتے ہوئے بھی حکومت اور اس کے کارکنوں کی مخالفت میں ہم خیال تھے۔ اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک یہودی نومسلم عبداللہ بن سبا نے نہایت ہی عیاری کے ساتھ سب کو ایک نقطے پر متحد کردیا، اور وہ تھا حضرت عثمانؓ اور ان کے خاندان بنوامیہ کی مخالفت۔ اس نے پوری اسلامی مملکت میں اپنے گروہ کے لوگوں کو پھیلا دیا جو بظاہر تو متقی اور پرہیزگار ہوتے تھے لیکن سرکاری حکام کو بدنام کرنے اور انہیں تنگ کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ اسی طرح یہ لوگ اپنی پرہیزگاری کی آڑ میں حضرت عثمانؓ کی کنبہ پروری اور ناانصافی کی جھوٹی کہانیاں گھڑ کر لوگوں میں پھیلاتے تھے۔ کوفہ، بصرہ اور مصر ان فتنہ پردازوں کے بڑے مراکز تھے۔ دارالخلافہ مدینہ میں بھی شر پسندوں کی ایک جماعت موجود تھی جو مختلف بہانوں سے حضرت عثمانؓ کو تنگ کیا کرتی تھی۔ شر پسندوں کے مختلف گروہوں کی جانب سے حضرت عثمانؓ کے خلاف جو بے بنیاد الزامات لگائے جاتے تھے ان کی تفصیل یہ ہے۔

ا۔ انہوں نے اکابر صحابہ کو اہم عہدوں سے معزول کرکے اپنے خاندان کے نااہل اور ناتجربہ کار لوگوں کو عہدے دیے۔

2۔ بیت المال میں بے جا تصرف کیا اور اس کے مال سے اپنے عزیزوں کو نوازا۔

3۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ جیسے اکابر صحابہ کے روزینے بند کردیے۔

4۔ مدینہ کے اطراف میں بقیع کو سرکاری چراگاہ بنا دیا اور عام لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا۔

5۔ مدینہ کے بازار میں بعض چیزوں کی خرید وفروخت اپنے لیے مخصوص کر لی۔ خاص طور پر کھجور کی گھٹلیاں امیر المومنین کے ایجنٹ کے علاوہ

کوئی نہیں خرید سکتا تھا۔

6۔ اپنے قرابت داروں اور حاشیہ نشینوں کو ملک کے اطراف میں بڑی بڑی زمینیں دیں۔

7۔ بعض اکابر صحابہ کی تذلیل کی اور انہیں جلا وطن کیا۔

8۔ زید بن ثابتؓ کے تیار کردہ مصحف کے علاوہ تمام مصاحف کو جلا دیا۔

9۔ حدود جاری (نافذ) کرنے میں غفلت سے کام لیا۔

10۔ فرائض وغیرہ میں مشہور کے بجائے شاذ روایتوں پر عمل کیا۔

11۔ مذہب میں نئی بدعتیں پیدا کیں۔

مذکورہ الزامات میں زیادہ تر جھوٹے ہیں اور متعدد میں رنگ آمیزی کر کے ان کی صورت بدل دی گئی ہے۔ تحقیق کی کسوٹی پر ان میں سے کوئی بھی الزام کھرا نہیں اترتا۔ اکابر صحابہ کو عہدوں سے معزول کرنے، ان کے روزینے بند کرنے اور ان کی تذلیل کرنے کے الزامات سراسر بے بنیاد ہیں۔ اسی طرح بیت المال سے اقربا پروری اور نااہل اہل خاندان کو عہدے دینے کا الزام بھی بے بنیاد ہے۔ حضرت عثمانؓ خود بہت زیادہ مال دار تھے اور جن لوگوں کو عہدے دیے تھے انہوں نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کا لوہا خود منوالیا۔ سرکاری چراگاہ چونکہ حکومت نے سرکاری گھوڑوں کے لیے بنوائی تھی اور جب سرکاری گھوڑے ہی بہت زیادہ تعداد میں تھے تو عام لوگوں کو اس سے روکنا کوئی غلط بات نہ تھی۔ اسی طرح مدینہ کے بازار میں چیزوں کی خرید وفروخت کو اپنے لیے مخصوص کرانے کا الزام بھی غلط ہے، ہاں کھجور کی گھٹلیاں زکاۃ کے اونٹوں کی خوراک کے لیے خریدی جاتی تھیں۔

اس طرح دیکھا جائے تو شرارت پسندوں کے سبھی الزامات بے بنیاد اور جھوٹے تھے، اس کے باوجود ان کی سازشوں کے نتیجے میں غلط فہمیاں اس درجہ بڑھ گئی تھیں کہ تمام تر کوششوں کے باوجود ان کا ازالہ نہیں کیا جاسکا اور تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ فتنہ پردازوں اور شورش پسندوں کا زور روز بہ روز بڑھتا ہی رہا یہاں تک کہ 35 ہجری کے موسم حج میں کوفہ، بصرہ اور مصر کے فتنہ پرداز ایک طے شدہ منصوبے کے تحت حاجیوں کے بھیس میں مدینہ پہنچ گئے تا کہ اپنے مطالبات تسلیم کرواسکیں۔ انہوں نے حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ اور حضرت علیؓ کو بیچ میں ڈالنا چاہا لیکن ان سب نے اس جھگڑے میں پڑنے سے منع کر دیا۔ حضرت عثمانؓ چونکہ خود اصلاح کے خواہاں تھے اس لیے مفسدین کے اجتماع کی خبر پا کر انہوں نے حضرت علیؓ کو بلایا اور کہا کہ آپ ان لوگوں کو راضی کر کے واپس بھیج دیں، میں ان کے جائز مطالبات تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوں۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی کوششوں سے یہ لوگ واپس ہو گئے۔ اس کے بعد توقع تھی کہ اصلاحات عمل میں آئیں گی اور فتنہ وفساد کا خاتمہ ہو جائے گا، لیکن یہ امید امید ہی رہ گئی۔ اچانک فتنہ پردازوں کا گروہ انتقام انتقام کی صدائیں بلند کرتا ہوا واپس آ گیا۔ حضرت علیؓ نے صورت حال دریافت کی تو پتہ چلا کہ راستے میں انہوں نے دربار خلافت کے ایک قاصد کو مشتبہ حالت میں پکڑا اور تلاشی لینے پر ایک ایسا فرمان اس کے پاس سے برآمد ہوا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ مصر پہنچتے ہی ان لوگوں کی گردن مار دی جائے، ہم اس کا انتقام لینے آئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کو اس کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے اس طرح کے کسی فرمان سے لاعلمی کا اظہار کیا اور قسم کھا کر کہا کہ مجھے مطلقاً اس خط کی اطلاع نہیں ہے۔ ان لوگوں نے اب مطالبہ شروع کر دیا کہ حضرت عثمانؓ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے اس سے انکار کر دیا۔ اس پر ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا جو چالیس دن تک جاری رہا۔ اس دوران ان لوگوں نے ان کے گھر میں پانی کی فراہمی تک روک دی، انہیں مسجد میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔ مدینہ میں موجود بڑے صحابہ کرام نے بیچ بچاؤ کرنے کی کوشش کی لیکن شرارت پسندوں نے کسی کی بھی نہ سنی۔ حضرت عثمانؓ کے جاں نثار شرارت پسندوں کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے سختی کے ساتھ اس سے منع کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے خود باغیوں کو رام کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود رہی۔ بالآخر باغی حضرت عثمانؓ کے گھر کی دیوار پھاند کر ان کے گھر کے اندر داخل ہو گئے، جمعہ کا

دن تھا، حضرت عثمانؓ روزے سے تھے اور قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے، باغیوں نے کسی بھی چیز کی پروانہیں کی اور انہیں شہید کر دیا۔ان کی اہلیہ حضرت نائلہؓ جوان کے پاس ہی تھیں انہوں نے تلوار کا وار روکنا چاہا تو ان کے ہاتھ کی تین انگلیاں شہید ہوگئیں۔ دو دن تک حضرت عثمانؓ کی لاش بے گور وکفن پڑی رہی۔ پورے مدینے پر باغیوں کا قبضہ تھا، ان کے خوف سے کوئی باہر نہ نکلتا تھا۔سنیچر اور اتوار کی درمیانی شب چند آدمیوں نے خود کو خطرے میں ڈال کر تجہیز وتکفین کی ہمت کی اور بغیر غسل دیے اسی طرح خون آلود کپڑوں میں شہید خلیفہ کا جنازہ اٹھایا۔کل سترہ آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی اور جنت البقیع کے پیچھے انہیں دفن کر دیا۔(اب یہ حصہ جنت البقیع میں شامل ہے)۔

14.6 خلاصہ

خلاصہ یہ کہ خلفائے راشدین حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشین تھے۔ان میں سے ہر ایک نے پورے طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے اور عمل کرنے کی کوشش کی۔حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی نرمی اور حضرت عمر فاروقؓ کی سیاست کو اپنے لیے رہنما بنایا۔ان کا آخری زمانہ شورش کی نذر ہوگیا۔ جب کچھ لوگوں نے ان کی نرمی سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے نہ صرف اسلامی حکومت کے استحکام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی بلکہ انھیں شہید کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اپنے سے پہلے خلفا کے طریقوں پر چلنے کی کوشش کی۔ ہمیشہ ان کے پیش نظر اسلام اور مسلم سماج کا مفاد رہا۔ آپ کو یہ شرف حاصل ہے کے آپ کا لقب ''ذوالنورین'' اور ''ذوالھجر تین'' ہے۔

14.7 نمونۂ امتحانی سوالات

(1) حضرت عثمانؓ نے دو ہجرتیں کیں، پہلی حبشہ کی جانب اور دوسری مدینہ کو، اس کی بنا پر آپ کا لقب ''..........'' ہوا۔

(2) جزیرہ قبرص رومیوں کے قبضے میں تھا اور مسلمانوں کو ہمیشہ یہاں سے رومیوں کی جانب سے علاقہ .... پر حملے کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔

(3) شمالی افریقہ میں طرابلس، الجزائر، تیونس کے علاوہ .... کا علاقہ بھی حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اسلامی مملکت کا حصہ بنا۔

(4) ایران کی فتوحات کی تکمیل خلیفہ .... کے زمانے میں ہوئی۔

(5) خلیفہ عثمانؓ کو جنت البقیع کے .... دفن کیا گیا۔

مختصر جوابی سوالات:

(1) حضرت عثمانؓ کی سیرت اور کردار پر ایک نوٹ لکھیے۔

(2) خلیفہ عثمانؓ کی جانشینی پر روشنی ڈالیے۔

(3) خلافت عثمانؓ میں مسلمانوں نے بحری جنگ میں اپنی برتری اور بالادستی کو تسلیم کروالیا۔اس عبارت کو واضح کیجیے۔

(4) ''شرارت پسندوں کے حضرت عثمانؓ کے خلاف سبھی الزامات بے بنیاد اور جھوٹے تھے''، تفصیل سے لکھیے۔

(5) ''حضرت عثمانؓ کے آخری دور میں جو فتنہ اور فساد برپا ہوا وہ مسلمانوں کی اسی دولت مندی اور خوش حالی کا نتیجہ تھا'' کیا یہ صحیح ہے؟

طویل جوابی سوالات:

(1) حضرت عثمانؓ کے زمانے میں مملکت کی توسیع تفصیل سے بیان کریے۔

(2) حضرت عثمانؓ کے زمانے میں شورش کے اسباب پر روشنی ڈالیے۔

(3) شر پسند مخالفین کی جانب سے حضرت عثمانؓ کے خلاف جو بے بنیاد الزامات لگائے جاتے تھے ان کی تفصیل پیش کیجیے۔

(4) حضرت عثمانؓ کے عہد پر مضمون لکھیے۔

(5) خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کی سیاسی اور مذہبی خدمات پر ایک تفصیلی مضمون لکھیے۔

14.8 سفارش کردہ کتابیں

1۔	خلفائے راشدین	حاجی معین الدین ندوی
2۔	تاریخ تہذیب اسلامی (حصہ دوم)	پروفیسر لیٰسین مظہر صدیقی
3۔	الفاروق	علامہ شبلی نعمانی
4۔	مختصر تاریخ اسلام	غلام رسول مہر
5۔	ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (جلد اول)	ثروت صولت
6۔	ذوالنورین	مولانا سید احمد اکبر آبادی
7۔	صدیق اکبر	مولانا سید احمد اکبر آبادی
8۔	المرتضیٰ	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
9۔	خلافت راشدہ	مولانا عبدالشکور فاروقی
10۔	خلافت راشدہ کا عہدِ زرّیں	قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

۔:oOo:۔

اکائی 15: خلیفہ چہارم حضرت علی بن ابی طالبؓ

اکائی کے اجزا

15.1 تمہید
15.2 سیرت وکردار
15.3 خلافت کے لیے انتخاب
15.4 اختلاف اور اس کے اسباب
15.5 مشہور واقعات
15.5.1 جنگ جمل
15.5.2 کوفہ دار الخلافہ
15.5.3 جنگ صفین
15.6 خوارج کا فتنہ اور حضرت علیؓ کی شہادت
15.7 خلاصہ
15.8 نمونہ امتحانی سوالات
15.9 سفارش کردہ کتابیں

15.1 تمہید

پچھلی اکائی میں ہم نے خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفّان کی سیرت وکردار اور خدمات کا جائزہ لیا۔ ان کے دور میں جو مزید فتوحات ہوئیں ان کا تذکرہ کیا گیا۔ آپ کے آخری دور میں جو فتنہ وفساد برپا ہوا اس کے اسباب بھی بیان کیے گئے۔ اس اکائی میں ہم روشنی ڈالیں گے حضرت علیؓ کی بیعت اور آپ کے دور کے اہم ومشہور واقعات پر۔ نیز خوارج کا فتنہ، اس کے اسباب وآثار، خلافتحضرت علیؓ کے دور میں، کا تذکرہ بھی شامل کیا جائے گا۔

15.2 سیرت وکردار

چوتھے خلیفۂ اسلام حضرت علیؓ کا نام علی، ابوالحسن اور ابوتراب کنیت اور حیدر لقب تھا۔ والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے اور بعد میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ ان کے نکاح میں آئیں۔ اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے چھوٹے داماد بھی ہوئے۔ حضرت علیؓ کی پرورش کی ذمہ داری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لے رکھی تھی اور وہ آپ کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ نبوت سے دس برس قبل پیدا ہوئے۔ حضرت علیؓ پہلے چار مسلمانوں میں شامل ہیں، صرف دس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ مکہ میں

قرآن مجید کی کتابت کی خدمت بھی انجام دی، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے بستر پر سونے والے حضرت علیؓ ہی تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند دنوں کے بعد مدینہ کو ہجرت کی، تمام غزوات میں شریک رہے اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ حضرت علیؓ انتہائی بہادر، معاملہ فہم اور علوم اسلامی کے ماہر تھے۔ قضا اور عدالت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔تمام عمر سادہ زندگی گزاری۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یمن کے گورنر بنائے گئے۔ تینوں خلفاء راشدین کی شوریٰ کے رکن رہے۔ اور انہیں صفات کی وجہ سے مدینہ کے لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ان سے خلیفہ بننے پر اصرار کیا، مدینہ کی اکثریت نے انہیں چوتھا خلیفہ راشد منتخب کیا، صرف چند لوگوں نے بیعت نہیں کی۔

15.3 خلافت کے لیے انتخاب

حضرت عثمانؓ کی شہادت بالکل غیر معمولی حالات میں ہوئی۔ کسی کو گمان بھی نہیں تھا کہ فتنہ پرداز اس حد تک چلے جائیں گے کہ خلیفہ راشد کو شہید کر دیں گے۔ بہرحال یہ ناخوش گوار واقعہ پیش آیا اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دنوں تک خلافت کا منصب خالی رہا۔ سب جانتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ مستحق حضرت علیؓ ہیں۔ مدینہ کے لوگ آ آ کر حضرت علیؓ سے اصرار کرتے تھے کہ خلافت قبول کر لیں لیکن حضرت علیؓ انکار کرتے رہے۔ لیکن تیسرے دن جب مہاجرین و انصار کا اصرار بہت زیادہ بڑھا تو حضرت علیؓ خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے پر راضی ہوئے، کیوں کہ اب اندیشہ ہو چلا تھا کہ اگر انہوں نے خلافت کی ذمہ داری قبول نہ کی تو اسلامی امت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ چنانچہ 21 ذی الحجہ 35 ہجری (20 جون 656ء) کو دوشنبہ کے دن مسجد نبوی میں عام لوگوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی؛ صرف 17 یا 22 صحابہ کرام کے علاوہ مدینہ کے تمام مہاجرین و انصار بیعت کرنے والوں میں شامل تھے۔ حضرت علیؓ نے جن حالات میں خلافت کی ذمہ داری سنبھالی وہ انتہائی افراتفری کا زمانہ تھا۔ اگر حضرت علیؓ اس وقت خلافت کی ذمہ داری قبول کرنے پر راضی نہ ہوتے تو حالات امت کو جانے کہاں لے جاتے۔ بہرحال انتہائی نازک حالات میں حضرت علیؓ نے خلافت کی ذمہ داری قبول کی اور اپنی امارت کے پورے دور میں عزم و حوصلہ اور ہمت کے ساتھ حالات کی اصلاح کے لیے کوششیں کرتے رہے۔

15.4 اختلاف اور اس کے اسباب

جیسا کہ پہلے عرض ہوا حضرت علیؓ نے انتہائی غیر معمولی حالات میں خلافت کی ذمہ داری سنبھالی۔ اور پہلے ہی مرحلے میں یہ بات بھی سامنے آ گئی کہ ان کے خلیفہ بننے پر سارے لوگ متفق نہیں ہیں۔ انصار و مہاجرین کی اکثریت نے انہیں خلیفہ منتخب کر لیا تھا لیکن صحابہ کرام اور دیگر لوگوں کی ایک جماعت تھی جس نے خود کو اس پورے عمل سے الگ رکھا تھا، اس طرح اختلاف گویا شروع میں ہی سامنے آ گیا تھا۔ خلیفہ بننے کے بعد حضرت علیؓ کے سامنے سب سے بڑا چیلنج یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ لگائیں اور انہیں قرار واقعی سزا دیں، لیکن ان کے ساتھ مشکل یہ ہوئی کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے خلاف کسی کے پاس کوئی پکی شہادت (گواہی) نہیں تھی۔ ایک اور مشکل یہ پیش آئی کہ فتنہ پرداز جو بڑی تعداد میں مدینہ میں موجود تھے وہ نہ صرف یہ کہ مدینہ پر چھائے ہوئے تھے بلکہ کئی حضرت علیؓ کی بیعت کر کے ان کے حامیوں میں شامل ہو گئے تھے اور ان پر حضرت علیؓ کا کوئی قابو نہیں تھا۔ دوسری جانب وہ لوگ تھے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے قصاص کا مطالبہ کر رہے تھے۔ گو کہ مدینہ میں ان دونوں گروہوں کے علاوہ بھی ایک گروہ ایسا موجود تھا جو حضرت علیؓ کو خلیفہ برحق مانتا تھا لیکن کسی وجہ سے ان کا ساتھ دینے سے گریزاں تھا، نتیجہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ پوری طرح مجبور تھے۔ قصاص کا مطالبہ کرنے والوں سے حضرت علیؓ اپنی مجبوری بیان کرتے تھے لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی، یہاں تک کہ اس گروہ نے حضرت علیؓ کی کھلم کھلا مخالفت کر کے بطور خود شہادت عثمانؓ کا بدلہ لینے اور ان کے قاتلوں کو انجام تک پہنچانے کا تہیہ کر لیا۔ جو لوگ حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کر رہے تھے ان میں نمایاں نام ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے تھے۔

حضرت علیؓ جو یہ سمجھتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں سارا جھگڑا اور فتنہ وفساد گورنروں اور افسروں کی بے اعتدالیوں کے سبب تھا اور یہی ان کی مظلومانہ شہادت کی وجہ بنا، لہٰذا انہوں نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی سب سے پہلے نظم ونسق کے اس اہم مسئلے پر توجہ دی اورعوام کے اندر حکومت کا اعتماد بحال کرنے اور انہیں مطمئن کرنے کے مقصد سے انہوں نے پہلے اقدام کے طور پر حضرت عثمانؓ کے زمانے کے تمام گورنروں اور افسروں کومعزول کردیا اوران کی جگہ نئے گورنر اور افسر مقرر کیے۔ اس طرح حضرت علیؓ عام لوگوں تک یہ پیغام پہنچانا چاہتے تھے کہ خلیفہ وقت نے حالات کی اصلاح اور درستی کے لیے کام شروع کردیا ہے۔ لیکن یہ حضرت علیؓ کا اس وقت کے حالات کے لحاظ سے ایک ایسا سیاسی تسامح تھا جس نے حالات کا رخ بالکل ہی پلٹ دیا اور توقع کے برعکس نتائج سامنے آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مملکت میں مزید افراتفری پھیل گئی، کیوں کہ کئی گورنروں نے حضرت علیؓ کا فرمان ماننے سے انکار کردیا۔ خاص طور پر شام کے بااثر گورنر حضرت امیر معاویہؓ جن کا تعلق حضرت عثمانؓ کے خاندان سے تھا انہوں نے اسے تسلیم کرنے سے نہ صرف یہ کہ انکار کردیا بلکہ قاتلین عثمانؓ سے بدلہ لینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنا، ان کے دشمنوں کی حضرت علیؓ کے معاونوں اور مددگاروں میں شمولیت اور کاروبار خلافت سنبھالتے ہی عثمانی دور کے گورنروں اور افسروں کی برطرفی کا اقدام وغیرہ وہ اسباب ہیں جو لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو حضرت علیؓ کے خلاف بدظن کرنے کے لیے کافی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سارے لوگ ان کے خلاف ہو گئے۔

15.5 مشہور واقعات

حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں جو مشہور واقعات پیش آئے وہ اس طرح ہیں: 1۔ جنگ جمل، 2۔ جنگ صفین، 3۔ تحکیم کا مسئلہ، 4۔ خوارج کا فتنہ اور 5۔ حضرت علیؓ کی شہادت۔

15.5.1 جنگ جمل

جو لوگ حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کر رہے تھے ان کے لیے مدینہ میں اس تحریک کو چلانا ممکن نہیں تھا، لہٰذا ان لوگوں نے مکہ کا رخ کیا جہاں انہیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حمایت بھی حاصل ہوگئی۔ مکہ سے ان لوگوں نے عراق میں بصرہ کی طرف کوچ کیا تاکہ وہاں کے لوگوں کی حمایت حاصل کر کے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دی جائے۔ حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی قیادت میں یہ لوگ بصرہ پہنچے اور معمولی مزاحمت کے بعد بصرہ پر قبضہ کرلیا۔ جب حضرت علیؓ کو مکہ سے مطالبۂ قصاص کے حامیوں کی روانگی کا علم ہوا تو انہوں نے بھی عراق جانے کا ارادہ کرلیا۔ مدینہ کے انصار نے حضرت علیؓ کو اس ارادے سے روکنا چاہا لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ البتہ ان کے بصرہ پہنچنے سے پہلے ہی قصاص کا مطالبہ کرنے والے وہاں پہنچ چکے تھے۔ لہٰذا حضرت علیؓ نے راستے میں ہی ایک جگہ (ذی قار) میں رک کر حضرت حسنؓ کو کوفہ بھیجا تاکہ وہ وہاں سے مدد لائیں۔ حضرت حسنؓ کی مہم کوفہ میں کامیاب رہی اور ان کی کوفہ سے واپسی کے بعد حضرت علیؓ نے بصرہ کی جانب کوچ کیا۔ اس وقت بصرہ میں تین طرح کے لوگ تھے، ایک گروہ حضرت علیؓ کا حامی تھا، دوسرا حضرت عائشہؓ وحضرت طلحہؓ وغیرہ کا اور تیسرا غیر جانب دار تھا۔ تیسرے گروہ نے بھرپور کوشش کی کہ فریقین کے درمیان جنگ نہ ہو بلکہ آپس میں صلح وصفائی ہوجائے، اس گروہ کی کوششیں کامیاب بھی رہیں کیوں کہ دونوں فریق جنگ نہ کرنے پر راضی ہو گئے تھے۔ البتہ فریقین میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہیں جنگ نہ ہونے کی صورت میں نقصان اٹھانا پڑتا، ان کے لیے یہ صورت حال قابل قبول نہیں ہوسکتی تھی۔ لہٰذا ان لوگوں نے (خاص طور پر سبائی گروہ نے جو حضرت علیؓ کی فوجوں میں شامل تھا) رات کے اندھیرے میں دونوں طرف کی فوجوں پر حملہ کردیا، دونوں فریقوں نے یہ سمجھا کہ دوسرے فریق نے دھوکہ دیا ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں نے جنگ کو روکنے کی کوشش کی لیکن جو جنگ کہ بھڑک اٹھی تھی وہ نہ رکی اور دونوں طرف سے بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ یہ پہلا موقع تھا جب مسلمانوں نے آپس میں ایک دوسرے کا خون بہایا۔

اس جنگ میں ام المومنین حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار تھیں ۔ حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جنگ اس وقت تک نہیں رک سکتی جب تک کہ حضرت عائشہؓ میدان جنگ میں موجود ہیں، لہٰذا انہوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ کسی طرح حضرت عائشہؓ کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دی جائیں، ان کے ایک جاں نثار نے یہ کارنامہ انجام دیا اور حضرت عائشہؓ کا اونٹ بیٹھ گیا۔ اونٹ کا بیٹھنا تھا کہ جنگ ختم ہوگئی۔ حضرت علیؓ نے خود جا کر ام المومنین حضرت عائشہؓ کی مزاج پرسی کی۔ بصرہ میں چند دن اعزاز و اکرام کے ساتھ انہیں ٹھہرایا اور پھر پورے احترام کے ساتھ انہیں محمد بن ابی بکر (حضرت عائشہؓ کے بھائی جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے) کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا۔ اس جنگ میں چونکہ حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار تھیں اور اونٹ کو عربی زبان میں جمل کہتے ہیں لہذا یہ جنگ 'جنگ جمل' کے نام سے مشہور ہوئی۔

15.5.2 کوفہ دارالخلافہ

جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ مدینہ نہیں لوٹے بلکہ کوفہ کا رخ کیا اور رجب 36 ہجری/جنوری 657ء میں کوفہ پہنچے اور اسی شہر کو اپنا دارالخلافہ بنا لیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علیؓ نہیں چاہتے تھے کہ مدینہ کا تقدس دوبارہ پامال ہو، اور کچھ اس لیے بھی کہ عراق میں حضرت علیؓ کے حامیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ کوفہ کے دارالخلافہ بن جانے کے بعد مدینہ کی مرکزیت اور اس کی سیاسی اہمیت ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔

15.5.3 جنگ صفین

حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ کے شام کے گورنر حضرت امیر معاویہؓ ان کی خلافت تسلیم کر لیں؛ اس کے لیے انہوں نے انہیں کئی بار خطوط لکھ کر صلح کی دعوت بھی دی، لیکن امیر معاویہؓ جو طویل عرصے سے شام کے گورنر تھے اور انہیں شامیوں کی بھرپور حمایت بھی حاصل تھی، حضرت عثمانؓ کے قصاص سے پہلے کسی کام کے لیے تیار نہیں تھے۔ انہیں اپنے خاندان بنوامیہ اور حضرت عثمانؓ کے جن گورنروں کو حضرت علیؓ نے معزول کر دیا تھا، کی بھی حمایت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کے خطوط کا کوئی مثبت جواب نہیں دیا۔ جب ان خطوط کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو حضرت علیؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کا مقابلہ کرنے اور شام پر لشکر کشی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

حضرت علیؓ نے مختلف علاقوں سے فوجیں یکجا کیں اور اسی ہزار فوج کے ساتھ شام پر لشکر کشی کی۔ شام کے سرحدی علاقے صفین کے مقام پر دونوں طرف کی فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ یہاں بھی دونوں فوجوں کے درمیان صلح وصفائی کے لیے کوششیں شروع ہوئیں جو تقریباً چھ مہینے تک جاری رہیں لیکن ان کا کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکلا اور فریقین کے درمیان جھڑپوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ صفر 37 ہجری/جولائی 657ء میں دونوں فوجوں کے درمیان سخت لڑائی ہوئی، قریب تھا کہ حضرت علیؓ کی فوجوں کو فتح حاصل ہوجاتی کہ اسی دوران حضرت امیر معاویہؓ کی فوج کی جانب سے کچھ لوگ نیزوں پر قرآن باندھے سامنے آئے اور کہا کہ فریقین کے درمیان فیصلہ اللہ کی کتاب کرے گی۔

حضرت علیؓ اس موقعہ پر جنگ بندی کے لیے تیار نہیں تھے لیکن ان کی فوج میں ایک گروہ ایسا تھا جس نے نہایت سختی کے ساتھ اس پر اصرار کیا کہ قرآن کے فیصلے والی بات حضرت علیؓ کو تسلیم کر لینی چاہیے، اس نے دھمکی دی کہ اگر حضرت علیؓ نے ان کی بات نہ مانی تو نہ صرف یہ کہ وہ ان کی فوج سے الگ ہو جائیں گے بلکہ ان کے خلاف جنگ بھی شروع کر دیں گے۔ ان لوگوں کے دباؤ میں حضرت علیؓ قرآن کی تحکیم کا فیصلہ ماننے پر تیار ہوگئے۔ حضرت علیؓ کی جانب سے حضرت ابوموسی اشعریؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی جانب سے حضرت عمرو بن العاصؓ نمائندے بنائے گئے، اور یہ طے پایا کہ یہ لوگ قرآن وسنت کی روشنی میں جو بھی فیصلہ کریں گے وہ فریقین کے لیے قابل قبول ہوگا۔ عراق اور شام کے درمیان دومۃ الجندل کے مقام پر ان نمائندوں کا اجتماع ہوا، لیکن یہ لوگ کسی حتمی نتیجے تک نہیں پہنچ سکے۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ اس کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ دونوں نے مسلمانوں کے درمیان آپسی

خونریزی کو روکنے کے لیے صلح کرلی۔ اس طرح اسلامی ریاست دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ مشرق کے بڑے علاقے پر حضرت علیؓ کی حکومت رہی اور شام و مصر کے علاقے حضرت امیر معاویہؓ کے قبضے میں رہے۔ البتہ امیر معاویہؓ نے اپنی خلافت کا اعلان نہیں کیا۔

15.6 خوارج کا فتنہ اور حضرت علیؓ کی شہادت

حضرت علیؓ کی جماعت میں کچھ لوگ ایسے تھے جو قرآن مجید کی تحکیم پر تیار نہیں تھے۔ ان لوگوں کے خیال میں حضرت علیؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو نمایندہ بنا کر قرآن مجید کی تعلیمات کی خلاف ورزی کی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے خلاف یہ کہتے ہوئے بغاوت کردی کہ ''لاحکم اِلاّ للہ'' یعنی فیصلے کا حق اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ ان کے خیال میں حضرت علیؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو حکم (نمایندہ) بنا کر گویا کفر کیا۔ حضرت علیؓ سے الگ ہوکر ان لوگوں نے ایک شخص عبداللہ بن وہب الراسبی کو اپنا خلیفہ بنالیا اور نہروان کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا کر کھلے عام حضرت علیؓ کی مخالفت شروع کردی۔ حضرت علیؓ کی جماعت سے نکل جانے کی وجہ سے یہ لوگ خارجی یا خوارج (نکل جانے والے) کہلائے۔ اپنے طرز عمل میں یہ لوگ انتہا پسند تھے اور تشدد پر یقین رکھتے تھے، چنانچہ ان لوگوں نے اپنے اس رویے کے تحت بہت سارے مسلمانوں کے خون کو اپنے لیے مباح (جائز) کرلیا اور بے دردی کے ساتھ انہیں قتل کردیا۔ جب ان کی قتل و غارت گری حد سے زیادہ بڑھ گئی تو حضرت علیؓ نے ان کا قلع قمع کرنے کے لیے نہروان کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے خارجیوں کو سمجھانے کی کوشش کی، لیکن جب وہ نہیں مانے تو ان پر لشکر کشی کردی، اور ان کی قوت توڑ دی۔

خوارج صرف اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے اور باقی مسلمانوں کو گمراہ کہتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ مسلمانوں کے درمیان جھگڑے اور انتشار کے ذمہ دار تین لوگ ہیں: 1۔ حضرت علیؓ، 2۔ حضرت امیر معاویہؓ، 3۔ حضرت عمرو بن العاصؓ۔ چنانچہ ان لوگوں نے ان تینوں کو قتل کردینے کے منصوبے کے تحت ایک سازش رچی اور تین قاتلوں کو اس کام کے لیے تیار کیا کہ وہ ایک متعینہ وقت میں ان تینوں کا خاتمہ کردیں۔ اس اسکیم کے تحت تینوں پر ایک ہی وقت (17 رمضان 40 ہجری مطابق 25 جنوری 661ء) میں حملہ ہوا۔ لیکن حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ اتفاق سے بچ گئے جب کہ کوفہ میں نماز کے لیے جاتے ہوئے عبدالرحمان بن ملجم نامی خارجی نے حضرت علی پر حملہ کرکے انہیں شدید طور پر زخمی کردیا۔ تین دن بعد 20 رمضان کو حضرت علیؓ شہید ہوگئے اور کوفہ کے قبرستان میں انہیں دفن کیا گیا۔

حضرت علیؓ نے تقریباً ساڑھے چار برس حکومت کی، شام اور مصر کے علاوہ تقریباً پوری مسلم دنیا ان کی حکومت کا حصہ تھی۔ ان کا پورا دور خانہ جنگی کی نذر ہوگیا۔ اس لیے نئی فتوحات نہیں ہوئیں۔ حضرت علیؓ نے اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا، ان کی شہادت کے بعد دارالخلافہ کوفہ کے لوگوں نے ان کے صاحب زادے حضرت حسنؓ کو خلیفہ بنالیا، لیکن حضرت حسنؓ مسلمانوں کے درمیان خونریزی کو پسند نہیں کرتے تھے، اس لیے کچھ ہی دنوں کے بعد وہ خلافت سے حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہوگئے اور پوری مسلم دنیا ایک بار پھر ایک حکومت کے تحت یک جا ہوگئی۔

15.7 خلاصہ

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اور مدینہ کے مہاجرین وانصار کے اصرار پر حضرت علیؓ خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے پر راضی ہوگئے۔ آپ کا فیصلہ موجودہ گورنروں کو معزول کرنا کئی لوگوں کو ناگوار گزرا، اور یہیں سے حضرت معاویہؓ نے آپ کی مخالفت کا اعلان کردیا۔ حضرت علیؓ کا دور ہنگامہ خیز رہا اور انھیں سکون کے ساتھ حکومت کرنے کے مواقع حاصل نہیں ہوئے۔ اس کے باوجود انھوں نے جو بھی اقدامات کیے ان میں حضرت عمرؓ کے اصولوں کو اپنے لیے رہنما بنایا۔ آپ کے دور میں نئی فتوحات نہیں ہوئیں۔ کوفہ دار خلافت بنا۔ آپ کی شہادت خوارج کے منصوبے کے تحت ہوئی۔

15.8 نمونہ امتحانی سوالات

(1) حضرت علیؓ کی بیعت مسجد نبوی سن ....ھ میں ہوئی۔

(2) صفین کی جنگ بندی پر حضرت علیؓ کی جانب سے حضرت .... نمایندہ بنائے گئے۔

(3) جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ مدینہ نہیں لوٹے بلکہ شہر .... کا رخ کیا۔

(4) حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد کوفہ کے لوگوں نے .... کو خلیفہ بنا لیا۔

(5) حضرت علیؓ پر حملہ کرنے والے خارجی کا نام تھا ....۔

مختصر جوابی سوالات:

(1) جنگ جمل پر مختصر نوٹ لکھیں۔

(2) حضرت علیؓ کے منہج خلافت کو بیان کریں۔

(3) حضرت علیؓ کا گورنروں کو معزول کرنے کے اسباب ونتائج بیان کیجیے۔

(4) حضرت علیؓ کی سیرت وکردار پر مختصر نوٹ لکھیں۔

(5) جنگ صفین کے اسباب ونتائج کا بیان کیجیے۔

طویل جوابی سوالات:

(1) حضرت علیؓ کے انتخاب پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

(2) حضرت علیؓ کے زمانے میں اختلافات کے اسباب پر روشنی ڈالیے۔

(3) حضرت علیؓ نے خوارج کے فساد کو قلع قمع کرنے کے لیے کیا اقدامات اٹھائے؟ تفصیل سے لکھیے۔

(4) حضرت علیؓ کی شہادت کے اسباب پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔

(5) حضرت علیؓ کی حیات، خدمات اور نہج خلافت پر ایک جامع مضمون لکھیے۔

15.9 سفارش کردہ کتابیں

1۔	خلفائے راشدین	حاجی معین الدین ندوی
2۔	تاریخ تہذیب اسلامی (حصہ دوم)	پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی
3۔	الفاروق	علامہ شبلی نعمانی
4۔	مختصر تاریخ اسلام	غلام رسول مہر
5۔	ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (جلد اول)	ثروت صولت
6۔	ذوالنورین	مولانا سید احمد اکبرآبادی
7۔	صدیق اکبر	مولانا سید احمد اکبرآبادی
8۔	المرتضیٰ	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
9۔	خلافت راشدہ	مولانا عبدالشکور فاروقی
10۔	خلافت راشدہ کا عہدِ زرّیں	قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

۔:oOo:۔

اکائی 16 : خلافت راشدہ کا نظم ونسق اور خصوصیات

اکائی کے اجزا

16.1 تمہید

16.2 خلافت راشدہ کا نظم ونسق

16.2.1 خلیفہ

16.2.2 شوریٰ

16.2.3 فوج کا محکمہ

16.2.4 سکریٹریٹ

16.2.5 محکمہ مالیات

16.2.6 ڈاک کا محکمہ

16.2.7 بیت المال

16.2.8 محکمہ عدالت

16.2.9 پولیس اور جیل کے محکمے

16.2.10 بعض دیگر محکمے

16.3 خلافت راشدہ کا معاشرہ

16.4 خلافت راشدہ کی خصوصیات

16.4.1 اسلام جمہوری حکومت

16.4.2 بین الاقوامی حکومت اور عالمی طاقت

16.4.3 حکومت کا شورائی انداز

16.4.4 قانون کی بالا دستی

16.4.5 معاشی عدل

16.4.6 سماجی برابری

16.5 خلاصہ

16.6 نمونۂ امتحانی سوالات

16.7 سفارش کردہ کتابیں

16.1 تمہید

اس سے قبل کی اکائیوں میں ہم نے دیکھا کہ خلافت راشدہ کا ادارہ کیسے وجود میں آیا، خلفاء راشدین کا انتخاب کن طریقوں سے عمل میں آیا، ان کی سیرت اور ان کے کارناموں کو بھی ہم نے پڑھا۔ اس اکائی میں ہم دیکھیں گے کہ خلافت راشدہ کے دوران اسلامی ریاست کا نظم ونسق کیسا تھا، مسلم معاشرے کی صورت حال کیا تھی اور خلافت راشدہ کن خصوصیات کی حامل تھی۔

16.2 خلافت راشدہ کا نظم ونسق

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں مسلم معاشرے کے لیے جو سیاسی ڈھانچہ تیار کیا تھا اور جن خطوط پر نوتشکیل اسلامی ریاست کی تنظیم کی تھی، آپؐ کے بعد آپؐ کے جانشینوں (خلفاء راشدین) نے انہیں خطوط پر معاشرے اور ریاست کو آگے بڑھایا۔ حالات اور تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے خلفاء راشدین نے انتظامیہ سے متعلق مختلف شعبہ جات اور محکمے قائم کیے۔ خلافت راشدہ کے پورے زمانے میں مرکزی انتظامیہ اکابر صحابہ پر مشتمل رہی۔ اور باوجود یکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا تھا آپ کی تربیت کے نتیجے میں مسلمانوں نے خود ہی سمجھ لیا کہ اسلام کا مزاج شورائی ہے۔ خلفاء راشدین میں سے ہر ایک نے خلافت اسلامی کے شورائی مزاج کو باقی اور برقرار رکھا۔

16.2.1 خلیفہ

اسلامی خلافت کے انتظامی ڈھانچے میں خلیفہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاسی جانشین ہونے کی حیثیت سے اسے دنیوی اور سیاسی امور میں مکمل اختیارات حاصل تھے لیکن نبوت کے اختیارات اسے حاصل نہ تھے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا کلام اترتا تھا اور وہ معصوم تھے، آپؐ پر وحی نازل ہونے کا سلسلہ ختم ہو چکا، اس لیے خلفا کے بہ شمول اب امت کے کسی اور شخص کو یہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا۔ خلیفہ اسلامی ریاست اور حکومت دونوں کا سربراہ اعلی ہوتا تھا۔ اسے صوبائی گورنروں، ججوں اور مقامی وصوبائی افسروں کو مقرر کرنے اور معزول کرنے کے مکمل اختیارات حاصل تھے۔ اسی طرح وہ اسلامی فوج کا سپہ سالار اعلیٰ بھی ہوتا تھا۔ اسے انتظامی امور میں قانون سازی کے اختیارات بھی حاصل تھے، لیکن اس کے لیے اسے قرآن وسنت سے استفادہ کرنا، شوریٰ اور علما وفقہا کی رائے لینا اور اسلامی اصولوں کے دائرہ میں رہنا ضروری تھا۔ اسی طرح وہ عام لوگوں کے مصالح اور مفادات کے خلاف بھی کوئی کام نہیں کرسکتا تھا۔

16.2.2 شوریٰ

خلافت راشدہ کے تحت اسلامی ریاست میں خلیفہ کے بعد انتظامیہ کا سب سے اہم ادارہ شوری تھا، کیونکہ قرآن وسنت میں جگہ جگہ مسلمانوں کے مشورے سے تمام کام انجام دینے پر زور دیا گیا ہے۔ لہٰذا خلافت راشدہ میں خلیفہ اسلام کے لیے ضروری تھا کہ وہ ریاست اور سماج کے تمام معاملات مسلمانوں کے باہمی مشورے سے انجام دے۔ خلفاء راشدین میں سے ہر ایک نے اس پر پوری طرح عمل کیا۔ خلفاء راشدین میں سے زیادہ تر اکابر صحابہ اور اصحاب بدر وغیرہ شوریٰ کے رکن ہوتے تھے، البتہ فطری طور پر پہلے تینوں خلفاء کے دور میں شوریٰ میں اہل مدینہ کی نمائندگی ہوتی تھی، کیونکہ دارالخلافہ مدینہ تھا۔ اور حضرت علیؓ کے عہد میں کوفہ کے اصحاب رائے کا غلبہ تھا، کیونکہ انہوں نے اسی شہر کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔ خلیفہ کو یہ اختیار ہے کہ جن لوگوں کو چاہے اپنی شوریٰ میں رکھے اور غیر معمولی حالات میں وہ شوریٰ کے بعض فیصلوں کو نظرانداز بھی کرسکتا ہے۔

16.2.3 فوج کا محکمہ

یہ محکمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے قائم تھا۔ خلفاء راشدین نے اسے مزید ترقی دی۔ اس محکمہ کے تحت فوج کا نظم ونسق ہوتا تھا۔ موقع جنگ پر سپہ سالار کون ہو؟ فوج کی تنظیم کیسی ہو؟ کن لوگوں کو کمان دار یا سالار بنایا جائے؟ مال غنیمت کیسے تقسیم ہو؟ غرض فوج سے متعلق تمام امور ومعاملات کی

دیکھ بھال اور نگرانی اسی محکمہ کی ذمہ داری تھی۔ مرکز میں خلیفہ اور صوبوں میں گورنر اس محکمہ کے سربراہ ہوتے تھے۔لیکن کبھی کبھی الگ سے بھی فوج کے محکمے کا سربراہ مقرر کیا جاتا تھا اور یہ امیر الجند کہلاتا تھا۔

16.2.4 سکریٹریٹ

اسلامی ریاست کی انتظامیہ کا یہ شعبہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قائم ہو چکا تھا۔آپؐ نے متعدد کاتبوں (سکریٹریوں) سے سرکاری فرمان، خطوط اور معاہدے وغیرہ لکھوائے۔ خلافت راشدہ کے زمانے میں یہ محکمہ زیادہ منظم اور مستحکم ہوا اور خلفاء راشدین نے متعدد لوگوں کو اپنا خاص سکریٹری بنایا، مثلاً حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں حضرت عثمانؓ ان کے کاتب خاص تھے۔حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن ارقمؓ کو یہ ذمہ داری دی گئی۔حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں مروان بن حکم ان کے پرائیویٹ سکریٹری تھے۔حضرت علیؓ حضرت سعید بن حمران اور عبداللہ بن جعفر سے سکریٹری کا کام لیا کرتے تھے۔خلافت راشدہ میں یہ عہدہ بہت ہی اہمیت کا حامل تھا اور اس شعبے کی موجودگی کے سبب ہی اسلامی سرکاری فرامین، خطوط اور معاہدوں کے متن کو تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں محفوظ کیا جا سکا۔

16.2.5 محکمہ مالیات

مالیات کا محکمہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فتح خیبر کے بعد قائم ہو چکا تھا اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ خزرجی اس محکمہ کے پہلے انچارج افسر تھے۔خلافت راشدہ کے زمانے میں جب اسلامی فتوحات بڑھیں اور مملکت کا دائرہ وسیع ہوا تو مالیات کے محکمے نے بھی بہت زیادہ ترقی کی۔ اس شعبے کے تحت تمام طرح کے محصولات مثلاً مسلمانوں سے زکاۃ وصدقات وغیرہ اور غیر مسلموں اور ذمیوں سے خراج و جزیہ وغیرہ کو وصول کیا جاتا تھا۔ اور ان کی تقسیم وغیرہ کا کام بھی اسی محکمے کے ذمہ تھا۔

16.2.6 ڈاک کا محکمہ

ڈاک کا محکمہ بھی ابتدائی طور پر خلافت راشدہ کے زمانے میں حضرت عمرؓ نے قائم کیا۔اس کا کام یہ ہوتا تھا کہ سرکاری فرامین اور خطوط وغیرہ کو صوبائی گورنروں اور دیگر افسران تک پہنچایا جائے اور ان کے جوابات حاصل کیے جائیں۔ اس کام کے لیے مختلف مقامات تک جانے والی سڑکوں پر چوکیاں قائم تھیں جہاں ہر وقت تازہ دم گھوڑے اور کارکن موجود رہتے تھے اور کوئی بھی خط یا فرمان ملتے ہی اسے دوسری چوکی تک پہنچا دیتے تھے۔اس طرح کم مدت میں خطوط اور فرامین متعلقہ حکام تک پہنچ جاتے تھے۔

16.2.7 بیت المال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں بھی زکاۃ وصدقات اور خراج کی صورت میں جو بھی مال آتا تھا فوراً ضرورت مندوں اور مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتوحات کی کثرت کی وجہ سے مال غنیمت، خراج اور صدقات وغیرہ کی آمدنی میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا۔ لہٰذا حضرت عمرؓ نے ضرورت مندوں اور مستحقین میں مال کو تقسیم کرنے کے بعد اضافی مال کو محفوظ کرنے کے لیے بیت المال کی باضابطہ عمارت تعمیر کرائی۔ یہ محکمہ مال کی آمد وخرچ کا حساب رکھنے کے علاوہ اس پر بھی نظر رکھتا تھا کہ خلیفہ وقت مال کو اصول وضابطے کے مطابق خرچ کرتا ہے یا نہیں۔اس کی نگرانی کے لیے افسر بیت المال کا تقرر ہوتا تھا۔

16.2.8 محکمہ عدالت

خلافت راشدہ کے زمانے میں خلیفہ ہی قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) ہوا کرتا تھا۔لیکن حدود مملکت بڑھ جانے کی وجہ سے وہ تمام مقدمات کی سماعت اور فیصلے خود نہیں کر سکتا تھا اس لیے مملکت کے مختلف شہروں میں باصلاحیت لوگوں کو قاضی مقرر کیا جاتا تھا۔ یہ محکمہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے

سے قائم تھا چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی حضرت عمرؓ مدینہ کے قاضی تھے اور مقدمات کے فیصلے آپ کی موجودگی میں کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے زمانے میں بھی یہ عہدہ انہیں کے پاس رہا۔ خود ان کی خلافت میں حضرت علیؓ مدینہ کے قاضی تھے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت زید بن ثابتؓ مدینہ کے قاضی تھے اور حضرت علیؓ نے اپنی خلافت میں قاضی شریح کو کوفہ کا قاضی برقرار رکھا جو حضرت عمرؓ کے زمانے سے وہاں اس عہدے پر کام کر رہے تھے۔ عدالت کا محکمہ مرکز سے دور کے شہروں اور علاقوں کے لیے زیادہ اہم تھا۔

16.2.9 پولیس اور جیل کے محکمے

یہ دونوں محکمے خلافت راشدہ میں حضرت عمرؓ کے زمانے میں وجود میں آئے۔ پولیس کے محکمے کا نام احداث تھا اور اس کا افسر اعلیٰ صاحب الاحداث کہلاتا تھا۔ حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت میں اس محکمے کو مزید ترقی دی گئی اور اس کا نیا نام ''شرطہ'' قرار پایا جو اب تک عرب دنیا میں رائج ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہی اسلامی دنیا میں پہلی جیل قائم ہوئی۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں حضرت صفوان بن امیہؓ کے مکان کو خرید کر پہلا جیل خانہ بنایا۔ بعد میں دیگر مقامات خاص طور پر صوبائی دارالحکومتوں میں بھی جیل خانے تعمیر کیے گئے۔

16.2.10 بعض دیگر محکمے

ان بڑے اور اہم محکموں کے علاوہ خلافت راشدہ کے زمانے میں بعض دیگر محکمے بھی وجود میں آئے مثلاً احتساب کا محکمہ جس کی ذمہ داری عمال کی کارکردگی کے ساتھ ساتھ عام لوگوں کے اخلاق اور دینی حالات پر نظر رکھنی ہوتی تھی۔ مملکت میں ذمیوں کے حالات پر نظر رکھنے اور ان کی دیکھ بھال کے لیے ایک الگ محکمہ قائم تھا اور اس کا ایک الگ افسر مقرر ہوتا تھا۔ اسی طرح آب پاشی کا محکمہ بھی قائم تھا اور بازار پر نظر رکھنے اور قیمتوں وغیرہ کی نگرانی کے لیے ایک الگ محکمہ قائم تھا۔

مرکز کی طرز پر یہ سبھی محکمے صوبوں میں بھی قائم کیے جاتے تھے اور ان کی نگرانی کے لیے افسروں کا تقرر گورنر کرتا تھا۔

معلومات کی جانچ

1۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں کون صحابی مدینہ کے قاضی تھے؟

2۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں پولیس کے افسر اعلیٰ کو کیا کہتے تھے؟

3۔ ڈاک کا محکمہ کس خلیفہ نے قائم کیا؟

4۔ حضرت عمرؓ نے کون کون سے نئے محکمے قائم کیے؟

16.3 خلافت راشدہ کا معاشرہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں جس اسلامی معاشرے کی تشکیل کی تھی وہ بنیادی طور پر ایک عرب معاشرہ تھا۔ عربوں کے علاوہ عرب علاقوں میں سکونت پذیر کچھ یہودی، عیسائی اور مجوسی قبائل بھی تھے جو دیگر مذاہب سے متعلق ہونے کے باوجود وسیع تر اسلامی معاشرے کا حصہ تھے۔ خلافت راشدہ کے دوران جب فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھا تو بڑے پیمانے پر غیر عرب علاقے بھی اسلامی ریاست کا حصہ بنے۔ ان میں ایرانی، مجوسی، ترکی، قبطی، بربر اور بودھ مذہبی روایات کے ماننے والے آباد تھے۔ لہٰذا اب یہ بھی اسلامی معاشرے کا حصہ بن گئے۔ گو ان کی ایک تعداد نے اسلام قبول کر لیا البتہ بڑی تعداد ذمی بن کر رہی۔ ان نسلی و مذہبی طبقات کے علاوہ مختلف زبانیں بھی اسلامی معاشرے کا حصہ بنیں اور انہوں نے اس کی رنگا رنگی میں اضافہ کیا، خاص طور پر فارسی، پہلوی، ترکی، سریانی، قبطی اور عبرانی زبانوں کا رول اس میں بہت اہم رہا۔

ایک طرف اسلامی معاشرہ روز افزوں وسعت و ترقی پذیر تھا تو دوسری طرف اس کا اثر یہ ہوا کہ صحابہ کرام جو نبوی معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کی

حیثیت رکھتے تھے اور اکثریت میں تھے وہ رفتہ رفتہ اقلیت میں آ گئے۔ اسی طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اکابر صحابہ کی تعداد میں بھی کمی آتی گئی اور ان کی جگہ اصاغر (نوعمر) صحابہ اور تابعین نے لے لی۔ بڑے پیمانے پر ہونے والی فتوحات کے نتیجے میں وہ لوگ بھی اسلامی ریاست اور معاشرے کا حصہ بن رہے تھے جن کی اسلامی تربیت نہیں ہوئی تھی یا بہت کم ہوئی تھی؛ یہ وہ لوگ تھے جو اسلام کے مقابلے میں غیر اسلامی روایات اور اپنے سابقہ مذہبی ورثے سے زیادہ متاثر تھے۔ عراق، شام، مصر اور ایران کے علاقوں میں ایسے لوگ بہت بڑی تعداد میں موجود تھے۔ اسی طرح خلافت راشدہ کے دوران عہد نبوی کی مہاجرین و انصار کی تقسیم بھی اب اپنی معنویت کھوتی جا رہی تھی اور ان کی جگہ دوسری شناختیں لے رہی تھیں۔

غیر اسلامی یا کم تربیت یافتہ اسلامی عناصر کی بڑے پیمانے پر اسلامی معاشرے میں شمولیت کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خلافت راشدہ کا معاشرہ غالب خیر پر مبنی معاشرہ تھا اور یہ اس کی سب سے بڑی خصوصیت تھی۔ اختلافات کے باوجود خلافت راشدہ کے اسلامی معاشرے میں گروہی تعصّبات اور علاقائیت پرستی کو کبھی بھی رسوخ حاصل نہیں ہوا۔ اس میں خیر ہمیشہ غالب رہا اور شر نے اگر کبھی سر اٹھایا تو وہ وقتی اور عارضی تھا، جیسے ہی اس کا تدارک ہوا اسلامی معاشرے میں پھر سے حق کا بول بالا ہو گیا۔ خلافت راشدہ میں سماجی مساوات اور برابری معاشرہ کی روح تھی۔ صرف مسجد میں ہی نہیں معاشرے میں بھی بطور مسلمان سب کو یکساں حقوق اور مراعات حاصل تھیں۔ نسل، علاقے، قوم اور زبان کی بنیاد پر مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں برتا جاتا تھا۔ سیاسی مناصب ہوں، فوجی عہدے ہوں یا دینی امور کی انجام دہی، یہ ذمہ داریاں انہیں افراد کو دی جاتی تھیں جو اس کے اہل ہوتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وقت کے مخصوص سماجی و سیاسی حالات میں قریش اور عرب کے بعض دوسرے طبقات اپنی صلاحیتوں کے سبب ان مناصب پر سب سے زیادہ فائز ہوئے، اور اس طرح خلافت راشدہ کے اسلامی معاشرہ میں قریش کا انتظامی ذمہ داریوں میں غلبہ تھا، لیکن یہ کسی تعصب کی بنیاد پر نہیں بلکہ صلاحیتوں اور خدمات کی بنیاد پر تھا۔

آزاد لوگوں کے علاوہ غلام، آزاد کردہ غلام (موالی) عجمی نژاد مسلمان بھی خلافت راشدہ کے اسلامی معاشرہ کا اہم حصہ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے طبقہ کو جو درجہ اور مرتبہ اسلامی معاشرہ میں دیا تھا، خلافت راشدہ میں بھی وہ مرتبہ انہیں حاصل رہا۔ یہ لوگ اپنے مخصوص احوال کے سبب سیاسی و فوجی مناصب تو نہیں حاصل کر سکتے تھے لیکن علوم وفنون کے میدانوں میں انہیں ترقی کرنے کے سنہرے مواقع حاصل تھے، چنانچہ اسلامی علوم کو پروان چڑھانے اور اس دور کے تہذیب و تمدن کی تشکیل میں انہوں نے اپنی صلاحیتوں کے سبب اہم رول ادا کیا، اور بہت سارے میدانوں میں آزاد عربوں سے آگے بڑھ گئے۔ اسی طرح خواتین کے طبقے کو بھی خلافت راشدہ میں وہ تمام حقوق حاصل تھے جو انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حاصل تھے۔ خواتین نے اپنے دائرے میں رہتے ہوئے خلافت راشدہ کے اسلامی معاشرے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ازواج مطہرات، دیگر صحابیات اور ان کی تربیت یافتہ تابعات نے اپنی صلاحیتوں اور خدمات سے اسلامی معاشرے کی تعمیر و ترقی میں بھر پور حصہ لیا۔ علوم وفنون اور تہذیب و تمدن کے ارتقا میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ان کی شاگرد عمرہ بنت عبدالرحمان وغیرہا خواتین کا جو کردار رہا ہے وہ ہمیشہ زریں حروف میں لکھا جائے گا۔ اس طرح دیکھا جائے تو خلافت راشدہ کا اسلامی معاشرہ ایک طرح سے عہد نبوی کے اسلامی معاشرے کی توسیع تھا اور اس میں نبوی معاشرے کی خصوصیات بحیثیت مجموعی موجود اور غالب تھیں۔

معلومات کی جانچ

1۔ خلافت راشدہ کے معاشرے کی سب سے بڑی خصوصیت کیا تھی؟

2۔ خلافت راشدہ کے معاشرہ میں غلاموں کو کیا مقام حاصل تھا؟

3۔ معاشرہ کی تعمیر و ترقی میں خواتین کا کیا رول تھا؟

16.4 خلافت راشدہ کی خصوصیات

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلام صرف عرب دنیا کے اندر پھیلا تھا۔ خلافت راشدہ کے دوران اسلامی حکومت کی سرحدیں عرب دنیا سے بہت آگے تک پھیل گئیں، اس نے بین الاقوامی حیثیت حاصل کر لی اور ایک عالمی طاقت کے طور پر ابھر کر سامنے آئی۔ خلافت راشدہ کے تیس برس کے دورانیے میں اسلامی سماج نے چوطرفہ تعمیر وترقی کے مراحل طے کیے۔ ایک طرف اسلامی ریاست کی سرحدیں وسیع ہوئیں تو دوسری طرف دنیا میں اسلام کا بول بالا ہوگیا۔ اس طرح یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اسلام جس پیغام کا علم بردار ہے وہ صرف عرب کے بدوی سماج کے لیے ہی مناسب وموزوں نہیں بلکہ اس کی بنیاد پر دنیا میں کہیں بھی جدید ترین تہذیب وتمدن کی تشکیل ہوسکتی ہے۔ ذیل میں خلافت راشدہ کی کچھ خصوصیات بیان کی جاتی ہیں:۔

16.4.1 اسلامی جمہوری حکومت

ایک ایسے دور میں جب کہ دنیا کے ہر علاقے اور خطے میں خاندانی اور جبری بادشاہتیں قائم تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے زیر سایہ عرب کے بدوسماج میں ایک ایسی تہذیب اور تمدن کی بنیادیں استوار کیں جس میں عوام وخواص یکساں طور پر شامل تھے۔ انہوں نے اپنے بعد ایک ایسا معاشرہ چھوڑا جس کے افراد کو یہ معلوم تھا کہ اسلام کا مزاج ملوکیت و بادشاہت نہیں بلکہ جمہوریت کا تقاضا کرتا ہے:

> ''خلافت راشدہ میں جو سیاسی نظام قائم تھا اگرچہ وہ جمہوریت کی ٹھیٹ مغربی اصطلاح کے مطابق جمہوری نظام نہ تھا کیونکہ اس میں حاکمیت اور اقتدار اعلی عوام کو حاصل نہ تھا لیکن اپنی روح کے لحاظ سے وہ ہر دور کی جمہوریت کے مقابلے میں زیادہ جمہوری تھا۔حتی کہ جدید مغربی اور اشترا کی حکومتوں کے مقابلے میں بھی زیادہ جمہوری تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نظام میں حاکمیت صرف اللہ کو حاصل تھی۔ اللہ اور رسول کے بعد عوام کو سارے حقوق حاصل تھے اور وہ قرآن وسنت کے مقرر کردہ رہنما اصولوں کے دائرے میں مکمل طور پر بالادستی رکھتے تھے۔ اللہ کی اس حاکمیت نے خلافت راشدہ کے اسلامی معاشرے کو نہ صرف ان مظالم اور ناانصافیوں سے نجات دلا دی تھی جو شخصی اور استبدادی حکومتوں کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں۔ بلکہ اس قسم کے مظالم، بے انصافیوں اور گمراہیوں سے بھی نجات دلائی جو جدید دور میں عوام کی حاکمیت کے نام پر عام ہیں اور جن کی وجہ سے نہ صرف دوسری قوموں کو نقصان پہنچتا ہے بلکہ خود اپنی قوم بھی نقصان اٹھاتی ہے۔''
>
> (ثروت صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، جلد اول، مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی، 2003ء ص 115)

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے اسلامی معاشرے میں ہر سطح پر جمہوریت کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ خلفاء راشدین میں سے ہر ایک نے خود کو عوام کے سامنے جواب دہ بنایا اور انہوں نے اسلامی سماج کے اندر جمہوریت کی روح کو جاری وساری رکھنے کے لیے لوگوں کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کے اسلامی معاشرے میں ہمیں بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں جب جمہوریت کی روح کے تقاضوں کے مطابق عام لوگوں کے مجمعوں میں لوگوں نے خلفا تک سے جواب طلب کیے اور خلفا نے بھی ان پر چیں بہ جبیں ہونے کے بجائے خندہ پیشانی کے ساتھ ان کی بات سنی اور جواب سے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

16.4.2 بین الاقوامی حکومت اور عالمی طاقت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکومت اور معاشرہ اپنے زمانے میں تشکیل دیا تھا وہ جزیرہ نمائے عرب کی سرحدوں تک محدود تھا۔ خلافت راشدہ کے دوران اسلامی حکومت اور سماج دونوں نے بین الاقوامی حیثیت اختیار کر لی۔ اس زمانے میں مسلمانوں کو بڑے پیمانے پر فتوحات حاصل ہوئیں۔ شام ،مصر اور ایران وغیرہ کے علاقے اسلامی حکومت کا نہ صرف یہ کہ حصہ بنے بلکہ بہت سارے مسلمانوں نے ان علاقوں میں بود و باش اختیار کر لی اور بڑی

تعداد میں مقامی لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اسی کے ساتھ خلافت راشدہ کے دوران جب مسلمانوں نے شام اور ایران جیسی بڑی طاقتوں پر غلبہ حاصل کر لیا تو پہلی مرتبہ اسلامی حکومت کو عالمی طاقت کی حیثیت بھی حاصل ہوئی اور جو بعد کے ادوار میں بھی صدیوں برقرار رہی۔

16.4.3 حکومت کا شورائی انداز

خلافت راشدہ کے دوران مسلم سماج میں جو نظام پروان چڑھا وہ پورے طور پر شورائی تھا۔ خلفاء راشدین میں سے ہر ایک کی شوریٰ تھی جس سے کہ وہ تمام طرح کے ملکی و انتظامی امور و معاملات میں مشورہ لیتے تھے۔ شوریٰ ان لوگوں پر مشتمل ہوتی تھی جو اس وقت کے اصحاب رائے اور بزرگ صحابہ کرام تھے۔ خلفاء راشدین میں سے کسی نے بھی عام لوگوں پر اپنی رائے تھوپنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ان لوگوں نے عوام کو رائے کے اظہار کی پوری پوری آزادی دی، چنانچہ حضرت عمرؓ کا قول مشہور ہے: ''**لا خلافة الا عن المشورة** '' (مشورے کے بغیر خلافت کا کوئی تصور نہیں)۔ حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب بھی کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا مسجد میں لوگوں کو جمع کرتے اور ان کے سامنے مسئلے کو پیش کر کے اس پر لوگوں کی رائے طلب کرتے۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا کہ کسی مسئلے پر بحث طول پکڑ لیتی اور کئی دنوں تک جاری رہتی۔

16.4.4 قانون کی بالا دستی

خلافت راشدہ کی ایک اہم اور بڑی خوبی قانون کی بالا دستی تھی یعنی قانون کی نظر میں سب لوگ نہ صرف یہ کہ یکساں تھے بلکہ قانون لوگوں کے تمام طرح کے حقوق کی حفاظت بھی کرتا تھا۔ پوری اسلامی ریاست میں عدالتیں قائم تھیں اور ان میں قاضی مقرر تھے جن کے سامنے لوگ اپنے مقدمات کو پیش کرتے تھے اور یہ قاضی کسی دباؤ کے بغیر آزادی کے ساتھ فیصلے کرتے تھے، یہاں تک کہ خلیفہ اور گورنروں کے خلاف بھی مقدمات کی سماعت کی اجازت انہیں حاصل ہوتی تھی۔ خلافت راشدہ کے دوران قانون کی بالا دستی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں ایک خارجی کو پکڑ کر لایا گیا جو بر سر عام کہہ رہا تھا کہ میں علیؓ کو قتل کر دوں گا۔ حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر اسے چھوڑ دیا کہ اس کی مخالفت صرف زبانی ہے عملاً اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جس کی وجہ سے اسے سزا دی جائے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے گورنروں کو حکم دے رکھا تھا کہ حج کے دنوں میں مکہ میں حاضر رہا کریں تا کہ لوگوں کو ان کے خلاف اگر کوئی شکایت ہو تو اس کا ازالہ کیا جا سکے۔ واضح رہے کے حج کے دنوں میں پوری اسلامی مملکت سے لوگ حج کے لیے مکہ پہنچتے تھے لہٰذا اس موقعے پر ان کے لیے اپنی شکایتیں خلیفۂ وقت تک پہنچانا آسان ہوتا تھا۔

16.4.5 معاشی عدل

خلافت راشدہ کی ایک اور خوبی معاشی عدل و انصاف تھا، کیونکہ معاشی عدل کے بغیر کوئی بھی معاشرہ تعمیر و ترقی کی منزلیں نہیں طے کر سکتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت راشدہ کے پورے زمانے میں حکومت کی آمدنی کو سماج کے مختلف طبقات میں اور رفاہی کاموں میں صرف کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں وظائف کا جو نظام شروع ہوا وہ ایک حقیقی رفاہی مملکت کے قیام کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ وظائف کا یہ نظام خلافت راشدہ کے بعد بھی ایک طویل عرصے تک جاری رہا۔ خلافت راشدہ کے دوران اسلامی حکومت کی آمدنی کے پانچ بڑے ذرائع تھے:

1۔ زمینوں کا خراج۔
2۔ جزیہ (یہ دونوں ٹیکس غیر مسلموں سے لیے جاتے تھے)۔
3۔ عشر (ایک طرح کا زرعی ٹیکس)۔
4۔ زکاۃ (یہ دونوں ٹیکس مسلمانوں سے لیے جاتے تھے)۔

5- مال غنیمت (چونکہ اس زمانے میں بڑے پیمانے پر فتوحات ہوئیں اس لیے مال غنیمت بھی سرکاری آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ تھا، واضح رہے کہ مال غنیمت کا صرف پانچواں حصہ ہی سرکاری بیت المال میں جاتا تھا، چار حصے فوجیوں میں تقسیم کردیے جاتے تھے)۔

6۔ کنوز و معادن (یعنی زمین سے نکلنے والی کانیں اور دفینے، اگر یہ کسی شخصی زمین میں سے بھی نکلتے تو اس کا 20% بیت المال کا حق ہوتا)۔

مذکورہ ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی اس سے پہلے مقامی ضروریات پوری کی جاتی تھیں اور جو رقم بچ رہتی تھی اسے سال کے آخر میں مرکزی بیت المال میں جمع کرا دیا جاتا تھا۔ خلافت راشدہ کے زمانے میں بیت المال قوم کی امانت ہوتا تھا۔ خلفا اور حکام اس کے نگراں اور ذمہ دار ہوتے تھے۔ اور اس کی آمدنی کو اپنے اوپر خرچ کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی تنخواہیں مقرر ہوتی تھیں جن سے کہ وہ اپنی ضروریات پوری کرتے تھے۔ ضرورت مندوں اور محتاجوں کی کفالت حکومت کی ذمہ داری تھی۔ غیر مسلم رعایا میں بھی جو لوگ کسی وجہ سے اپنے اخراجات پورے کرنے کے اہل نہیں تھے ان کی کفالت بیت المال (سرکاری خزانے) سے کی جاتی تھی۔

16.4.6 سماجی برابری

خلافت راشدہ کے اسلامی معاشرے میں سماجی برابری کا دور دورہ تھا۔ رنگ، نسل، علاقے، قومیت اور زبان کی بنیاد پر لوگوں کے درمیان کسی طرح کا کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ سماج میں رہنے والے تمام مسلمانوں کو یکساں اور برابر کے سماجی، معاشی، سیاسی اور دینی حقوق حاصل تھے اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کا درجہ برابر تھا۔ مسجد اور معاشرے میں ہر جگہ ان کو یکساں مقام حاصل ہوتا تھا۔ ہر مسلمان کو سماج میں رہتے ہوئے کام کرنے اور ترقی کرنے کے یکساں مواقع حاصل تھے اور اس میں کسی کے ساتھ کسی طرح کا کوئی تعصب نہیں برتا جاتا تھا۔

معلومات کی جانچ

1۔ خلافت راشدہ کے دوران اسلامی حکومت کی آمدنی کے بڑے ذرائع کون سے تھے؟
2۔ خلافت راشدہ میں شوریٰ کن لوگوں پر مشتمل ہوتی تھی؟
3۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں محتاجوں کی کفالت کون کرتا تھا؟

16.5 خلاصہ

خلفاء راشدین نے اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق انتظام حکومت و ریاست میں مختلف طرح کی اصلاحات کیں۔ انتظامیہ کو زیادہ بہتر اور موثر بنانے کے لیے اس کے مختلف شعبے اور محکمے بنائے۔ معاشرے کی تعمیر و ترقی اور خوش حالی کے لیے اقدامات کیے۔ تعلیم کے مراکز قائم کیے اور سماج کے ہر طبقہ میں تعلیم کو عام کیا۔ وظائف کا مثالی نظام جاری کیا۔ حکومت کو لوگوں کے سامنے جواب دہ بنایا۔ مشورے اور شورائیت کے نظام کو یقینی بنایا۔ قانون سب کے لیے یکساں تھا اور سب پر یکساں طور پر لاگو بھی ہوتا تھا۔ نظام حکومت جمہوری اور شورائی تھا۔ غرض خلافت راشدہ ایک مثالی طرز حکومت تھا۔ اس زمانے کا معاشرہ خیر کا معاشرہ تھا جس میں نیکی اور بھلائی کا ہر طرف چرچا تھا۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ خلافت راشدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ مثالی معاشرے کی توسیع تھی۔

16.6 نمونۂ امتحانی سوالات

(1) فوج کا محکمہ .... کے زمانہ میں قائم ہوا۔

(2) حضرت عثمانؓ کے ذاتی سکریٹری .... تھے۔

(3) حضرت .... نے اضافی مال کو محفوظ کرنے کے لیے بیت المال کی باضابطہ عمارت تعمیر کرائی۔

(4) حضرت عثمانؓ کے دور میں حضرت .... مدینہ کے قاضی تھے۔

(5) کنوز و معادن میں .... فی صد (٪) بیت المال کا حق ہوتا۔

مختصر جوابی سوالات:

(1) خلافت راشدہ کے معاشرہ کی تعمیر و ترقی میں غلاموں اور خواتین کا کیا رول تھا؟ بیان کیجیے۔

(2) خلافت راشدہ کے محکمہ عدالت اور محکمہ احداث سے بحث کیجیے۔

(3) خلافت راشدہ کی انتظامیہ کے تین محکموں پر نوٹ لکھیں۔

(4) خلافت راشدہ کی کوئی دو خصوصیتیں تفصیل سے لکھیں۔

(5) خلافت راشدہ کے دور میں حکومت کی آمدنی کے کیا ذرائع تھے؟ تحریر کیجیے۔

طویل جوابی سوالات:

(1) خلافت راشدہ کے نظم و نسق سے بحث کیجیے۔

(2) خلافت راشدہ کا اسلامی معاشرہ کیسا تھا؟ بیان کیجیے۔

(3) خلافت راشدہ کی خصوصیات بیان کیجیے۔

(4) خلافت راشدہ کے معاشی عدل اور سماجی برابری پر گفتگو کیجیے۔

(5) اسلامی خلافت کے شورائی مزاج پر روشنی ڈالیے۔

16.7 سفارش کردہ کتابیں

1۔ خلفاء راشدین	حاجی معین الدین ندوی
2۔ تاریخ تہذیب اسلامی (حصہ دوم)	پروفیسر یسین مظہر صدیقی
3۔ الفاروق	علامہ شبلی نعمانی
4۔ مختصر تاریخ اسلام	غلام رسول مہر
5۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (جلد اول)	ثروت صولت

۔:oOo:۔

اکائی 17 : بنوامیہ کا قیام اور اہم حکمراں

اکائی کے اجزا

17.1 تمہید
17.2 بنوامیہ کا قیام
17.3 عہد امیہ کے مشہور خلفا
17.3.1 امیر معاویہ
17.3.2 امیر معاویہ کے اہم کارنامے
17.3.3 یزید بن معاویہ (۶۰ھ تا ۶۴ھ) (680-683ء)
17.3.4 عبدالملک بن مروان (۶۵ھ تا ۸۶ھ) (685-705ء)
17.3.5 ولید بن عبدالملک (۸۶ھ تا ۹۶ھ) (705-715ء)
17.3.6 سلیمان بن عبدالملک (715-717ء)
17.3.7 عمر بن عبدالعزیز (717-720ء)
17.3.8 یزید بن عبدالملک (720-724ء)
17.3.9 ہشام بن عبدالملک (724-743ء)
17.4 خلاصہ
17.5 نمونۂ امتحانی سوالات
17.6 سفارش کردہ کتابیں

17.1 تمہید

41ھ مطابق 661ء میں حضرت حسن بن علیؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کا اعلان کیا اور لوگوں نے متفقہ طور پر حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھوں پر خلافت کی بیعت کی اور اموی حکومت کا آغاز ہوا۔ حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان کا تعلق قریش کی اہم شخصیت عبد شمس کے بیٹے امیہ سے ہے جن کے بیٹے حرب ہیں اور ان کے بیٹے ابوسفیان اور ان کے بیٹے حضرت امیر معاویہؓ ہیں۔

اموی حکومت میں اگر چہ خلافت راشدہ کی ممتاز خوبیاں نہیں تھیں ۔لیکن فتوحات کی وسعت ،مملکت اسلامیہ کے بہتر نظم ونسق اور رعایا کی خوشحالی و فارغ البالی ،تہذیب وتمدن کے ارتقا اور علوم وفنون کی بنیادیں رکھنے کے اعتبار سے یہ تاریخ کا ایک اہم زمانہ مانا جاتا ہے۔ اس اکائی میں بتایا جائے گا کہ خلفائے راشدین کے بعد اموی حکومت کا قیام کس طرح عمل میں آیا؟ اس دور کے مشہور خلفا کون ہیں اور انھوں نے کیا کارنامے انجام دیے؟

17.2 بنوامیہ کا قیام

حضرت علی مرتضیٰؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسن بن علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے لیکن حضرت حسن نے چند شرطوں کے ساتھ حضرت معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا تا کہ امت انتشار سے بچ جائے۔ امام حسنؓ کی خلافت سے کنارہ کشی کی وجہ سے امیر معاویہؓ بن ابی سفیان کی حکومت پر ایک طرح سے مسلمانوں کا اتفاق ہوگیا۔ یہ خلافت انھوں نے اپنی طاقت کے زور پر حاصل کی تھی، عوام یا عوام کی منتخب کردہ شخصیتوں کے انتخابی عمل سے نہیں۔ بہرحال مسند خلافت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد لوگوں نے خوشی سے یا بہ قہر و جبران کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اور اس طرح خلافت کا سلسلہ ختم ہوا اور مملوکیت اور بادشاہت کی بنیاد پڑی۔ بیعت کی رسم سے فراغت کے بعد مشہور صحابی حضرت سعد بن وقاصؓ جب امیر معاویہؓ سے ملاقات کی غرض سے گئے تو انھوں نے ''السلام علیکم یا امیر المومنین'' کے بجائے ایھا الملک کہا، جس کا مطلب تھا کہ وہ ان کو بادشاہ سمجھتے تھے، خلیفہ نہیں، حضرت معاویہؓ کو اگر چہ ناگوار خاطر ہوا لیکن ان کو بھی اس کا احساس تھا کہ وہ بادشاہ ہیں، خلیفہ نہیں ہیں۔

امیر معاویہؓ نے 661ء میں ایسے حالات میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالی جب اسلامی سلطنت ایک بہت ہی نازک دور سے گذر رہی تھی۔ انھوں نے امیہ خاندان کی حکومت کی بنیاد ڈالی اور اندرونی حالات پر نہ صرف قابو پایا، بلکہ بیرونی فتوحات سے اسلامی سلطنت کی توسیع بھی کی اور سلطنت کا نظام بھی بہتر طریقے سے چلایا۔ لیکن بیرونی فتوحات اور اندرونی بغاوتوں کے استیصال میں بڑی حد تک امیر معاویہؓ کے معاونین کا بھی ہاتھ رہا ہے، یعنی عمرو بن عاصؓ، مغیرہ بن شعبہؓ اور زیاد بن ابی سفیان کی سوجھ بوجھ اور تدبر امیر معاویہؓ کو حاصل تھا۔ یہ تینوں ہی امیر معاویہؓ کے خاص رفقا اور مشیر کار تھے۔

اس خلافت کو ''خلافت بنی امیہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اس سلسلے میں جتنے لوگ مسند آرائے خلافت ہوئے وہ سب اموی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس دورِ خلافت میں مجموعی طور پر چودہ خلیفہ ہوئے، اور یہ اموی خلافت 661ء سے شروع ہوکر 750ء تک قائم رہی۔ اس خلافت کا دارالسلطنت دمشق تھا۔

17.3 عہد امیہ کے مشہور خلفا

امام حسنؓ کی خلافت سے کنارہ کشی کی وجہ سے امیر معاویہؓ بن ابی سفیان کی حکومت پر ایک طرح سے مسلمانوں کا اتفاق ہوگیا۔ یہ خلافت انھوں نے اپنی طاقت کے زور پر حاصل کی تھی، عوام یا عوام کی منتخب کردہ شخصیتوں کے انتخابی عمل سے نہیں۔ بہرحال مسند خلافت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد لوگوں نے خوشی سے یا بہ قہر و جبران کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اور اس طرح خلافت کا سلسلہ ختم ہوا اور مملوکیت اور بادشاہت کی بنیاد پڑی۔ بیعت کی رسم سے فراغت کے بعد مشہور صحابی حضرت سعد بن وقاصؓ جب امیر معاویہؓ سے ملاقات کی غرض سے گئے تو انھوں نے ''السلام علیکم یا امیر المومنین'' کے بجائے ایھا الملک کہا، جس کا مطلب تھا کہ وہ ان کو بادشاہ سمجھتے تھے، خلیفہ نہیں، حضرت معاویہؓ کو اگر چہ ناگوار خاطر ہوا لیکن ان کو بھی اس کا احساس تھا کہ وہ بادشاہ ہیں، خلیفہ نہیں ہیں۔

اس خلافت کو ''خلافت بنی امیہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اس سلسلے میں جتنے لوگ مسند آرائے خلافت ہوئے وہ سب اموی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس دورِ خلافت میں مجموعی طور پر چودہ خلیفہ ہوئے، اور یہ اموی خلافت 660ء سے شروع ہوکر 749ء تک قائم رہی۔ اس خلافت کا دارالسلطنت دمشق تھا۔ اموی دور کے اہم اور نامور خلفا کے کارناموں کا ذکر مختصراً پیش ہے۔

17.3.1 امیر معاویہؓ

امیر معاویہؓ کی مدت خلافت (680-660ء) بیس سال ہے۔ ان کے عہد خلافت میں عموماً امن و آشتی رہی۔ نئے نئے علاقے سلطنت اسلام میں داخل ہوئے۔ انھیں میں شمالی افریقہ بھی تھا جس پر عقبہ بن نافع نے فتح کا پرچم لہرایا تھا۔ یہ ایک بڑے جوشیلے سپہ سالار تھے۔ جس وقت انھوں نے اس علاقے کا رُخ کیا تو بہت سے علاقے فتح ہوتے چلے گئے۔ بالآخر سمندر سامنے آ گیا۔ یہ بحر ظلمات تھا، انھوں نے جوش ایمانی سے سرشار ہو کر سمندر میں

گھوڑا ڈال دیا۔ پھر تلوار اٹھا کر کہا" اے خدا! یہ سمندر اگر بیچ میں آڑے نہ آتا تو میں دنیا کے آخری کنارے تک تیرا نام بلند کرتا چلا جاتا"۔

امیر معاویہؓ کا اگر چہ صحابیوں میں شمار ہوتا ہے لیکن صحبت نبوی سے استفادہ کی مدت نہایت قلیل ہونے کی وجہ سے ان کا مزاج عام بزرگ صحابیوں جیسا نہ تھا۔ وہ خلفائے راشدین کی سادہ زندگی کے بجائے امیرانہ زندگی گذارتے تھے۔ ان کے دربار میں حاجب، نقیب اور پہرہ دار مقرر تھے۔ علاوہ ازیں ان کو شاندار محلات کے بنانے کا شوق بھی تھا۔ اس سلسلے میں ایک دفعہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رائے لی تو انھوں نے کہا:

"اگر آپ نے یہ محل بیت المال کی رقم سے بنایا ہے تو خیانت کی ہے، اور اگر ذاتی مال سے بنایا ہے تو فضول خرچ کیا ہے"۔

امیر معاویہؓ نے اپنی حکومت کے کچھ اصول بنائے تھے، جو درج ذیل ہیں:۔

"جہاں میرا کوڑا کام کرتا ہے، وہاں تلوار کام میں نہیں لاتا۔ اور جہاں زبان کام دیتی ہے وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی رشتہ قائم ہو تو میں اس کو نہیں توڑتا۔ جب لوگ اس کو کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دیتا ہوں اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں"۔

17.3.2 امیر معاویہؓ کے اہم کارنامے

امیر معاویہؓ کے عہد میں عوامی فلاح و بہبود کے کئی کام ہوئے، مثلاً نہریں کھودی گئیں' آب پاشی کے لیے تالابوں کا انتظام کیا گیا۔ انھوں نے دمشق کو اپنا دارالسلطنت بنایا، جہاں وہ اپنی خلافت سے پہلے گورنر رہ چکے تھے۔ انھوں نے ڈاک کا نظام جاری کیا جس کا طریقہ یہ تھا کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سرائیں بنوائیں جہاں تیز رفتار اور تازہ دم گھوڑے ہر وقت تیار رہتے۔ سرکاری ہرکارے منزل پر گھوڑوں کو بدلتے ہوئے خبریں دور دراز تک پہونچاتے اور وہاں سے لاتے۔ امیر معاویہؓ نے بیس سال حکومت کی۔ اگر چہ قلمرو خلافت کو وسعت تو نہیں دی۔ مگر مجموعی طور پر ان کے عہد میں امن وامان قائم رہا۔

17.3.3 یزید بن معاویہ (۶۰ھ تا ۶۴ھ) (683-680ء)

۶۰ھ میں حضرت معاویہؓ نے یزید کو اپنا جانشیں مقرر کیا۔ حالاں کہ ان کے زمانے میں بہت سے قابل اور لائق موجود تھے۔ اور مسلمانوں کا عام خیال بھی یہ تھا کہ خلافت کوئی موروثی چیز نہیں ہے کہ باپ کے بعد بیٹے کو ملے۔ لیکن معاویہؓ نے اس کے برخلاف اپنے بیٹے جو بہت سی نازیبا حرکتوں کے لیے بدنام بھی تھا۔ کچھ ممتاز لوگوں سے مشورہ کر کے اپنا جانشیں بنایا۔ اور حج کے موقع پر سب سے اس بات پر بیعت لی۔ لیکن یہ کام دباؤ کے تحت انجام پایا تھا۔ پانچ ممتاز صحابیوں حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ نے ان کے اس رویہ کی سخت مخالفت کی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اپنے بیٹے کو جانشیں بنانا ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت نہیں بلکہ قیصر و کسریٰ کا طریقہ ہے۔ لیکن انھوں نے اس کی سنی ان سنی کر دی اور اس طرح اسلام میں خلافت کی جگہ ملوکیت کی روایت قائم ہو گئی۔

امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد جب یزید خلیفہ ہوا تو بہت سے لوگوں نے اس کی مخالفت کی، جس کی کئی وجوہ تھیں۔ ایک تو یہی کہ وہ اسلامی روایت کے خلاف تھا' دوسرے یہ کہ یزید اپنے اخلاق کے لحاظ سے بھی کچھ اچھا نہ تھا۔ مخالفین کی جماعت میں حضرت حسینؓ بھی تھے۔

کوفہ کے لوگوں نے حضرت حسینؓ کا ساتھ دینے کا وعدہ کر کے ان کو کوفہ آنے کی دعوت دی۔ بعض صحابہ نے ان کو کوفہ جانے سے روکا، خصوصاً ان کے سوتیلے بھائی محمد بن حنفیہؓ نے کہا کہ بجائے اس کے آپ کوفہ جائیں کوفہ والوں کو یہاں بلا کر ان کو اپنی خلافت کی دعوت دیں۔ اگر وہ قبول کر لیتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ آپ کے وقار اور مذہب کو کوئی ٹھیس نہیں لگے گی۔ مگر حضرت حسینؓ نے کوفہ جانے میں ہی مصلحت سمجھی اور اپنے خاندان کے 72 افراد کے ساتھ کوفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اس درمیان یزید کی طرف سے عبداللہ بن زیاد کوفہ کا گورنر مقرر ہو کر وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس کے خوف سے لوگ اپنے وعدہ

سے پلٹ گئے۔ اسی وقت حضرت حسینؓ کے نمائندہ کے طور پر مسلم بن عقیل وہاں پہنچ گئے۔ کوفہ والوں نے مارے ڈر کے ان کو عبداللہ بن زیاد کے حوالے کردیا۔ اس نے مسلم بن عقیل کو قتل کردیا۔ اس خبر سے حضرت حسینؓ مایوس ہوکر واپس مکہ جانا چاہتے تھے مگر حضرت مسلم کے بھائیوں کے اصرار پر وہ چل پڑے۔ ادھر دریائے فرات کے ساحل کربلا کے مقام پر عبداللہ بن زیاد کی چار ہزار فوج نے حضرت حسینؓ کے 72 آدمیوں کے قافلے کو گھیر لیا۔ اور حضرت حسینؓ کو یزید کی بیعت کرنے پر مجبور کیا۔ حضرت حسینؓ نے ابن زیاد کی فوج کے سامنے تین باتیں رکھیں۔ یا تو انھیں یزید کے پاس جا کر اس معاملے کو خود اس سے طے کرنے کا موقع دیا جائے یا سرحد کی طرف نکلنے یا واپس مدینہ جانے کا موقع دیا جائے۔ لیکن ان لوگوں نے ان کی ایک نہ سنی۔ حضرت حسینؓ بہر حال ایسے نہ تھے جو موت کے ڈر سے کسی دباؤ کو قبول کر لیتے۔ انھیں اپنی جان دینا آسان تھا مگر باطل کے سامنے جھکنا قبول نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ کہاں چار ہزار آدمی اور کہاں 72 آدمی، مقابلہ میں کوئی مناسبت نہ تھی۔ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھ جتنے مرد تھے سب شہید ہوگئے صرف عورتیں اور ان کے صاحبزادے زین العابدین جو اپنی بیماری کی وجہ سے جنگ میں شامل نہ ہوسکے تھے زندہ بچے۔ ابن زیاد نے حضرت حسینؓ کا سر اور قافلے کے کچھ افراد جس میں عورتیں اور بچے شامل تھے، یزید کے پاس دمشق بھیج دیا۔

کربلا کا یہ دردناک واقعہ تاریخ اسلام پر ایک بدنما داغ ہے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ ان کے پیارے نواسے کو ان لوگوں نے جو خود کو مسلمان کہتے تھے قتل کردیا۔ حجاز میں اس واقعہ پر سخت ردعمل ہوا، بہت سے لوگوں نے یزید کی بیعت ختم کرکے عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ یزید نے اس بے چینی کو ختم کرنے کے لیے ایک فوج مدینہ روانہ کی جس نے مدینہ میں قدم رکھنے کے ساتھ تین دن تک قتل و غارت کا بازار گرم کردیا۔ اس واقعہ کو ''حرّہ'' کہا جاتا ہے۔ یہ دوسرا بدنما داغ ہے، کیوں کہ مسلمانوں نے شہری باشندوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کبھی نہیں کیا تھا۔ اسلامی فوج نے پھر مکہ کا رخ کیا جہاں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پناہ گزیں تھے۔ اس درمیان یزید کا انتقال ہوگیا اور اس کی فوج واپس دمشق چلی گئی۔ یزید کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے نے خلافت قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اس طرح معاویہ کے خاندان کی حکومت ختم ہوگئی۔

17.3.4 عبدالملک بن مروان (٦٥ھ تا ٨٦ھ) (685-705ء)

یزید کے انتقال کے بعد کچھ دنوں تک حضرت عبداللہ بن زبیر کی خلافت قائم رہی۔ مگر تھوڑے دنوں بعد مرج راہط کے مقام پر عبداللہ بن زبیرؓ کے حامیوں اور بنی امیہ کے حامیوں میں زبردست جنگ ہوئی جس میں بنو امیہ کو فتح حاصل ہوئی جس کی وجہ سے شام سے عبداللہ بن زبیرؓ بے دخل ہوگئے۔ مگر اس کے باوجود بڑے حصے پر ان کا قبضہ بلکہ خلافت سات سال تک قائم رہی۔ اس درمیان بنی امیہ اپنی طاقت بڑھاتے رہے یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان کا مکہ پر قبضہ ہوگیا اور پھر اس کے ایک سپہ سالار حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شہید کردیا۔

عبدالملک 39 سال کی عمر میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ اسے شروع میں کئی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا جو بالآخر مہلب بن صفرہ کی قیادت میں فرو کردیا گیا۔ اور اس کے بعد پورے قلمرو میں امن وامان قائم ہوگیا۔ انھیں کارناموں کی وجہ سے اموی خلافت کا اصلی بانی عبدالملک بن مروان کو سمجھا جاتا ہے۔

عبدالملک بن مروان ہی کے زمانے میں شمالی افریقہ دوبارہ فتح ہوا، جس کا سہرا اس کے سپہ سالار موسیٰ بن نصیر کے سر ہے۔ اس نے وہاں اسلام کی تبلیغ بھی کی جس کے نتیجے میں سارا شمالی افریقہ مسلمان ہوگیا۔ اس نے بحریہ کو بھی ترقی دی۔ اور تونس میں جہاز سازی کا کارخانہ قائم کیا جس سے اس کی بحری طاقت اور بھی مضبوط و مستحکم ہوئی۔

عبدالملک نے بیت المقدس میں اس چٹان پر جہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے ایک قبہ تعمیر کرایا جس کو قبۃ الصخراء کہا جاتا ہے اور جو فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ عبدالملک نے اپنی دفتری زبان عربی قرار دی، اور اس نے سکے ڈھالنے کی بڑی بڑی ٹکسالیں قائم کیں۔ اس سے پہلے کسی خلیفہ نے اس طرف توجہ نہ کی تھی اور مسلمانوں کا اپنا کوئی سکّہ نہ تھا۔

17.3.5 ولید بن عبدالملک (٨٦ھ تا ٩٦ھ) (705-715ء)

ولید بن عبدالملک کا زمانہ اسلامی فتوحات کے لیے بہت مشہور ہے۔ اس کے سپہ سالار قتیبہ نے بخارا، سمرقند اور کاشغر فتح کرکے اسلامی قلمرو کے

حدود چین تک پہنچا دیے تھے۔اس کے عہد میں محمد بن قاسم نے پورا صوبہ سندھ اور ملتان فتح کیا'اسپین اور پرتگال پرلشکرکشی کی گئی جو اس زمانے میں عیسائیوں کے قبضہ میں تھے۔مسلمانوں نے اسپین کو فتح کر کے اسے اندلس کا نام دیا۔ایشیائے کوچک میں بھی مسلمانوں نے جنگ کر کے کئی علاقوں پر قبضہ کرلیا۔اسی زمانہ میں کئی بحری لڑائیاں بھی ہوئیں اور مسلمانوں نے مغربی بحیرۂ روم میں کئی جزائر پر قبضہ کرلیا۔یہ ساری فتوحات دس سال کی مختصر مدت میں ہوئیں۔تعلیم کے میدان میں بھی اس کی خدمات نا قابل فراموش رہیں۔حفظ قرآن کو بہت رواج دیا۔تعلیم قرآن کے حلقے لگوائے۔اہل عجم کی سہولت کے لیے اسی دور میں حجاج بن یوسف نے قرآن شریف پر نقطے اور اعراب لگوائے۔

فن تعمیر سے ولید کی دلچسپی حیرت انگیز حد تک بڑھی ہوئی تھی۔اس نے ایسی تعمیری یادگاریں چھوڑیں جن پر آج بھی بجا طور پر فخر کیا جاسکتا ہے۔ان میں دمشق کی جامع اموی بہت مشہور ہے، جس کی تعمیر کے لیے ہندوستان ،فارس،مغرب اور روم وغیرہ مختلف ملکوں سے کاریگر اور تعمیر کا سامان منگایا گیا تھا۔صرف جزیرہ قبرص سے اٹھارہ جہازوں پر سونا اور چاندی آیا تھا۔شاہ روم نے علیحدہ منبت کاری کا سامان بھیجا تھا۔سنگ مرمر اور سنگ سماق وغیرہ جن جن مقاموں کا مشہور تھا، وہاں سے منگایا تھا۔یہ سامان اتنا قیمتی تھا کہ پتھر کے بعض ستونوں کی قیمت کئی کئی سو اشرفی تھی۔یہ عمارت عظمت وشان اور آرائش وزیبائش ہر لحاظ سے اس دور کے عجائبات میں تھی اور دنیا کی بڑی عمارتوں میں اس کا پانچواں نمبر شمار کیا جاتا تھا۔

اس نے مسجد نبوی کی بھی توسیع کرائی اور اس کی تعمیر میں بھی غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔قیصر روم نے مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے سونا اور پچی کاری کا کام کرنے والے کاریگر بھیجا۔

17.3.6 سلیمان بن عبدالملک (717-715 ء)

سلیمان بن عبدالملک کی حکومت صرف ڈھائی سال رہی مگر اس مختصر دور میں کئی افسوس ناک واقعات ہوئے جن میں تین مشہور ہیں۔مشہور سپہ سالار محمد قتیبہ ،محمد بن قاسم اور موسیٰ بن نصیر کے ساتھ ناروا سلوک کے نتیجے میں ان کا قتل یا انتقال ہوا۔اسلامی تاریخ کے مستقبل پر اس کا بہت برا اثر ہوا۔ دوسرا اہم واقعہ قسطنطنیہ کا محاصرہ ہے۔اس پر خشکی اور سمندر دونوں راستے سے حملہ کیا گیا مگر اس میں مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا اور نئے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے جو امن کے خواہاں تھے سپہ سالار مسلمہ بن عبدالملک کو واپس بلالیا۔اس کا تیسرا واقعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جانشینی ہے۔سلیمان مذہبی قسم کا آدمی تھا،اس نے ولید کے زمانے کی زیادتیوں کی تلافی کرنی چاہی اس لیے اس کو ''مفتاح الخیر'' کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

17.3.7 عمر بن عبدالعزیز (720-717ء)

عمر بن عبدالعزیز نے صرف دو سال پانچ مہینے خلافت کی ،مگر اپنے کارناموں کی وجہ سے خلافت راشدہ کی یاد تازہ کرادی۔انھوں نے نامزدگی پر اکتفانہیں کیا، بلکہ دوبارہ عوام پر اپنے آپ کو پیش کیا اور ان کی تائید کے بعد ہی کارِ خلافت سنبھالا ،اس طرح وہ بڑی حد تک خلفاء راشدین کی طرح منتخب خلیفہ تھے، ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے سابق حکمرانوں کی زیادتیوں اور ظلم و جبر کی روایت کو ختم کیا۔ظالم عہدہ داروں کو برطرف کیا، بیت المال کو رعایا کی مملکت قرار دیا اور اس سے صرف حاجت مندوں کی مدد کی جاتی تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا شمار ممتاز علما کے زمرے میں ہوتا تھا ان کے والد عبدالعزیز خلیفہ عبدالملک کے بھائی تھے، اور ایک نیک نام گورنر رہے۔ والد کی تربیت کے نتیجے میں ان کی طبیعت بھی نیکی کی طرف مائل رہتی تھی۔خلافت سے پہلے امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔مگر خلافت ملنے کے بعد ان کی زندگی کا رُخ بدل گیا۔اور وہ نہایت سادگی سے زندگی بسر کرنے لگے۔

ولید کے ظالم و جابر امرا کا یہ تبصرہ قابل قدر اور اس کے رجحان کی عکاسی کرتا ہے۔

''عراق میں حجاج ،شام میں ولید،مصر میں قرہ بن شریک ، مدینہ میں عثمان بن حیان اور مکہ میں خالد بن عبداللہ قسری ۔ خداوندا تیری دنیا ظلم سے بھرگئی'اب لوگوں کو راحت دے''۔

خلافت کے مسند پر جلوہ افروز ہونے کے بعد مجمع عام کے سامنے عمر عبدالعزیز نے جو تقریر کی اور اس میں اسلامی حکومت کے بنیادی اصول پر روشنی

ڈالی جو خلفائے راشدین کا طرّہ امتیاز تھا، انھوں نے کہا:

> ''خدا نے جو چیز حلال کردی ہے وہ قیامت تک حلال ہے، اور جو حرام کردی ہے وہ قیامت تک حرام ہے۔ میں اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ احکام الٰہی کو نافذ کرنے والا ہوں۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے۔ میں تم میں کوئی ممتاز آدمی نہیں ہوں بلکہ معمولی فرد ہوں۔ البتہ تمھارے مقابلے میں اللہ نے مجھ پر کچھ زیادہ ذمہ داریاں عاید کردی ہیں۔''

یہ خلافت کے اسلامی تصور کی پہلی آواز ہے جو ملوکیت کے دور میں اور خلافت راشدہ کے بعد سنی گئی۔

عمر بن عبدالعزیز نے بیت المال کو ناجائز مصارف سے بچایا۔ شاہی خاندان والوں کی جاگیریں ختم کیں، سب سے پہلے اپنی ذاتی جاگیر واپس کی، عام لوگوں کی طرح شاہی خاندان کے وظیفے مقرر کیے جس کے نتیجے میں لوگ ان کے دشمن ہو گئے۔

ان کی سیاست کی بنیاد زور زبردستی کے بجائے عدل و انصاف پر قائم تھی۔ انھوں نے گورنروں کو حکم دیا کہ صرف شرعی ثبوت پر جواب طلب کیا جائے اور سزا دی جائے۔ اگر حق لوگوں کی اصلاح نہیں کرسکتا تو پھر کسی طرح ان کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ اس سے پہلے ذرا ذرا سی بات پر لوگوں کو گرفتار کرکے سزا دی جاتی تھی۔ انصاف کے معاملے میں وہ مسلم غیر مسلم کے درمیان کسی طرح کے فرق کے قائل نہیں تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے زمانے میں بہت سے غیر مسلم مسلمان ہوگئے۔ سندھ میں تیزی سے اسلام پھیلا یہاں تک کہ راجا داہر کا لڑکا جے سنگھ بھی مسلمان ہوگیا۔

عمر بن عبدالعزیز نے بہت سی معاشرتی خرابیوں کی بھی اصلاح کی، شراب نوشی، حمام میں ننگے نہانے اور حمام میں عورتوں کے جانے پر پابندی عاید کی۔ مردوں کو تہ بند باندھ کر نہانے کا حکم دیا۔ انھوں نے رفاہی کاموں کی طرف بھی توجہ کی، سڑکوں اور سرایوں کی تعمیر، شیر خوار بچوں کے وظیفے کا تعین، جو غریب قرض ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کے قرض کی ادائیگی کا انتظام' غرض ان سب اصلاحات اور رفاہی کاموں کا یہ اثر ہوا کہ تمام اسلامی قلمرو میں خوش حالی آگئی۔ صدقہ اور خیرات لینے والا کوئی نہ تھا۔ ان کے ان اصلاحی کارناموں کو دیکھ کر ان کے مفاد پرست مخالفین کو یہ اندازہ ہوگیا کہ وہ ملوکیت کا خاتمہ کرکے تمام مسلمانوں کو خلافت کی باگ ڈور سونپ دیں گے۔ اس لیے ان کو زہر دے کر مار دیا گیا۔ اس وقت وہ صرف 39 سال کے تھے۔

17.3.8 یزید بن عبدالملک (724-720ء)

سلیمان بن عبدالملک نے عمر بن عبدالعزیز کی جانشینی کے وقت یہ شرط بھی لگا دی تھی کہ اس کا بھائی یزید بن عبدالملک اگلا خلیفہ ہوگا، چنانچہ اس کے بعد یزید بن عبدالملک' یزید ثانی کے نام سے مسند خلافت پر بیٹھا۔ اس نے چالیس دن تک عمر بن عبدالعزیز کے نقشِ قدم پر خلافت کی اور ان کی اصلاحات کو برقرار رکھا، لیکن اس کے بعد اس کو نبھا نہ سکا اور پھر حسب سابق پرانا جبر کا نظام قائم ہوگیا۔ چار سال چار مہینے کی حکومت کے بعد اس کا انتقال ہوگیا اور اس کی جگہ اس کا بھائی ہشام بن عبدالملک خلیفہ ہوا۔

17.3.9 ہشام بن عبدالملک (743-724ء)

ہشام بنی امیہ کا آخری بڑا حکمراں تھا۔ مورخین کے مطابق اس میں امیر معاویہ کا علم و تدبر اور عبدالملک کی اولوالعزمی ایک جگہ جمع ہوگئی تھی۔ وہ پاک باز، کفایت شعار اور بیدار مغز خلیفہ تھا۔ ہشام کے عہد میں خراسان، ترکستان، آرمینیا، آذر بائیجان اور شمالی افریقہ میں بغاوتوں نے سر اٹھایا اور زبردست لڑائیاں ہوئیں لیکن سب کو کچل دیا گیا۔

ایشیائے کوچک میں رومیوں سے زبردست مقابلہ ہوا۔ ان مقابلوں میں مسلم بن عبدالملک نے بڑے کارنامے انجام دیے۔ شمالی افریقہ میں نومسلموں نے کئی بغاوتیں کیں لیکن مرکزی حکومت نے ان کو کچل دیا۔ اموی لشکر پہلی مرتبہ مراکش کے جنوب میں صحرا کو پار کرکے وہاں تک پہنچ گیا جسے آج سینگال اور مالی کہا جاتا ہے، اور اس زمانے میں یہ سوڈان کہلاتا تھا۔

ہشام کے عہد خلافت میں اسلامی قلمرو کو مزید استواری اور استحکام نصیب ہوا۔ سندھ کا گورنر جنید ایک لایق آدمی تھا۔ اس نے کشمیر تک تمام

علاقوں پر اپنی فتح کا پرچم لہرایا۔ اس کے علاوہ اس نے مارواڑ، اجین، گجرات اور بھڑونچ تک سارا علاقہ فتح کیا، لیکن بعد کے صوبے دار اس فتح کو برقرار نہ رکھ سکے۔

اس دور کی فوجی مہم میں سب سے زیادہ اہمیت اندلس کے صوبے دار عبدالرحمٰن کے فرانس پر حملے کی ہے۔ وہ کوہ پر نیز کو پار کر کے فرانس میں داخل ہوا اور جنوبی اور مغربی فرانس پر اپنی فتح کا پرچم لہراتا ہوا دریائے لوٹر کے کنارے ٹورس تک پہنچ گیا جو پیرس سے صرف ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر ہے، یہاں مسلمانوں کا یورپ کی متحدہ فوجوں سے مقابلہ ہوا۔ دو دن گھمسان کی لڑائی رہی، لیکن دوسرے دن عبدالرحمٰن نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اس کے بعد قیادت کے مسئلے پر مسلمانوں میں آپس میں اختلاف ہوگیا۔ اس وجہ سے رات کے اندھیرے میں مسلمانوں کی فوج میدان جنگ سے واپس ہوگئی۔ دوسرے دن میدان خالی دیکھ کر عیسائی حیران رہ گئے، لیکن مسلمانوں کے تعاقب کی ہمت ان میں نہ تھی۔ ہشام کے بعد بنی امیہ کا زوال ہوگیا۔

17.4 خلاصہ

- اس خلافت کو ''خلافت بنی امیہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اس سلسلے میں جتنے لوگ مسند آرائے خلافت ہوئے وہ سب اموی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اموی خلافت 661ء سے شروع ہو کر 750ء تک قائم رہی۔ اور اس کا دارالسلطنت دمشق تھا۔
- مسلمانوں کی بحری جنگ کی ابتدا امیر معاویہ نے کی تھی حضرت عثمانؓ کے عہد میں، پھر جب امیر معاویہ کا دورِ حکومت آیا تو اپنے زمانے میں امیر
- معاویہ نے پھر بحری جنگ کی طرف توجہ دی اور جنادہ بن امیہ کی قیادت میں جزیرہ روڈس 42ھ میں فتح ہوا۔
- عبدالملک نے اندرونی استحکام قائم کیا اور ساتھ ساتھ بیرونی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کو اموی خلافت کا اصلی بانی سمجھا جاتا ہے۔
- خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اموی خاندان میں بالکل مختلف تھے اور ان کا دور خلافت راشدہ کا نمونہ تھا۔
- اس دورِ خلافت میں مجموعی طور پر چودہ خلیفہ ہوئے:

1. معاویہ بن ابوسفیان (661-680ء)
2. یزید بن معاویہ (680-683ء)
3. معاویہ ثانی (683-684ء)
4. مروان (684-685ء)
5. عبدالملک بن مروان (685-705ء)
6. ولید بن عبدالملک (705-715ء)
7. سلیمان بن عبدالملک (715-717ء)
8. عمر بن عبدالعزیز (717-720ء)
9. یزید بن عبدالملک (720-724ء)
10. ہشام بن عبدالملک (724-743ء)
11. ولید ثانی (743-744ء)
12. یزید ثالث (744ء)
13. ابراہیم (744ء)
14. مروان ثانی (744-750ء)

17.5 نمونۂ امتحانی سوالات

(1) خلیفہ معاویہؓ کی مدت حکومت .... سال ہے۔

(2) ''قبۃ الصخرۃ'' خلیفہ .... کے زمانہ میں تعمیر کیا گیا۔

(3) خلیفہ .... کا زمانہ اسلامی فتوحات کے لیے بہت مشہور ہے۔

(4) خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے شاہی خاندان والوں کی .... ختم کیں۔

(5) خلیفہ .... کے دور میں اموی لشکر پہلی مرتبہ سینگال اور مالی کے علاقوں میں پہنچ گئے۔

مختصر جوابی سوالات:

(1) بنوامیہ کے قیام پر نوٹ لکھیے۔

(2) عبدالملک بن مروان کو اموی خلافت کا اصل بانی کیوں کہتے ہیں؟ واضح کیجیے۔

(3) ہشام بن عبدالملک کے عہد کے کیا کارنامے ہیں؟ بیان کیجیے۔

(4) حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد کون کون اموی خلفا ہوئے اور ان کی خدمات کیا ہیں؟ بیان کیجیے۔

(5) خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دور خلافت پر نوٹ لکھیے۔

طویل جوابی سوالات:

(1) اموی حکومت کے نامور حکمرانوں اور ان کی خدمات کا تعارف کرائیے۔

(2) خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے اہم کارناموں کا ذکر کیجیے۔

(3) یزید بن معاویہ کے دورِ حکومت پر تفصیل سے لکھیے۔

(4) امیر معاویہؓ اور یزید بن معاویہ کے دور خلافت پر روشنی ڈالیے۔

(5) عبدالملک بن مروان کے اولاد میں جو حکومت چلی تفصیل سے بیان کیجیے۔

17.6 سفارش کردہ کتابیں

1۔	تاریخ اسلام	شاہ معین الدین ندوی
2۔	تاریخ اسلام	اکبر شاہ خاں نجیب آبادی
3۔	خلافت وملوکیت	سید ابوالاعلیٰ مودودی
4۔	تاریخ الامّت	محمد اسلم جیراج پوری
5۔	تابعین	شاہ معین الدین احمد
6۔	ہماری بادشاہی	مولانا عبدالسلام قدوائی

خلفاء بنی امیہ(41-132ھ/مطابق 661-750ء)

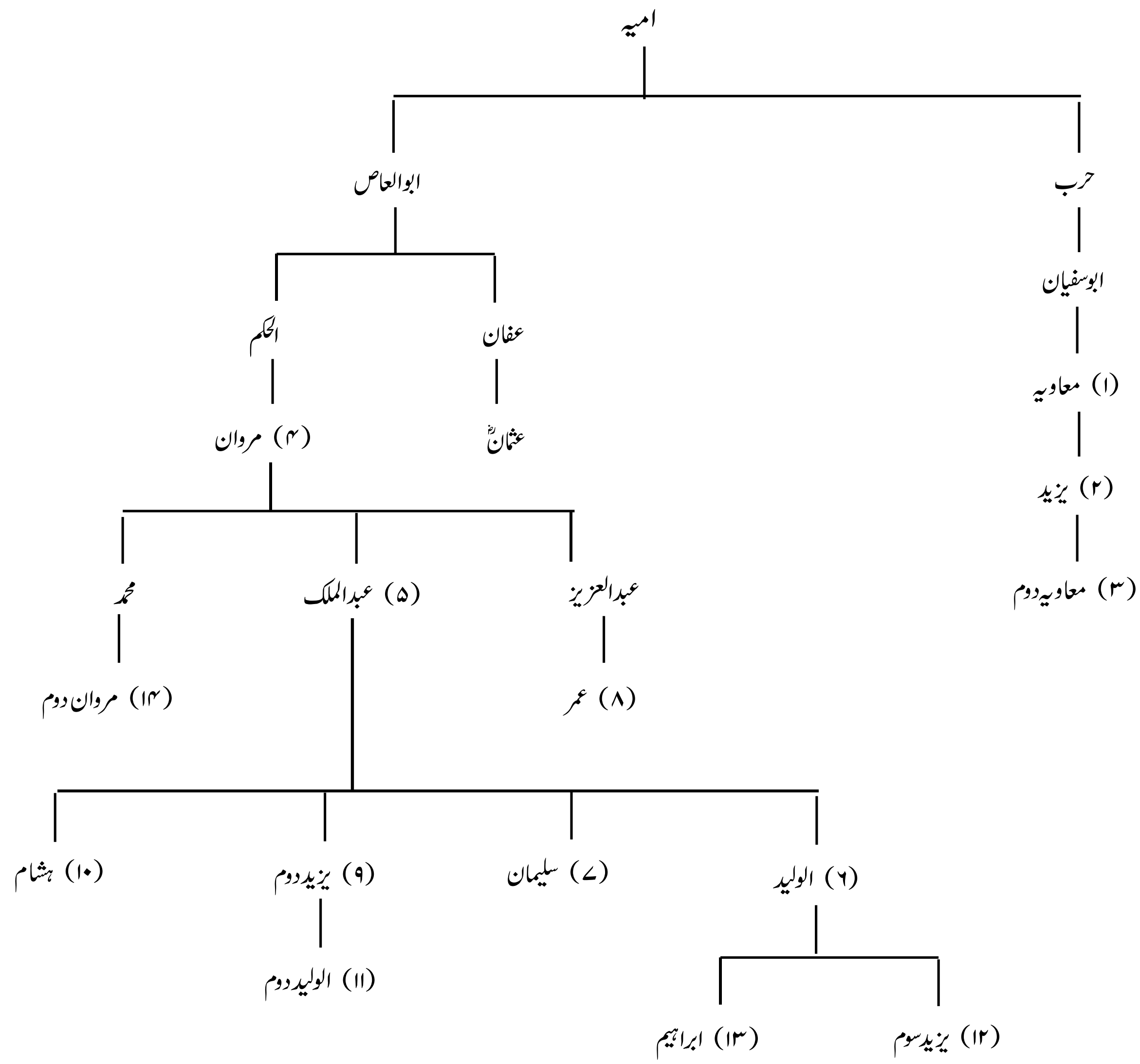

-:oOo:-

اکائی 18 : اموی حکومت کی توسیع

اکائی کے اجزا

18.1 تمہید
18.2 فتوحات مشرق اسلامی
18.2.1 فتح سندھ
18.2.2 ترکستان کی فتح
18.3 فتوحات مغرب اسلامی
18.3.1 شمالی افریقہ
18.3.2 اسپیریا
18.3.3 قسطنطنیہ پر حملہ
18.4 بحیرہ روم کے اہم جزائر پر حملہ
18.5 خلاصہ
18.6 نمونہ امتحانی سوالات
18.7 سفارش کردہ کتابیں

18.1 تمہید

اس سے پہلے کی اکائی میں ہم نے دیکھا اموی حکومت کا قیام کیسے ہوا، اور اہم حکمرانوں کی حیات اور کارناموں پر روشنی ڈالی۔ اس اکائی میں ہم پڑھیں گے اموی حکومت کی توسیع کیسے ہوئی۔

اموی حکمرانوں نے بیرونی فتوحات سے اسلامی سلطنت کی توسیع کی اور سلطنت کا نظام بھی بہتر طریقے سے چلایا۔ بیرونی فتوحات میں کئی خلفا کا ہاتھ رہا ہے۔ مگر اکثر فتوحات اور کامیابیاں معاویہؓ اور ولید بن عبدالملک کے عہد میں نصیب ہوئیں۔ اموی فتوحات کو دو اہم گروپوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: 1) فتوحات مشرق اسلامی اور 2) فتوحات مغرب اسلامی۔

18.2 فتوحات مشرق اسلامی (سندھ اور ماوراء النہر)

خلافت بنی امیہ کے زمانہ میں فتوحات کی بہت کثرت ہوئی، جس کی وجہ سے اسلامی مملکت کی سرحدیں اس قدر پھیل گئی تھیں کہ ایرانی اور رومی بھی اپنے انتہائی عروج کے زمانہ میں اتنی بڑی سلطنت حاصل نہیں کر سکے تھے۔ فتوحات مشرق اسلامی (سندھ اور ماوراء النہر) کے نامور فوجی کمانڈروں میں سے دو نے عالمی تاریخ میں شہرت پائی:

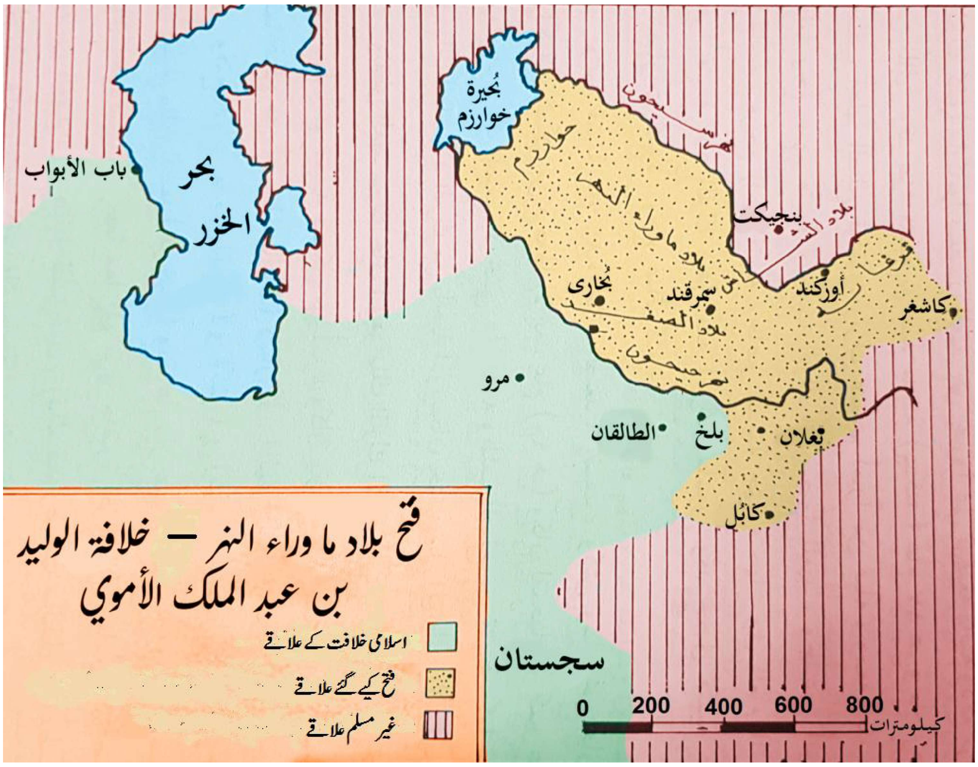

1) قتیبہ بن مسلم اور

2) محمد بن القاسم۔

18.2.1 فتح سندھ

سندھ پر حملے کی ابتدا اموی حکومت سے قبل ہی خلافت راشدہ میں حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوئی تھی۔مسلمان اس طریقے سے پہلی بار خشکی کے راستے سندھ پہنچے تھے لیکن اس وقت مسلمان یہاں مستقل قدم نہ جما سکے تھے۔صرف مالِ غنیمت حاصل کیا اور دشمنوں کو شکست دے کر لوٹ آئے۔اموی حکومت کے آغاز میں امیر معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں سندھ کی طرف توجہ کی اور مسلمانوں نے ایک بار پھر سندھ کا رخ کیا۔مسلمانوں کی فوجیں دو جانب سے سندھ پر حملہ آور ہوئیں۔ایک طرف تو اموی فوج کابل اور افغانستان کے علاقوں کو فتح کرتی ہوئی درّۂ خیبر (Khyber Pass) کے راستے ہندوستان میں داخل ہوئی۔ اس فوج کی ماتحتی مہلب کے ذمے تھی۔اور دوسری فوج منذر کی سرکردگی میں سندھ کی جانب بڑھی۔فوج کا یہ دستہ بلوچستان کی طرف سے بڑھا اور مکران کا علاقہ فتح کرتا ہوا ریاست قلات کی طرف بڑھا اور لگاتار کئی حملے کیے۔اس کے بعد سندھ پر ایک بڑی تیاری کے بعد حملہ کیا گیا جو نہایت کامیاب رہا اور فتح حاصل ہوئی۔اس طرح امیر معاویہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں کی سلطنت کی حدود ہندوستان تک پہنچ گئیں۔

18.2.2 ترکستان کی فتح

زیاد کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا خراسان کا والی مقرر ہوا۔عبداللہ بن زیاد نے اپنے دور گورنری میں ترکوں سے معرکہ آرائی کی۔وہ 54ھ میں خراسان کی طرف روانہ ہوا۔نہر عبور کر کے بخارا کی طرف لشکر سمیت بڑھا اور راستے کے کئی مقامات کو فتح کیا۔ان معرکوں میں ترک میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔تھوڑے ہی عرصے بعد ابن زیاد کو خراسان کی گورنری سے معزول کر کے حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے سعید کو گورنر مقرر کیا گیا۔سعید نے ابن زیاد کی ترکستان کی ادھوری مہم کو پورا کرنے کی کوشش کی۔انھوں نے دریائے جیحوں (آمو دریا) کو پار کر کے کئی چھوٹے چھوٹے علاقوں کو فتح کیا اور سغدانہ کے مرکز تک جا پہنچے جہاں قبق نامی خاتون حکمراں تھی۔ملکہ نے مسلمانوں کی طاقت سے مرعوب ہو کر صلح کی پیش کش کی لیکن اہلِ شہر صلح پر تیار نہ ہوئے اور مقابلے کی تیاریاں

شروع کردیں۔ بخارا کے مقام پر دونوں فریقین صف آرا ہوئے، لیکن جنگ کی نوبت نہ آئی کیوں کہ ملکہ کے ساتھیوں میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ مسلمانوں سے صلح پر مجبور ہوگئی۔

سغد پر قبضے کے بعد اسلامی لشکر سمرقند کی طرف بڑھا اور شہر کا محاصرہ کرلیا۔ اہل شہر مقابلے پر آ گئے لیکن جلد ہی مسلمانوں کی طاقت سے مرعوب ہو کر اور مقابلے کی تاب نہ لا کر ساٹھ لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ترمس کا رُخ کیا لیکن یہاں کے باشندوں نے جنگ کی نوبت نہ آنے دی اور فوراً صلح کر لی۔ اس طرح ترکستان کا علاقہ بھی امویوں کے ماتحت ہوگیا۔

18.3 فتوحات غرب اسلامی (شمال افریقہ اور ایبیریا)

خلافت بنی امیہ کے زمانہ میں شمال افریقہ کے کئی مشہور اور عملی (militarily strategic) شہروں پر کامیاب حملے کیے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ رہا کے تمام علاقے شمال افریقہ کے، مصر سے لے کر مراکش تک، بنو امیہ کی سلطنت میں شامل ہو گئے۔

اس کے علاوہ اموی فوج کے ایبیریا (Iberian Peninsula) پر، جس کو اسپین بھی کہتے ہیں، حملے کافی کامیاب رہے۔

فتوحات الغرب الاسلامی (شمال افریقہ اور ایبیریا) کے مشہور فوجی کمانڈروں کا نام درج ذیل ہیں:

1) عقبہ بن نافع
2) حسان بن النعمان
3) موسیٰ بن نصیر
4) طارق بن زیاد

18.3.1 شمالی افریقہ

سندھ کی طرح شمالی افریقہ کی فتوحات بھی خلافت راشدہ میں شروع ہو چکی تھی لیکن امیر معاویہؓ نے دوسری فتوحات کے ساتھ اس علاقے پر بھی توجہ دی اور اس ادھوری مہم کو مکمل کرنے کے لیے فوج کشی کی جس میں کامیابی ہوئی اور یہاں مسلمانوں کی طاقت بہت مضبوط ہوگئی۔ شمالی افریقہ کی فتوحات میں امیر معاویہؓ کو دو عرب سپہ سالاروں عقبہ بن نافع اور معاویہ بن خدیج کی مدد حاصل ہوئی۔ دراصل ان ہی دونوں سپہ سالاروں کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اموی دور میں شمالی افریقہ کا خاصا حصہ فتح ہوا۔

41ھ میں عقبہ بن نافع نے باغی بربریوں کو شکست دی۔ طرابلس، تونس اور الجزائر کو مطیع کیا اور لورۃ وزناتہ تک اموی فوجیں پہنچ گئیں جہاں کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ 42ھ میں نافع نے اپنے قدم سوڈان تک بڑھائے اور بعض علاقوں پر قبضہ کیا۔ دوسرے سپہ سالار معاویہ بن خدیج نے افریقہ کے شہر بنزرات کو فتح کیا، اس کے ساتھ ہی سوسہ اور جلولہ پر حملہ کر کے ان علاقوں کی سرحدیں بھی اسلامی سلطنت میں شامل کر لیں۔

50ھ میں عقبہ بن نافع کو افریقہ کے بربریوں کی سرکوبی پر مامور کیا گیا۔ افریقہ کے بربر نہایت سرکش واقع ہوئے تھے۔ ان کی باغیانہ فطرت سے عقبہ بن نافع نے مقابلہ کیا اور ان کی بغاوت کا قلع قمع کر دیا اور اس علاقے میں قیروان کی چھاؤنی قائم کر کے بربروں کے خطرے کو ختم کر دیا۔

18.3.2 قسطنطنیہ (Constantinople) پر حملہ

خلافت راشدہ میں مسلمانوں نے ایران و روم کی سلطنتوں سے بہ یک وقت ٹکر لی تھی اور ان طاقتوں کو بڑی حد تک ضرب پہنچائی تھی لیکن رومیوں سے جنگوں کا سلسلہ جاری تھا۔ امیر معاویہؓ نے دوسری فتوحات کے ساتھ بازنطینی حکومت کے پایۂ تخت قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی طرف توجہ دی۔ امیر معاویہؓ کی خواہش تھی کہ قسطنطنیہ فتح کر کے رومیوں سے جنگوں کے اس سلسلے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔ امیر معاویہؓ نے ایک بحری بیڑہ قائم کیا اور رومیوں کے ساتھ فیصلہ کن معرکہ کے لیے زبردست فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔

امیر معاویہؓ کی ان تیاریوں کا علم اہلِ مکہ و مدینہ کو ہوا تو بیشتر صحابہ نے اس مہم میں شرکت کی خواہش کی کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتحین قسطنطنیہ کی مغفرت کی بشارت دی تھی۔ ان صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ شامل تھے۔ قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے والی فوج کی قیادت سفیان بن عوف کو دی گئی تھی۔

اسلامی لشکر 49ھ میں نہایت تیاری اور اہتمام سے روانہ ہوا اور بحرِ روم سے گزرتا ہوا باسفورس میں داخل ہوا۔ رومیوں نے اپنے مشرقی کلیسا کے اس مرکز کی حفاظت کے لیے اپنی پوری طاقت صرف کی لیکن مسلمان بھی فیصلہ کن معرکہ کے لیے آئے تھے۔ دونوں میں زبردست مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ شہر کی فصیل بہت اونچی تھی، رومی فوجی اس پر سے آگ برسا رہے تھے۔ اور سمندر کے کنارے واقع ہونے کی وجہ سے اس کا محل وقوع ایسا تھا کہ اس کا مکمل محاصرہ ممکن نہ تھا۔ محاصرے نے طول کھینچا اور موسم نے بھی مسلمانوں کو کھلی فضا میں ہونے کی وجہ سے پریشان کر دیا جس کی وجہ سے محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ مسلمان جس مقصد کو لے کر آئے تھے' حالات نے وہ مقصد تو پورا نہ کیا لیکن اس محاصرے نے رومیوں کو بڑی حد تک خوف زدہ کر دیا اور ایک سال تک پھر وہ کوئی کارروائی نہ کر سکے۔

مقابلے کے دوران مسلمانوں کا شوقِ شہادت اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ایک مجاہد عبدالعزیز کلبی شہادت کے شوق میں بار بار آگے بڑھتے تھے لیکن ان کی آرزو پوری نہ ہوتی تھی آخر وہ دشمن کے صفوں میں گھس گئے' رومیوں نے نیزوں سے چھید کر انھیں شہید کر دیا۔ اس طرح ان کا شوقِ شہادت پورا ہوا۔ حضرت ابوایوب دورانِ محاصرہ مرض الموت میں مبتلا ہوگئے۔ یزید بن معاویہ نے ان سے پوچھا کہ اگر کوئی وصیت ہو تو فرمائیے' پوری کی جائے گی۔ فرمایا جہاں تک ہو سکے دشمن کی سرزمین میں دفن کرنا' چنانچہ انتقال کے بعد آپ کو قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے دفن کیا گیا اور رومیوں سے کہا گیا کہ اگر تم نے لاش کی بے حرمتی کی تو پھر اسلامی سلطنت میں کبھی ناقوس نہ بج سکے گا۔ رومیوں نے میزبانِ رسول کے مزار کی حفاظت کی، وہ اس کا احترام کرتے تھے۔ شاید یہ اس مذہبی دھمکی کا اثر تھا جو مسلمانوں نے انھیں دی تھی یا پھر مسلمانوں کی طاقت وعظمت کا خوف تھا جس سے وہ دبے رہے۔

18.4 اہم جزائر (Islands) پر حملہ

جزیرہ قبرص

حضرت عمرؓ کے دورِ حکومت میں جب فتوحات کا سلسلہ اپنے نقطۂ عروج پر تھا تو امیر معاویہ نے حضرت عمرؓ سے بحری جنگ کی اجازت مانگی تھی لیکن مصلحتِ وقت کے تحت حضرت عمرؓ نے اس جنگ کو مناسب نہ سمجھا اور اجازت نہ دی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں جب امیر معاویہؓ شام کے گورنر بنے تو آپ نے پھر خلیفۂ وقت سے بحری جنگ کی اجازت طلب کی۔ حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہؓ کی اس خواہش کا خیر مقدم کرتے ہوئے اجازت دے دی۔ اور امیر معاویہؓ نے اجازت ملنے پر شام کے ساحلی علاقے کو رومیوں سے محفوظ کرنے کے لیے بحیرۂ روم کے جزائر پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں اور قبرص کے جزیرے پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اس طرح مسلمانوں کی بحری جنگ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہی شروع ہوگئی جس کی ابتدا امیر معاویہ نے کی تھی۔

جزیرہ روڈس

جب امیر معاویہؓ کا دورِ حکومت آیا تو اپنے زمانے میں امیر معاویہ نے پھر بحری جنگ کی طرف توجہ دی، اور پہلے جزیرہ روڈس کی طرف قدم بڑھایا جو اناطولیہ کے قریب جنوب مغرب میں نہایت سرسبز جزیرہ ہے۔ جنادہ بن امیہ کی قیادت میں یہ جزیرہ 42ھ میں فتح ہوا۔ روڈس کی شاندار کامیابی کے بعد مسلمانوں نے جزیرہ سسلی کا رخ کیا لیکن اس کو اسلامی سلطنت کا حصہ بنانے میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

جزیرہ کریٹ

44ھ میں امیر معاویہؓ نے دوسرے جزائر کی طرف توجہ دی اور ارواڈ کا جزیرہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔ اور جنادہ بن امیہ کی سرکردگی میں جزیرہ کریٹ پر حملہ کیا گیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

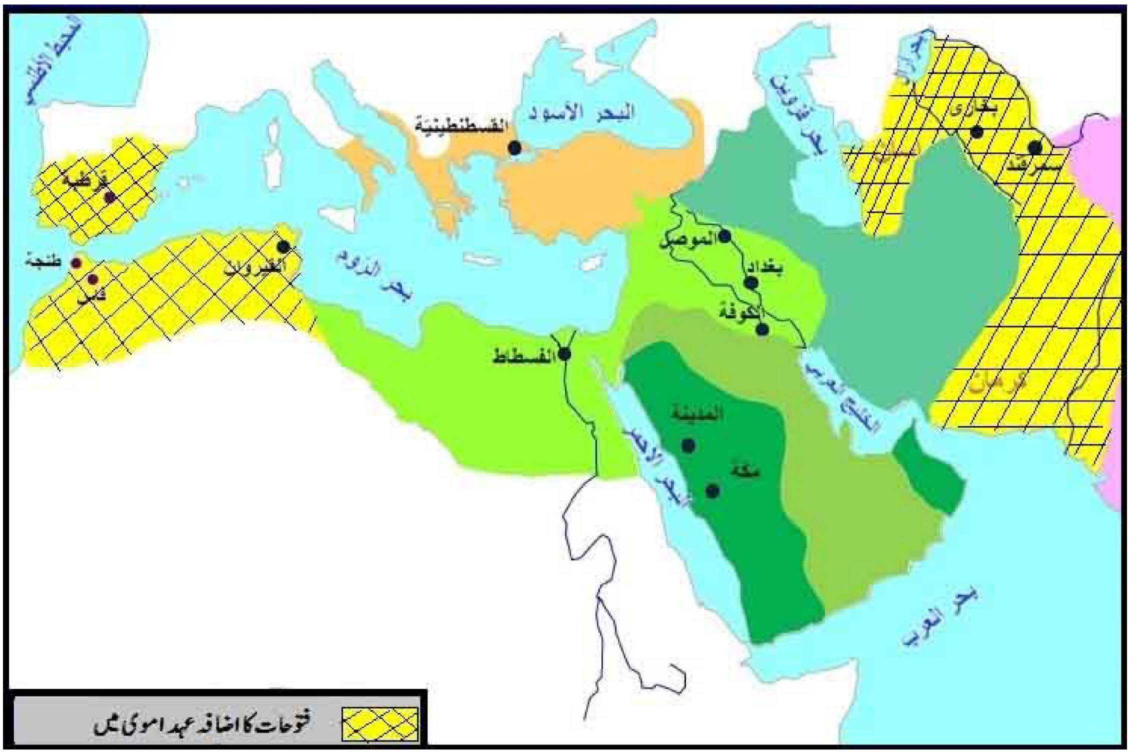

18.5 خلاصہ

- اموی فتوحات کو دو اہم گروپوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1) فتوحات مشرق اسلامی   2) فتوحات مغرب اسلامی

- خلافت بنی امیہ کے زمانہ میں فتوحات کی بہت کثرت ہوئی۔
- فتوحات مشرق اسلامی سے مراد ہے سندھ اور ماوراء النہر کے علاقے۔
- فتوحات مشرق اسلامی کے نامور فوجی کمانڈر:

1) قتیبہ بن مسلم   2) محمد بن القاسم

- اموی فوج کے اسپین (Iberian Peninsula) پر حملے کافی کامیاب رہے۔
- فتوحات الغرب الاسلامی (شمال افریقہ اور ایبیریا) کے مشہور فوجی کمانڈرز چار ہیں:

1) عقبہ بن نافع   2) حسان بن النعمان   3) موسیٰ بن نصیر   4) طارق بن زیاد

- امیر معاویہ نے اپنی خلافت کے دوران پھر بحری جنگ کی طرف توجہ دی اور کئی جزیروں پر حملے کیے۔ ان میں سے کئی حملے کامیاب ثابت ہوئے۔

18.6 نمونۂ امتحانی سوالات

(1) سندھ پر حملے کی ابتدا اموی حکومت سے قبل ہی خلافت راشدہ میں حضرت .... کے زمانے میں ہوئی تھی۔

(2) زیاد کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا .... خراسان کا والی مقرر ہوا۔

(3)　50ھ میں .... کوافریقہ کے بربریوں کی سرکوبی پر مامور کیا گیا۔

(4)　سفد پر قبضے کے بعد اسلامی لشکر .... کی طرف بڑھا اور شہر کا محاصرہ کرلیا۔

(5)　جزیرہ روڈس کی شاندار کامیابی کے بعد مسلمانوں نے جزیرہ .... کا رخ کیا۔

مختصر جوابی سوالات:

(1)　ترکستان کی فتح پر ایک نوٹ لکھیے۔

(2)　سندھ پر حملہ اور امویوں کی فتح کے بارے میں لکھیے۔

(3)　شمالی افریقہ میں امویوں کو فتح کیسے حاصل ہوئی؟ لکھیے۔

(4)　بحیرۂ روم کے جزائر پر مسلمانوں کی فتح کیسے ہوئی؟ لکھیے۔

طویل جوابی سوالات:

(1)　دور بنوامیہ میں فتوحات اسلامی پر جامع نوٹ لکھیے۔

(2)　فتوحات مشرق اسلامی سے کیا مراد ہے؟ ان فتوحات پر روشنی ڈالیے

(3)　فتوحات مغرب اسلامی پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

(4)　بنوامیہ کی توجہ بازنطینی حکومت سے جنگ اور قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی طرف ابتدا سے رہی۔ اس سے متعلق کیا مشہور واقعات پیش آئے؟

18.7　سفارش کردہ کتابیں

1۔	تاریخ اسلام	شاہ معین الدین ندوی
2۔	تاریخ اسلام	اکبر شاہ خاں نجیب آبادی
3۔	خلافت وملوکیت	سید ابوالاعلیٰ مودودی
4۔	تاریخ الامّت	محمد اسلم جیراج پوری
5۔	تابعین	شاہ معین الدین احمد
6۔	ہماری بادشاہی	مولانا عبدالسلام قدوائی

☆☆☆

اکائی : 19 : بنوامیہ کا نظام حکومت

اکائی کے اجزا

19.1 تمہید

19.2 نظم مملکت

19.2.1 مرکزی نظام

19.2.2 صوبائی نظام

19.3 مالیاتی نظام

19.4 فوجی نظام

19.5 اسلامی سکّوں کا اجرا

19.6 خلاصہ

19.7 نمونہ امتحانی سوالات

19.8 سفارش کردہ کتابیں

19.1 تمہید

گزشتہ اکائیوں میں ہم نے دیکھا کہ خلفائے راشدین کے بعد اموی حکومت کا قیام کس طرح عمل میں آیا، اس دور کے مشہور خلفا کون ہیں اور انھوں نے کیا کارنامے انجام دیے۔ نیز ہم نے یہ بھی جان لیا کہ اموی دور میں فتوحات کس طرح انجام پائیں اور کن لوگوں نے یہ خدمات انجام دیں۔ یہاں ہم پڑھیں گے اموی دورِحکومت کے نظام مملکت کو، جو کہ دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے--- مرکزی نظام اور صوبائی نظام۔ ہم اموی دور کے ذرائع آمدنی کا بھی جائزہ لیں گے، جس کے بعد ہم امویوں کے مستحکم فوجی نظام، بحری بیڑے کی ترقی اور اسلامی سکّوں کے اجرا پر روشنی ڈالیں گے۔

19.2 نظم مملکت

حضرت علیؓ کی شہادت کے ساتھ ہی خلفائے راشدین کا عہد ختم ہوا اور اموی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ جس نے ایک خودسر حکومت کی شکل اختیار کرلی۔ خلافت نے بادشاہت کا روپ دھار لیا۔ اس جدید نظام کی تکمیل کے لیے منصب خلافت کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جس میں لچک موجود ہو، جو گزشتہ روایات کی پابندی کا قائل نہ ہو۔ امیر معاویہؓ میں اپنے عہد کے تقاضوں کو سمجھنے کی نمائندگی کی پوری صلاحیت موجود تھی۔ ان کے

قلب میں وسعت ، ذکاوت اور سیاسی اہلیت موجود تھی جس نے ان کو اس قابل بنایا کہ وہ اس اسلامی حکومت کو اس پرانے نظام سے جو عہد خلفائے راشدین میں رائج تھا' ایسے نظام کی طرف لاسکیں جس پر دولت اسلامیہ کی حکومت چلانے میں اموی کاربند رہیں۔ اس طرح امیر معاویہ نے اس نظام حکومت کو بدل دیا جس کی بنیاد شوریٰ تھی۔ امیہ حکومت کے قیام کے ساتھ ہی خلافت نے ملوکیت کی جگہ لے لی۔

امیر معاویہؓ کے بعد یزید کی بیعت (679ء) کے ساتھ ہی خلافت کی بنیاد مکمل طور پر شوریٰ سے ہٹ کر وراثت پر قائم ہوگئی۔ جب خلافت بادشاہت میں تبدیل ہوگئی تو نظام حکومت میں بھی بہت سی تبدیلیاں کی گئیں۔ وہ نظام حکومت جو حضرت عمر فاروقؓ نے قائم کیا تھا اس کے محکموں میں تبدیلیاں کی گئیں اور کئی نئے شعبوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ نئی تبدیلیوں کے ساتھ بنوامیہ کا نظام حکومت دو حصوں میں منقسم کیا گیا:

1۔ مرکزی نظام

2۔ صوبائی نظام

19.2.1 مرکزی نظام

مرکزی حکومت کا نگراں خود خلیفہ ہوتا تھا کیوں کہ خلافت بادشاہت میں تبدیل ہوگئی تھی جس کا تمام تر دارومدار سیاست و ذکاوت پر تھا۔ اس لیے شوریٰ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی، لیکن خلفا نے اپنے لیے مشیر و معاون کی ضرورت محسوس کی۔ اس مقصد کے لیے چند خاص لوگوں کو منتخب کیا گیا۔ یہی وہ لوگ تھے جو درحقیقت وزرا کے فرائض انجام دیتے تھے۔ گو اس لقب کا اطلاق بنوامیہ کے زمانے میں ان پر نہیں ہوا لیکن ان کی حیثیت وزرا کی سی ہی تھی۔ اس طرح شوریٰ کی جگہ ان خاص مشیروں نے لے لی تھی۔

یہ حقیقت ہے کہ بنوامیہ کی حکومت فتوحات کے لحاظ سے اپنے پورے عروج پر تھی۔ اس وقت ملک میں مرکزی حکومت کے تحت مندرجہ ذیل محکمے یا دیوان تھے۔

دیوان الخاتم

دیوان ایک فارسی لفظ ہے جس کے معنی سرکاری کاغذات یا دفتر کے ہیں۔ ماوردی نے لکھا ہے کہ حقوق سلطنت سے متعلق اعمال و احوال کی تفصیلات کے اندراج کو محفوظ رکھنے کے لیے دیوان کی بنیاد پڑی۔ بنوامیہ کے عہد میں دیوان الخاتم کو سب سے پہلے معاویہ بن ابوسفیان نے قائم کیا تھا' یہ حکومت کا سب سے زیادہ اہم محکمہ تھا۔ اس محکمے میں بہت سے نائب اور کارندے کام پر لگے ہوئے تھے۔ ان کا کام خلیفہ کے احکام کی نقلیں تیار کرنا، ان پر دفتر اعلیٰ کی مہر لگا کر اس کی نقل اس دفتر میں محفوظ کرکے انھیں متعلقہ لوگوں کے پاس روانہ کرنا تھا۔ اس محکمے کا قیام اس لیے عمل میں لایا گیا تھا کہ سرکاری احکامات میں کوئی ردوبدل کا امکان نہ رہے، کیوں کہ اس سے قبل ایک ایسا واقعہ پیش آیا تھا جس کی وجہ سے اس محکمے کے قیام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ امیر معاویہ نے ایک دفعہ ایک شخص کو عراق کے والی زیاد بن اَبیہ کے پاس خط دے کر بھیجا کہ حامل رقعہ کو ایک لاکھ درہم عطا کیے جائیں۔ اس شخص نے ایک لاکھ کو دو لاکھ درہم بنا دیا۔ امیر معاویہ کی خدمت میں حساب پیش ہونے کے بعد یہ حقیقت واضح ہوئی۔ اس کے بعد اموی حکومت میں دیوان الخاتم کا قیام اور نظام جاری ہوا۔ بنوامیہ کے نظام حکومت میں دیوان الخاتم نہایت اہم دیوان یا دفتر سمجھا جاتا تھا۔

دیوان البرید

امیہ حکومت کے مرکزی نظام میں دوسرا اہم دیوان، دیوان البرید کے نام سے قائم تھا۔ دیوان البرید یعنی محکمہ ڈاک کا آغاز تو عہدِ فاروقی میں ہو چکا تھا، مگر اس کو ترقی امیر معاویہؓ کے عہد میں حاصل ہوئی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ اسے ترقی ہوتی گئی۔ اس کا کام یہ تھا کہ تمام ملک کی خبریں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچائے۔ دراصل لفظی اعتبار سے برید کے معنی 12 میل کی متعین مسافت کے ہیں، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ برید قاصد کو کہا

جاتا تھا۔اس دیوان یا محکمہ کا طریقۂ کار یہ تھا کہ ہر 12 میل کی مسافت پر ایک ڈاک چوکی کی تعمیر کی گئی جہاں ڈاک کے ملازمین (سرکاری ہرکارے) کے لیے ہر وقت تازہ دم گھوڑے موجود رہتے تھے۔بعض صحرائی علاقوں میں اونٹوں سے بھی یہ کام لیا جاتا تھا۔اس طرح سرکاری ہرکارے منزل بہ منزل ان تازہ دم گھوڑوں کو بدلتے ہوئے تمام خبریں دور دور تک ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے تھے۔ پہلے اس دیوان کے ذمہ صرف سرکاری ڈاک کا انتظام تھا لیکن بعد میں رعایا کو بھی اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے دی گئی۔اور ڈاک کے علاوہ اس سے جاسوسی کا کام بھی لیا جانے لگا۔اس دیوان کے انتظام کے لیے ایک افسر اعلیٰ مقرر تھا جسے صاحب البرید کہتے تھے اور وہ خلیفہ کو تمام حالات سے باخبر رکھتا تھا۔

دیوان الخراج

یہ محکمہ مالیات کا تھا جس کے ذمہ حکومت کی کل آمدنی اور اخراجات کا حساب کتاب تھا۔تمام صوبوں کی جتنی آمدنی ہوتی تھی صوبے کا خرچ نکال کر بقیہ رقم اس محکمے میں جمع کر دی جاتی تھی۔ اس کی شاخیں سارے صوبوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ مالیات کے اعتبار سے حکومت کا یہ بھی ایک اہم شعبہ تھا۔

دیوان الرسائل

اس محکمے کے سپرد سرکاری خط و کتابت تھی۔صوبائی گورنروں اور غیر ملکوں کے بادشاہوں اور ملکی امرا کے نام خط و کتابت اس محکمے کے ذریعہ ہی ہوتی تھی۔اس کے علاوہ اس دفتر کے عہدہ دار کا فرض صوبہ جات کے نظم ونسق پر اپنی نگرانی قائم رکھنا اور موصول شدہ رسائل یا خط پر مناسب کارروائی کرنا تھا۔بعض مورخین نے دیوان البرید اور دیوان الرسائل کو ایک ہی محکمہ قرار دیا ہے۔

دیوان الجند

اس محکمے کی ابتدا بھی حضرت عمر فاروقؓ کے عہد سے ہوئی۔مسلمانوں کی ہجرت کے بعد عربوں نے غزوات وفتوحات کا سلسلہ شروع کیا تو فوج کی ضرورت محسوس ہوئی۔حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے اپنے عہد خلافت میں فوج کو خاص اہمیت دیتے ہوئے اسے ایک مخصوص طبقے میں منتقل کیا ،اوراس کے نظم ونسق کے لیے ایک محکمہ دیوان الجند کے نام سے قائم کیا۔اس کے بعد امویوں نے اس نظام عسکری کو تکمیل کے درجہ تک پہنچایا۔امیر معاویہ کے عہد میں تنخواہ دار اور رضا کار عرب لشکر کی تعداد چالیس ہزار تک تھی۔عبدالملک بن مروان کے عہد میں جبری فوجی بھرتی کا نظام جاری ہوا۔ کیوں کہ بنوامیہ کا اقتدار پورے طور پر قائم ہونے کے بعد مسلمانوں نے جنگ وقتال سے علیٰحدگی اختیار کرنی شروع کر دی تھی۔لیکن اموی خلفا نے فوجی نظام کو بہتر بنانے پر اپنی پوری توجہ صرف کی۔فوج کے اس نظام کی تمام ذمہ داری دیوان الجند پر تھی یعنی اس محکمے کے تحت فوج کا تمام انتظام ہوتا تھا۔اس طرح اموی خلفا کی کوششوں سے دیوان الجند ایک مستقل ومنظم محکمہ بن گیا تھا جس کا اندازہ بنوامیہ کے عہد کی بڑھتی ہوئی کامیاب فتوحات اور توسیع مملکت سے ہوتا ہے۔

دیوان المستغلات

مندرجہ بالا شعبوں (دیوان) کے علاوہ ایک شعبہ دیوان المستغلات کے نام سے قائم تھا جس کا کام ان محکموں کے علاوہ دیگر مرکزی انتظامات کی دیکھ بھال کرنا تھا۔

اس طرح یہ تمام شعبے مرکزی نظام کے تحت قائم تھے۔ ہر شعبے کا افسر اپنے اپنے شعبہ کے کام کی نگرانی کرتا تھا۔اور خلیفہ ان کے کام سے ہمہ وقت آگاہ رہتا تھا۔

19.2.2 صوبائی نظام

عہد اموی میں دولت اسلامیہ کی وسعت اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گئی تھی۔ انتظامی نقطۂ نظر سے ملک مندرجہ ذیل بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھا۔

1۔ حجاز، یمن، وسطی عرب۔

2۔ مصر، اس کے دو حصے تھے لیکن دونوں حصے ایک ہی والی کے ماتحت تھے۔ یہ دو حصے مصر زیریں اور مصر بالا کہلاتے تھے۔

3۔ عراق، یہ بھی دو حصوں پر منقسم تھا اور اس کا نظام بھی ایک ہی والی کے سپرد تھا۔ عمان، بحرین کرمان، کابل، خراسان، ماوراء النہر، سندھ اور پنجاب کے بعض علاقے' یہ سب اپنی اپنی جگہ پر بڑے صوبے تھے جو والی عراق کے ماتحت تھے اور اس کا دارالحکومت کوفہ تھا۔ خراسان اور ماوراء النہر کا عامل والی عراق کی جانب سے مقرر ہوتا تھا۔ اس کا مرکز شہر مرو (Merv) تھا۔ بحرین و عمان والی عراق کے مقرر کردہ عاملِ بصرہ کے ماتحت تھے۔ سندھ پنجاب کا ایک مستقل عامل والیِ عراق کی جانب سے مقرر کیا جاتا تھا۔

4۔ شام، یہ صوبہ براہ راست خلیفہ کے ماتحت ہوتا تھا۔

5۔ آرمینیا، اس میں آرمینیا، آذربائیجان، جزیرہ اور ایشیائے کوچک کے بعض حصے شامل تھے۔

6۔ افریقہ، اس کا صدر مقام ایک نوآباد شہر قیروان تھا۔ اس میں اسپین، جنوبی فرانس اور بحرروم کے جزائر شامل تھے۔

اندرونی نظم ونسق کے معاملات میں صوبے بڑی حد تک خود مختار تھے اور اس میں انتظامی و مالی شعبوں کو الگ کردیا گیا تھا۔ تمام صوبائی نظام خلیفہ کے مقرر کیے ہوئے گورنر چلاتے تھے جن کا تقرر خود خلیفہ کرتا تھا۔ یہ گورنر اپنے گردوپیش کے علاقوں میں امیر مقرر کرتے۔ صوبے میں مالی رقم جمع ہوتی۔ صوبے کی تمام ضروریات پوری ہونے کے بعد باقی رقم مرکزی بیت المال میں جمع کردی جاتی تھی۔ گورنروں کو داخلی معاملات میں پوری طرح آزادی تھی لیکن اہم معاملات میں خلیفہ سے ہدایات وصول کرنا لازم تھا۔

حکام

حکومت کے خاص خاص عہدہ دار یا حکام مندرجہ ذیل تھے۔ جو مرکزی اور صوبائی نظام کو بحسن وخوبی چلانے کے ذمہ دار تھے:

مشیر

جب خلافت بنی امیہ کے ہاتھوں میں آئی اور موروثی سلطنت کی شکل میں تبدیل ہوگئی جس کا تمام دارومدار سیاست و ذکاوت پر تھا تو اس وقت خلفا نے اپنے لیے مشیر و معاون کی ضرورت محسوس کی اور چند لوگوں کا انتخاب کیا۔ یہ مشیر دراصل وزرا کے فرائض انجام دیتے تھے، گو کہ عہد بنو امیہ میں انھیں وزرا کا نام نہیں دیا گیا۔

کاتب

بنوامیہ کے عہد میں کاتب کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ ہر دیوان کے افسرِ اعلیٰ کو اس دیوان کا کاتب کہا جاتا تھا۔ اموی حکومت میں شعبوں کے بڑھ جانے کی وجہ سے کاتبوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ ان کاتبوں میں سب سے اہم رتبہ کاتب الرسائل کا تھا۔

حاجب

حاجب یعنی دربان کا عہدہ تھا۔ امیر معاویہ کے دور حکومت میں اس عہدے کی بنیاد ڈالی گئی تھی اور حاجب مقرر کیے گئے۔ حاجب ایک بڑا عہدہ دار تھا۔ اس کا فرض لوگوں کو ان کے مرتبہ اور کام کی اہمیت کے لحاظ سے خلیفہ کے حضور میں پیش کرنا تھا۔

قاضی

صوبہ کا محکمۂ انصاف قاضی کے سپرد تھا۔ تمام شہروں میں قاضی کا تقرر کیا جاتا تھا جو کتاب وسنت کی بنیاد پر مقدمات کے فیصلے کرتے تھے۔ اوقاف کی نگرانی کا کام بھی قاضیوں کے ذمے تھا۔

والی

صوبے کا گورنر والی کہلاتا تھا۔ وہ صوبہ میں خلیفہ کا نائب ہوتا تھا۔ اس لیے اس کے سپرد تمام وہ کام ہوتے تھے جو مرکز میں خلیفہ سرانجام دیتا تھا۔ داخلی معاملات میں یہ گورنر یا والی فیصلہ لینے میں پوری طرح آزاد ہوتے تھے۔

عامل

عامل صوبے کے مالی امور کا نگرانِ اعلیٰ تھا' اسے خزانے پر تمام اختیارات حاصل تھے۔

صاحب الخراج

خراج امیہ حکومت کی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھا اس لیے اس کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے ایک افسر کا تقرر ہوتا تھا جو صاحب الخراج کہلاتا تھا۔ اس کی اہمیت بہت زیادہ تھی' بعد میں عامل اور صاحب الخراج کے عہدوں کو ایک کر دیا گیا۔

صاحب البرید

دیوان البرید کے افسر کو صاحب البرید کہتے تھے جس کا فرض ڈاک کا انتظام کرنا تھا۔

صاحب الاحداث (صاحب الشرطہ)

صاحب الاحداث پولیس کا افسرِ اعلیٰ ہوتا تھا جس کا کام قیام امن تھا۔ اموی دور میں پولیس کا انتظام منظّم اور وسیع پیمانے پر تھا۔ اس لیے اس کے افسران اعلیٰ کو بھی خاص اہمیت حاصل تھی۔

19.3 مالیاتی نظام

مال غنیمت کا اطلاق لغوی حیثیت سے اس چیز پر ہوتا ہے جسے شخص اور جماعت اپنی جدوجہد سے حاصل کرے۔ لیکن مراد اس سے دشمن ملک کا وہ مال ہے جسے مسلمان اپنے غلبہ وتسلط کی بنا پر حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔ مالِ غنیمت کا پانچ میں سے چار حصہ فاتح فوج کے سپاہیوں اور افسروں میں تقسیم ہوتا تھا۔ اور پانچواں حصہ یعنی خمس حکومت کے خزانے میں جمع کر دیا جاتا تھا۔ اموی دور میں فتوحات کی کثرت کی وجہ سے خمس حکومت کے ذرائع آمدنی کا ایک اہم ذریعہ تھا۔

خراج

آمدنی کا دوسرا بڑا ذریعہ خراج تھا۔ غیر مسلموں سے مالیہ زمین وصول کیا جاتا تھا اور یہی مالیہ خراج کہلاتا تھا۔ مسلمانوں سے خراج کی رقم وصول نہیں کی جاتی تھی۔ امیہ حکومت کے بعض خلفا نے خراج کی رقم بڑھانے کے لیے ذمیوں اور موالی دونوں سے خراج وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ پیداوار کا نصف خراج کے طور پر حکومت وصول کرتی تھی۔

جزیہ

جزیہ ایک مقررہ رقم کا نام ہے جو ذمیوں پر ادا کرنا فرض تھا۔ یہ نظام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے قائم تھا۔ اس کے بدلے میں ذمیوں کی جان و مال کے تحفظ کے ذمہ دار مسلمان تھے۔ اموی حکومت میں خراج کی رقم کی طرح جزیہ کی رقم بھی بڑھانے کے لیے نومسلموں سے بھی

جزیہ وصول کیا جانے لگا۔ اس کی ابتدا حجاج بن یوسف نے کی تھی لیکن بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے ختم کر دیا تھا جس کی وجہ سے غیر مسلموں کی بہت بڑی تعداد مسلمان ہوگئی، اس کا سبب اسلام کی کشش اور اس کی تعلیمات کے عقل وفطرت کے مطابق ہونے کے علاوہ یہ بھی تھا کہ نومسلموں پر اسلام قبول کرتے ہی جزیہ کی رقم عائد نہیں ہوتی تھی۔ جو لوگ کسبِ رزق کی قدرت نہ رکھتے تھے وہ بھی جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔ نابینا معذور ومفلوج اشخاص بھی جزیہ سے معاف تھے۔ اور گرجاؤں کے راہب بھی اس ٹیکس سے بری تھے۔

زکاۃ

عہد اموی میں زکاۃ کی تحصیل کا کوئی خاص سرکاری نظام قائم نہ تھا۔ جس طرح ذمیوں پر جزیہ کی رقم واجب الادا ہوتی تھی اسی طرح مسلمانوں پر زکاۃ فرض تھی۔ زکاۃ پانچ چیزوں پر فرض تھی۔ 1۔ زکاۃ نقد، (سونا چاندی)، 2۔ زکاۃ السوائم (اونٹ اور بھیڑ، بکری کی زکاۃ)، 3۔ سامان تجارت کی زکاۃ، 4۔ معدنیات کی زکاۃ، (شریعت کی اصطلاح میں اس کا اطلاق اس مال پر ہوتا جو بہ شکل معدنیات زمین کے اندر پایا جاتا ہے)۔ 5۔ کھیتی اور پھل کی زکاۃ۔ زکاۃ کی شرح اور مصارف مقرر ہیں جس کے مطابق عہد رسالت سے مسلمان ادا کرتے آئے ہیں۔ زکاۃ کی رقم غریب و نادار مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے صرف کی جاتی تھی۔ زکاۃ کی وصولی کا یہی طریقہ بنوامیہ کے عہد میں بھی جاری تھا۔

فیئی

یہ وہ زمینات تھیں جو براہ راست حکومت کی تحویل میں تھیں۔ بنوامیہ کے حکمرانوں نے ان زمینوں کو ذاتی جاگیروں میں بدل دیا اور ان کی آمدنی بیت المال میں جمع کرنے کے بجائے اپنے عیش وعشرت میں صرف کرنے لگے۔

عشور

اسلام میں جو محاصل لیے جاتے ہیں ان میں ایک قسم عشور کی بھی ہے جو ایک تجارتی محصول تھا۔ یہ محصول تاجر سے صرف اس وقت لیا جاتا تھا جب وہ مالِ تجارت لے کر اپنے ملک سے دوسرے ملک کو جاتا تھا۔ اس کی شرح بھی مقرر تھی، یعنی مسلمانوں سے ڈھائی فی صد، اور ذمیوں سے 5 فی صد، اور غیر ملکی تاجروں سے 10 فی صد تھی۔ یہی نظام دور بنی امیہ میں بھی رائج تھا۔

عشر

یہ زمین پر ٹیکس تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ آسمان پانی سے سیراب کرنے کی صورت میں زمین کی کل پیداوار کا دسواں حصہ اور دوسرے طریقہ پر سیراب کرنے پر پیداوار کا بیسواں حصہ حکومت بطور ٹیکس وصول کرتی تھی۔

باج (ماتحت اقوام کا خراج)

امیہ حکومت کے ذرائع آمدنی میں ایک ذریعہ ماتحت اقوام کا خراج یا ٹیکس بھی تھا۔ یعنی بعض سرحدی فرماں رواؤں اور شہروں سے باج گذاری کے معاہدہ پر صلح کر لی جاتی تھی اور ہر سال ان سے باج یعنی ٹیکس وصول کر کے بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا۔

ان تمام ذرائع آمدنی کے علاوہ بنوامیہ کے بعض حکام غیر زرعی محصولات بھی وصول کرتے تھے مثلاً بعض موقعوں پر تحفہ، تحائف اور نذرانہ وغیرہ۔ جیسے جیسے بنوامیہ حکومت میں توسیع ہوتی گئی ویسے ہی اس کے ذرائع آمدنی بھی بڑھتے گئے۔ چوں کہ فتوحات کا سلسلہ جاری رہا جس کی وجہ سے سلطنت وسیع ہوگئی۔ اس لحاظ سے اس کے ذرائع اور مصارف میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ لیکن بنوامیہ کے خزانے ٹیکسوں کی آمدنی سے مالا مال تھے۔

محکمۂ قضاء (انصاف کا محکمہ)

اس محکمے کی بنیاد خلافت راشدہ کے دور ہی میں پڑ چکی تھی۔ ابتدا میں تو انصاف کا محکمہ خلیفہ خود اپنے ہی ہاتھ میں رکھتے تھے، لیکن بعد میں محکمۂ

انصاف قاضی کے سپرد تھا۔ تمام شہروں میں قاضی مقرر تھے، جو کتاب وسنت اور اجتہاد کی بنا پر مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔ بنو امیہ کے دور حکومت میں مسلمانوں کے مقدمے تو ان کے قاضی سنتے اور ذمیوں کے مقدمے ان کی رسوم اور مذہب کا خیال رکھتے ہوئے ان کے اپنے مذہبی رہنماؤں کے سامنے پیش کرنے کی اجازت تھی۔ عہد بنو امیہ میں قاضی کا عہدہ بڑا اہم خیال کیا جاتا تھا۔ اور اس عہدے پر ایسے لوگوں کا تقرر کیا جاتا تھا جو رشوت اور دباؤ سے بے نیاز ہو کر انصاف کریں۔ اس دور میں محکمۂ قضا کی دو امتیازی خصوصیات تھیں۔

1۔ ہر قاضی اپنے اجتہاد سے فیصلے کیا کرتا تھا اور کتاب وسنت پر بھروسہ کرتا تھا۔

2۔ یہ محکمہ اس دور کی سیاست سے قطعاً متاثر نہ تھا۔ قاضی اپنے فیصلے صادر کرنے میں پوری طرح آزاد تھے۔ اپنے فرائض کی ادائیگی میں ان پر کسی قسم کی قید یا بندش نہ تھی۔

19.4 فوجی نظام

بنو امیہ کا فوجی نظام انتہائی مستحکم تھا۔ اس کا اندازہ اس عہد میں ہونے والی شاندار فتوحات سے ہوتا ہے۔ اس نظام کی بنیاد بھی خلافت راشدہ میں پڑ چکی تھی۔ لیکن امیہ دور میں اس میں مزید ترقی ہوئی کیوں کہ وقت کا تقاضہ یہی تھا۔ بنو امیہ کا دور حکومت شروع ہوتے ہی ملک میں اندرونی شورشیں اور بیرونی جنگوں نے اس نظام کی طرف توجہ دینے پر مجبور کیا۔ اس لیے دور بنی امیہ میں فوج کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ ہر صوبے میں فوجیں مقیم تھیں۔ فوج کی دو قسمیں تھیں۔ ایک باقاعدہ فوج اور دوسری رضا کار فوج۔ باقاعدہ فوج کی تنخواہیں مقرر تھیں اور رضا کار فوج کو مالِ غنیمت میں سے حصہ ملتا تھا۔

فوج کے افسر اعلیٰ کو امیر کہا جاتا تھا۔ فوج کی ترتیب کچھ اس طرح تھی۔ سب سے چھوٹا افسر دس سپاہیوں کا سردار ہوتا تھا جسے امیر العشر (عارف) کہتے تھے۔ اس کے اوپر نائب کا عہدہ تھا جو سو سپاہیوں کا افسر ہوتا۔ پھر نقیب کا عہدہ تھا جو دس نائبوں کا افسر ہوتا۔ اور ساری فوج کا سپہ سالار امیر ہوتا تھا۔ لڑائی کے وقت فوج کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ 1۔ ہراول (مقدمہ)، 2۔ میمنہ، 3۔ میسرہ، 4۔ ساقہ، 5۔ قلب لشکر، جس میں سپہ سالار، امیر خود ہوتا تھا۔ بوقت جنگ فوج کی ترتیب اسی طور پر ہوتی تھی۔ فوج کی تمام ضروریات کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ اس عہد میں دمشق، کوفہ، بصرہ، واسط اور قیروان اہم ترین چھاؤنیاں تھیں جن کے گرد مضبوط فصیلیں تعمیر کی گئی تھیں۔

فوج جب کسی علاقے پر حملہ کرنے کی غرض سے جاتی تو وہ اپنے ساتھ جو آلات لے کر جاتی تھی ان میں منجنیق، دبّابہ اور کبش قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر اسلحہ جات میں نیزے، بھالے، تیر، کمان، تلوار، ڈھال اور زرہ بکتر شامل تھے۔ فوج میں پیدل چلنے والے سپاہی اور سوار شامل ہوتے تھے۔ فوج میں ایک دستہ رومہ اور رائد بھی ہوتا تھا۔ فوج کے خیموں کی حفاظت کے لیے جو دستہ ہوتا تھا اسے 'رومہ' کہتے تھے اور دشمن کی کھوج لگانے' راستے کی دیکھ بھال اور رسد کے انتظام پر مامور دستہ 'رائد' کہلاتا تھا۔

بحری بیڑہ

بحری بیڑے کا قیام بھی خلافت راشدہ میں عمل میں آ چکا تھا جس میں امیر معاویہ کی کوشش شامل تھی۔ امیر معاویہؓ نے اپنے دورِ حکومت میں اسے بہت ترقی دی جس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بحیرۂ روم اور مصر کے ساحل پر اس وقت مسلمانوں کے تقریباً سترہ سو جنگی جہاز موجود تھے۔ امیر معاویہؓ کے بعد امیہ حکومت میں ولید کے دور میں اس بحری نظام کو مزید ترقی دی گئی اور جہاز سازی کے کئی نئے کارخانے قائم کیے گئے۔ اس ترقی کی بدولت کئی جزائر بحر روم اور اندلس کی فتح عمل میں آئی۔ ان جنگی جہازوں کے علاوہ تجارتی جہاز بھی ہر وقت رہتے تھے۔

19.5 اسلامی سِکّوں کا اجراء

بنوامیہ سے قبل اسلامی سِکّے نہ تھے، لیکن اموی خلیفہ عبدالملک نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور اسلامی سلطنت میں پہلی بار اسلامی سِکّہ رائج ہوا اور مسلمان ان قوموں کی اقتصادی غلامی سے باہر آ گئے جن کے سِکّے اس وقت چلتے تھے۔ اس طرح اسلامی سکّوں کے رائج ہونے سے مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔

19.6 خلاصہ

- بنوامیہ کا نظام حکومت دو حصوں میں منقسم کیا گیا: ۱) مرکزی نظام ۲) صوبائی نظام۔
- بنوامیہ کے عہد میں دیوان الخاتم کو سب سے پہلے معاویہ بن ابوسفیان نے قائم کیا تھا، یہ حکومت کا سب سے زیادہ اہم محکمہ تھا۔
- دیوان البرید یعنی محکمہ ڈاک کا آغاز تو عہد فاروقی میں ہو چکا تھا، مگر اس کو ترقی امیر معاویہ کے عہد میں حاصل ہوئی۔ اس کے افسر کو صاحب البرید کہتے تھے۔
- دیوان الرسائل: اس محکمے کے سپرد سرکاری خط و کتابت تھی۔ بعض مورخین نے دیوان البرید اور دیوان الرسائل کو ایک ہی محکمہ قرار دیا ہے۔
- دیوان الخراج: یہ محکمہ مالیات تھا جس کے ذمہ حکومت کی کل آمدنی اور اخراجات کا حساب کتاب تھا۔
- دیوان الجند: اس محکمے کی ابتدا حضرت عمر فاروق کے عہد سے ہوئی۔ اموی خلفا کی کوششوں سے دیوان الجند ایک مستقل و منظّم محکمہ بن گیا تھا جس کا اندازہ بنوامیہ کے عہد کی بڑھتی ہوئی کامیاب فتوحات اور توسیع مملکت سے ہوتا ہے۔
- کاتب: ہر دیوان کے افسرِ اعلی کو اس دیوان کا کاتب کہا جاتا تھا۔
- والی: صوبے کا گورنر والی کہلاتا تھا۔ وہ صوبہ میں خلیفہ کا نائب ہوتا تھا۔
- عامل: صوبے کے مالی امور کا نگرانِ اعلیٰ ہوتا تھا۔
- بنوامیہ کے عہد میں اسلامی سلطنت میں پہلی بار اسلامی سِکّہ رائج ہوا۔

19.7 نمونۂ امتحانی سوالات

(1) .... کا کام خلیفہ کے حضور میں لوگوں کو پیش کرنا تھا۔

(2) صاحب الاحداث کا دوسرا نام صاحب .... تھا۔

(3) فوج کے افسر اعلیٰ کو .... کہا جاتا تھا۔

(4) دیوان .... کے ذمہ حکومت کی کل آمدنی اور اخراجات کا حساب کتاب تھا۔

(5) ہر دیوان کے افسرِ اعلی کو اس دیوان کا .... کہا جاتا تھا۔

مختصر جوابی سوالات:

(1) اموی دور میں صوبائی نظام کی تقسیم کس طرح کی گئی تھی؟

(2) اموی دور میں فیئ، عشور، عشر اور باج کی صورتِ حال کیا تھی؟ بیان کیجیے۔

(3) خراج اور جزیہ کی وصولی کا نظام کیا تھا؟ بیان کیجیے۔

(4) زکاۃ کا نظام دور بنی امیہ میں کیا تھا؟ بیان کیجیے۔

(5) دور بنی امیہ میں محکمہ قضا کی صورت حال کیا تھی؟ بیان کیجیے۔

طویل جوابی سوالات:

(1) بنوامیہ (دمشق) کے مرکزی نظام کا جائزہ لیجیے۔

(2) دورِ بنی امیہ میں فوجی نظام کی ترتیب کیا تھی؟ بیان کیجیے۔

(3) بنوامیہ کے مالیاتی نظام کا جائزہ لیجیے۔

(4) بنوامیہ (دمشق) کے نظام حکومت پر ایک مضمون لکھیے۔

(5) آپ کے مطالعہ کی روشنی میں دور خلافت راشدہ اور دور بنی امیہ کے نظام حکومت کے درمیان مقارنہ اور موازنہ کیجیے۔

19.8 سفارش کردہ کتابیں

1۔	تاریخ اسلام	شاہ معین الدین ندوی
2۔	تاریخ الامت	محمد اسلم جیراج پوری
3۔	ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ	ثروت صولت
4۔	دمشق: تہذیب وتمدن کا گہوارہ	ڈاکٹر محمد رضوان علوی
5۔	تاریخ اسلام	اکبر شاہ نجیب آبادی
6۔	تاریخ اسلام	جسٹس امیر علی

۔:oOo:۔

اکائی : 20 : اموی دور میں علوم کی ترقی

اکائی کے اجزا

20.1 تمہید

20.2 علوم نقلیہ یا دینی علوم

20.3 علوم نقلیہ میں خدمات

20.3.1 علم تفسیر

20.3.2 علم قرأت

20.3.3 علم فقہ

20.3.4 علم کلام

20.3.5 علم نحو

20.3.6 علم لغت

20.4 علوم عقلیہ میں خدمات

20.4.1 فلسفہ

20.4.2 علم طب

20.4.3 علم تاریخ

20.4.4 علم کیمیا

20.4.5 علم نجوم

20.4.6 شعر و شاعری

20.4.7 تعلیم

20.5 خلاصہ

20.6 نمونۂ امتحانی سوالات

20.7 سفارش کردہ کتابیں

20.1 تمہید

عام طور پر مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کی اصلی علمی و ادبی تاریخ عباسی عہد 749ء تا 1257ء سے شروع ہوتی ہے۔ اسی زمانہ میں مختلف علوم کی کتابوں کی تدوین ہوئی اور مسلمانوں نے دوسری قوموں کے علوم کی جانب توجہ کی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اموی دور (660-749ء) بالکل ہی علوم وفنون کی دولت سے محروم نہ تھا۔ چونکہ بنوامیہ نے اپنی زیادہ توجہ فتوحات اور قیام امن کی طرف مبذول کی اور علمی و ادبی ترقی کو ابتدائی مراحل میں ہی داخل کیا اس لیے اس کی تکمیل عباسیوں کے دور میں ہوئی۔ پھر بھی ان کے عہد کو علمی و ادبی سرگرمیوں سے خالی تصور نہیں کیا جاسکتا۔ مسلمانوں نے علوم کو دو قسموں میں تقسیم کیا تھا ایک وہ علوم جن کا تعلق قرآن کو سمجھنے سے تھا، انھیں علوم نقلیہ یا دینی علوم کہا جاتا تھا۔ دوسرے وہ علوم جنھیں مسلمانوں نے دوسری قوموں سے اخذ کیا تھا وہ علوم عقلیہ کہلاتے تھے۔

20.2 علوم نقلیہ یا دینی علوم

دینی علوم کی بنیاد عہد رسالت میں ہی پڑ گئی تھی۔ اموی دور میں بھی مسلمانوں نے اپنی توجہ زیادہ تر دینی علوم کی اشاعت میں صرف کی۔ جن میں قرآن، حدیث اور فقہ سے متعلق علوم شامل ہیں۔ غالبًا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس عہد میں بہت سے ایسے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور علما تھے جنھوں نے ان علوم کو ساری دنیا میں پھیلایا۔ اگرچہ اس دور میں حکومت بڑی حد تک مذہب سے نکل کر سیاست کی طرف مائل ہوگئی تھی۔ لیکن ان علما، صحابہ اور تابعین کی کوششوں نے اس شمع کو بجھنے نہ دیا بلکہ اسے اور روشن کرنے میں مدد دی۔ دینی علوم کی اشاعت کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، ابوہریرہؓ اور انس بن مالکؓ، خواجہ حسن بصری، امام زہری اور قاضی شریح وغیرہ شامل تھے۔ اس دور میں دینی علوم کی تصنیف و تدوین کا آغاز ہوا۔ بعض نئے علوم پیدا ہوئے۔ اور غیر قوموں کے بعض علوم سے بھی مسلمان اچھی طرح روشناس ہوئے اور ان میں نمایاں طور پر مہارت حاصل کر کے گراں قدر اضافہ کیا۔

معلومات کی جانچ

1۔ مسلمانوں کی علمی و ادبی ترقی کا آغاز کب ہوا؟

2۔ علوم نقلیہ کے تحت کون سے علوم آتے ہیں؟

3۔ علوم عقلیہ میں کن علوم کا شمار ہوتا ہے؟

20.3 علوم نقلیہ میں خدمات

مسلمانوں نے علوم کو جن دو قسموں میں تقسیم کیا تھا، ان میں پہلی قسم علوم نقلیہ تھی، جن میں علم تفسیر، علم قرأت، علم کلام، علم نحو، علم لغت وغیرہ شامل تھے۔ ان علوم پر دور بنی امیہ میں خاص طور پر توجہ دی گئی اور ان کو فروغ دینے میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا گیا۔

20.3.1 علم تفسیر

تفسیر قرآن کی ابتدا نزول قرآن کے ساتھ ہوگئی تھی پھر اس میں برابر وسعت ہوتی گئی اور اموی دور میں اس علم کے بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے جن کے ذریعہ بڑا تفسیری ذخیرہ جمع ہوگیا۔ اس دور کے مفسرین میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگرد رشید عکرمہ، مجاہد بن جبیر اور حسن بصری کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

20.3.2 علم قرأت

علم قرأت بھی امیہ دور میں ایک علم کی حیثیت سے سامنے آیا اور اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ کلام مجید کے بعض لفظوں کا تلفظ مختلف قبائل میں مختلف طریقوں سے کیا جاتا تھا۔ دراصل علم قرأت کو تفسیر قرآن کے لیے پہلا مرحلہ خیال کیا جاتا تھا کیوں کہ قرآن کی تفسیر کرنے سے پہلے لفظوں کی مختلف شکلوں پر غور کرنا ضروری تھا تا کہ صحیح طور پر اس کا مفہوم سمجھا جا سکے۔ ان قرأتوں کے جاننے والے قرا کہلاتے تھے۔ اور کلام مجید کے مشہور سات قاری جنھیں سبعہ کہتے ہیں بنوامیہ کے ہی دور میں تھے۔

20.3.3 علم فقہ

فقہ کا ذوق رکھنے والے فقیہ کہلاتے تھے۔ عام طور پر اس زمانے میں بیشتر ایک ہی شخصیت مختلف علوم کی جامع ہوتی تھی۔ مثلاً اکثر صحابہ و تابعین بیک وقت مفسر بھی تھے، محدث بھی اور فقیہ بھی۔ یہی انداز تابعین کے زمانے میں تھا کہ جو بزرگ محدث تھے، وہی فقیہ بھی تھے۔ اس زمانے کے مشہور فقیہ عبداللہ بن مسعود، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، حسن بصری اور ابن سیرین وغیرہ تھے جن کے ذریعہ علم فقہ کی اشاعت ہوئی۔

علم فقہ کے حوالے سے ابن عبدر بہ لکھتا ہے:۔

> ''ابن سیلی کا بیان ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ نے جو عربی عصبیت کا بڑا علم بردار تھا، مجھ سے پوچھا: اہلِ بصرہ کا فقیہ کون ہے ؟ میں نے جواب دیا، حسن بصری۔ اس نے پوچھا اور کوئی ہے؟ میں نے کہا ابن سیرین، اس نے پوچھا، ان کی نسل کیا ہے؟ میں نے کہا ایرانی۔ اس نے پوچھا: اہلِ مکّہ کا فقیہ کون ہے؟ میں نے کہا، عطاء بن رباح، سعید بن جبر، سلمان بن بسار۔ اس نے پوچھا: یہ لوگ کون ہیں؟ میں نے کہا: یہ سب موالی ہیں۔ اس نے پوچھا مدینہ کے فقیہ کون ہیں؟ میں نے کہا: زید بن اسلم اور نافع۔ اس نے پوچھا کہ یہ لوگ کس قوم سے تعلق رکھتے ہیں؟ میں نے کہا موالی سے۔ اس نے پوچھا قبا کے لوگوں کا دانا ترین فقیہ کون ہے؟ میں نے کہا ربیعۃ الرائے۔ اس نے پوچھا ان کا تعلق کس قوم سے ہے؟ میں نے کہا موالی سے۔ یہ سن کر اس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ اس نے پوچھا، اہل یمن کا فقیہ کون ہے؟ میں نے کہا: ابن طاؤس اور ابن قتیبہ۔ اس نے پوچھا: یہ لوگ کون ہیں؟ میں نے کہا موالی۔ اس کی رگوں میں خون اچھل پڑا اور اس نے خود کو جھٹکا دے کر پوچھا۔ اہلِ خراسان کا دانش مند کون ہے؟ میں نے کہا عطاء بن عبداللہ خراسانی۔ اس موقع پر اس کا چہرہ اور سیاہ اور بدنما ہو گیا۔ مجھے اس سے خوف ہونے لگا۔ اس کے بعد اس نے پوچھا: اہلِ کوفہ کا فقیہ کون ہے؟ خدا کی قسم اگر مجھے اس کا خوف دامن گیر نہ ہوتا تو میں کہتا حکیم بن عتبہ اور عمار بن ابی سلمان۔ لیکن جب اس کو آگ بگولہ اور عداوت پر کمربستہ دیکھا تو میں نے کہا، ابراہیم نخعی۔ اس نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ میں نے کہا: عرب، بولا: اللہ اکبر، اس کے بعد اس کو سکون ملا''۔

20.3.4 علم کلام

جن علوم کے فروغ میں امیہ دور کے مسلمان منہمک تھے اور جدوجہد کر رہے تھے ان میں ایک علم ''علم کلام'' بھی تھا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور مابعد الطبیعی عقائد کے بارے میں گفتگو کی جاتی تھی اور چونکہ اس میں مخالف فرقوں کا رد بھی ہوتا تھا۔ اس لیے یہ اپنی باتوں کو منطقی اور مناظرانہ انداز میں پیش کیا کرتے تھے۔ اس علم سے واقفیت رکھنے والوں کو متکلمین کہتے تھے۔ اموی دور میں علم کلام کے میدان میں بھی کافی فروغ ہوا۔

20.3.5 علم نحو

علم نحو کی نشو ونما بصرہ اور کوفہ میں ہوئی۔ یہ علاقے عرب ثقافت کے اہم مرکز تھے۔کیوں کہ ان مختلف علاقوں میں مختلف قبائل کے باشندے آباد تھے جن کا لب ولہجہ ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ ان میں نومسلم عجمی بھی تھے جو فارسی بولتے تھے۔ان کے لیے علم نحو کے بغیر قرآنی تعلیمات کا سمجھنا ممکن نہ تھا۔اور عربی زبان کے تحفظ کی بھی ضرورت تھی۔ بصرہ کے ابوالاسودالدؤلی کا نام علم نحو کے بانی کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے جو بنوامیہ کے عہد میں تھا۔اس نے علم نحو کے اصول حضرت علیؓ سے سیکھے تھے کیوں کہ حضرت علیؓ نے ہی اس علم کے ابتدائی اصول وضع کیے تھے۔

20.3.6 علم لغت

علم لغت کی بنیاد خلفائے راشدین کے زمانے میں پڑ چکی تھی ،لیکن اس کی باقاعدہ تدوین امیہ دور میں شروع ہوئی۔اور اس کا آغاز بھی کلام مجید کی تفسیر کے سلسلے میں ہوا۔حضرت عمرؓ نے معلمینِ قرآن کے لیے عالمِ لغت ہونا ضروری قرار دیا تھا۔کلام مجید کے الفاظ کی تحقیق میں کلام عرب کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔اموی خلفا کو بھی عربی زبان کی تحقیق سے خاص ذوق تھا اور اموی خلفا کے دربار میں لغوی مباحثے ہوا کرتے تھے۔عبدالملک نے اپنے زمانۂ خلافت میں عربی کو دفتری زبان بنایا تھا۔اس دور کے امام لغت میں قتادہ بن دعامہ السدوسی اور ابوعمر کا نام قابل ذکر ہے۔

معلومات کی جانچ

1۔ علوم نقلیہ کسے کہتے ہیں؟

2۔ علوم عقلیہ کسے کہتے ہیں؟

3۔ امیہ دور کے فقہا کے نام بتایئے؟

4۔ امیہ دور کے اہم مفسرین کون کون تھے؟

20.4 علوم عقلیہ میں خدمات

علوم عقلیہ میں فلسفہ، طب، تاریخ، کیمیا اور علم نجوم شامل تھے۔

20.4.1 فلسفہ

فلسفہ کا زور اگرچہ عباسی عہد میں زیادہ ہوا، لیکن اموی دور میں اس کی ابتدا ہوچکی تھی۔اس زمانے میں زیادہ تر جبر وقدر کا مسئلہ زیر بحث رہا۔ علما کا ایک طبقہ انسان کو اپنے افعال کا مختار اور اپنی قسمت پر قادر خیال کرتا تھا۔ یہ لوگ 'قدریہ' کہلاتے تھے۔اس کے برعکس بعض علما انسان کو مجبور محض خیال کرتے ہوئے تقدیر کے قائل تھے'اس جماعت کو 'جماعت جبریہ' کہا جاتا تھا۔

20.4.2 علم طب

غیرقوموں کے ساتھ مسلمانوں کے اختلاط کا علوم عقلیہ کی ترقی پر بہت گہرا اثر پڑا تھا۔ان علوم میں طب خاص طور پر قابل ذکر ہے۔علم طب میں عربوں نے زیادہ تر یونان سے استفادہ کیا۔ اس دور میں طائف کے ایک طبیب حارث بن کلدہ الثقفی نے اس علم میں بڑا کمال پیدا کیا اور حکیم عرب کا لقب پایا۔اس کا لڑکا نافعبھی اس زمانے کا مشہور طبیب تھا۔بصرہ کے ایک یہودی طبیب ماسرجویہ نے مروان بن حکم کے عہد میں علم طب پر ایک کتاب کا یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا۔ ولید اول نے ملک میں کئی شفاخانے تعمیر کرائے جس سے علم طب کے میدان میں اور فروغ ہوا۔

20.4.3 علم تاریخ

مسلم قوم نے شروع ہی سے علم تاریخ میں دل چسپی لینا شروع کر دی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے بے پناہ محبت کی وجہ سے ان کے حالات کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ عربوں کو قدیم سلاطین کے حالات اور کارناموں سے بھی دل چسپی تھی۔ تاہم دوسری صدی ہجری میں عربوں نے اپنی تاریخ کی طرف توجہ مبذول کی۔ اس وقت عربوں کی یہ تاریخ دراصل مختلف منتشر اجزا کی حیثیت رکھتی تھی جن کی ایک کڑی دوسری کڑی سے علاحدہ تھی۔ امیر معاویہؓ کے عہد میں عبید بن شریہ کی مدد سے تاریخ کی پہلی کتاب، کتاب الملوک واخبار الماضین تحریر ہوئی۔ اس کے بعد اور بھی کچھ کتابیں مدوّن ہوئیں۔

20.4.4 علم کیمیا

اموی دور میں خالد بن یزید کو علوم وفنون سے گہری دل چسپی تھی۔ اس نے سب سے پہلے کیمیا، طب، اور ہیئت پر یونانی ومصری کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا۔

20.4.5 علم نجوم

اموی دور کے مسلمانوں نے دوسرے علوم کے ساتھ علم نجوم کی طرف بھی توجہ کی لیکن اس علم نے دور اول کے بعد فروغ پایا۔

20.4.6 شعر وشاعری

بنی امیہ دورِ جاہلیت کی سادہ زندگی پسند کرتے تھے۔ زندگی کی پیچیدگیوں اور فلسفیانہ گتھیاں سلجھانے سے انھیں کوئی دل چسپی نہ تھی۔ وہ فلسفیانہ خیالات پر بلند پایہ شعر اور بلیغ خطبہ کو ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ بعض خلفائے بنی امیہ بڑے بلند پایہ شعر کہتے تھے۔ مثلاً یزید بن معاویہ اور عبدالملک بن مروان۔

شاعری کی ترقی میں اس زمانے کے سیاسی حالات سے بھی مدد ملی۔ اموی عہد میں قبائلی، سیاسی اور مذہبی اختلافات کی وجہ سے علوی، شیعی، عثمانی، خارجی و دیگر مختلف مذہبی و سیاسی جماعتیں پیدا ہوگئی تھیں جو باہم حریف تھیں۔ عرب میں شہرت اور برتری کے پروپیگنڈے کا سب سے بڑا ذریعہ شاعری تھی۔ شعرا کی تیغ زبان کی کاٹ شمشیر آبدار سے کم نہ تھی۔ اس لیے اس زمانے میں جماعتی شعرا کی ایک بڑی تعداد پیدا ہوگئی تھی۔ ان کے علاوہ ان شعرا کی بھی بڑی تعداد تھی جو کسی پارٹی یا جماعت سے تعلق نہ رکھتے تھے۔

کیفیت کے اعتبار سے بھی دور بنی امیہ میں شاعری کا رنگ بہت نکھرا، بنو امیہ کو عربوں کی سماجی خصوصیات کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا۔ اس لیے انھوں نے عربوں کو دوسری دیگر قوموں میں ضم نہیں ہونے دیا۔ اور عربی زبان آمیزش سے محفوظ رہی۔ لیکن اس کے تمدنی اثرات سے وہ نہ بچ سکے اس لیے عربی شاعری بھی اس سے متاثر ہوئی۔

اموی دور میں جرؔیر، اخطلؔ، فرزدقؔ اور عمر بن ربیعہ بہت ممتاز شعرا گزرے ہیں۔ جرؔیر بنو تمیم قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ ابتدا میں وہ صحرائے یمن میں آباد تھا۔ مگر بعد میں وہ بصرہ چلا آیا۔ وہ حجاج کا درباری شاعر تھا۔ اس نے عبدالملک کے دربار میں بھی اپنی شاعری کے جوہر دکھائے اور اپنا تصنیف کردہ قصیدہ پڑھا اور بڑا انعام واکرام حاصل کیا۔

اخطل کا تعلق بنوتغلب سے تھا، وہ عیسائی تھا۔ وہ قصیدے کا بادشاہ تھا اور اموی خلفا کا خصوصی درباری شاعر تھا۔ وہ یزید اول کا مصاحب تھا۔ یزید اور عبدالملک نے خاص طور پر اس کی عزت افزائی کی اور اسے انعام و اکرام سے نوازا۔

دورِ امیہ کا دوسرا بڑا شاعر فرزدق تھا۔ فرزدق کا اصلی نام ہمام بن غالب تھا' اس کی کنیت ابوفراس تھی اور اس کا تعلق بھی بنوتمیم سے تھا۔ وہ بصرہ میں پیدا ہوا۔ وہ اپنے زمانے کا مشہور قصیدہ گو شاعر تھا۔ اور اموی خلفا سے بڑے انعامات حاصل کرتا تھا۔ اس کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس کے دل میں آلِ بیت نبیؐ کی بڑی محبت تھی۔ عمر بن ابی ربیعہ اس دور کی اقلیم سخن کا بادشاہ تھا اور عربی غزل کا بانی تصور کیا جاتا تھا۔ غرض کہ اموی دور میں عربی شاعری نے بڑی ترقی کی اور نئے نئے زاویوں اور صفات سے یہ صنف سخن آراستہ ہوئی۔

20.4.7 تعلیم

اس زمانے میں مدارس کے قیام کے بجائے علما کے بڑے بڑے حلقہ ہائے درس ہوا کرتے تھے۔ دنیائے اسلام کے جن جن حصوں میں اصحاب علم' صحابہ و تابعین موجود تھے وہاں ان کے حلقہ ہائے درس بھی قائم تھے۔ عبداللہ بن عباس کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا جس میں ہر فن کی تعلیم ہوا کرتی تھی۔ مدینہ طیبہ میں کئی حلقۂ درس تھے جن میں ربیعہ رائی کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا۔ مدینہ کے علما اور عوام سب اس میں شریک ہوتے تھے۔

دور بنی امیہ میں مسجدیں ثقافت و تعلیم کا بڑا مرکز ہوا کرتی تھیں۔ یہ مسجدیں علمی تحریک کا اہم مرکز بن گئی تھیں۔ محمد بن عجلان کا حلقۂ درس مسجد نبویؐ میں تھا جس میں بڑے بڑے تابعین شریک ہوتے تھے۔

علمی تحریک کا پہلا مرکز حجاز تھا اور حجاز کے بعد دوسرا مرکز عراق خصوصاً کوفہ تھا۔ یہاں بڑے بڑے علما اور ان کے متعدد حلقۂ درس تھے۔

بنوامیہ کے عہد میں کوئی مرتب نظام تعلیم اور اصطلاحی درس گاہیں نہ تھیں، لیکن ہر صاحب علم بجائے خود ایک مستقل درس گاہ تھا جس سے شائقین علم فیض یاب ہوتے تھے۔ اس طرح بنوامیہ کے عہد میں تعلیم کا سلسلہ نہایت وسیع ہوگیا تھا۔ اور ساری دنیائے اسلام میں علمی لہر رواں دواں تھی اور تعلیم کو فروغ دینے کی جدوجہد جاری تھی۔

ایک طرف جہاں بنوامیہ کے عہد میں کوئی مرتب نظام تعلیم نہ تھا وہاں دوسری طرف کوئی خاص لائبریریاں بھی نہ تھیں، لیکن پھر بھی کتابوں کے بہت سے ذخیرے انفرادی طور پر مہیا ہو گئے تھے اور لوگوں میں علوم وفنون کی کتابیں اکٹھا کرنے کا رواج تھا۔

اموی عہد کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ امویوں نے خلافت کو ملوکیت میں منتقل کیا جو ایک بہت بڑی تبدیلی تھی، لیکن سیاسی اور معاشرتی حیثیت سے بنوامیہ کا دور ایک کامیاب دور رہا۔ ہر قسم کی علمی و ادبی سرگرمیاں بھی جاری رہیں۔ فتوحات بھی ہوئیں اور مفتوحہ علاقوں کا نظام بھی قائم ہوا۔ تعلیمی لحاظ سے اس دور کی سب سے اہم خصوصیت یہ رہی کہ عربی زبان کو بہت فروغ حاصل ہوا۔

20.5 خلاصہ

- بنوامیہ کے عہد میں مسلمانوں نے علوم کو دو قسموں میں تقسیم کیا تھا:

  1) علوم نقلیہ یا دینی علوم

2) علوم عقلیہ

- بنوامیہ کے عہد میں علوم نقلیہ (وہ علوم جن کا تعلق قرآن کو سمجھنے سے تھا) میں علم تفسیر ،علم قرأت ،علم کلام ،علم نحو،علم لغت وغیرہ شامل تھے۔
- بنو امیہ کے عہد میں علوم عقلیہ (وہ علوم جنھیں مسلمانوں نے دوسری قوموں سے اخذ کیا تھا) میں فلسفہ، طب ، تاریخ ، کیمیا اور علم نجوم شامل تھے۔
- اموی عہد میں قبائلی ، سیاسی اور مذہبی اختلافات کی وجہ سے علوی ،شیعی ،عثمانی ، خارجی و دیگر مختلف مذہبی و سیاسی جماعتیں پیدا ہوگئی تھیں۔
- بنی امیہ دورِ جاہلیت کی سادہ زندگی پسند کرتے تھے۔ زندگی کی پیچیدگیوں اور فلسفیانہ گتھیاں سلجھانے سے انھیں کوئی دل چسپی نہ تھی، لیکن ان کے دور میں علم کلام کے میدان میں کافی فروغ ہوا۔
- بنوامیہ کے عہد میں کوئی مرتب نظام تعلیم اور اصطلاحی درس گاہیں نہ تھیں،لیکن مسجدیں ثقافت وتعلیم کا بڑا مرکز ہوا کرتی تھیں۔ یہ مسجدیں علمی تحریک کا اہم مرکز بن گئی تھیں۔

20.6 نمونۂ امتحانی سوالات

(1) اخطل قصیدے کا بادشاہ تھا، وہ عیسائی تھا اور اموی خلفاء کا خصوصی .... شاعر تھا۔

(2) اموی دور کے ماہرین .... میں قتادہ بن دعامہ السدوسی اور ابوعمر کا نام قابل ذکر ہے۔

(3) بصرہ کے ابوالاسودالدؤلی کا نام علم .... کے بانی کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔

(4) علمی تحریک کا پہلا مرکز حجاز تھا اور حجاز کے بعد دوسرا مرکز عراق خصوصاً شہر .... تھا۔

(5) محمد بن سیرین کو علم .... میں مہارت حاصل تھی۔

مختصر جوابی سوالات:

(1) محمد بن سیرین کون تھے اور کس علم میں ان کو مہارت حاصل تھی؟

(2) دور بنی امیہ میں تعلیم و تدریس کے نظام پر روشنی ڈالیے۔

(3) دور بنی امیہ میں علم فقہ کے میدان میں کیا ترقی ہوئی ؟ بیان کیجیے۔

(4) علوم نقلیہ اور علوم عقلیہ میں کیا فرق ہے اور ان کے تحت کون سے علوم آتے ہیں؟

(5) علم تفسیر اور علم قرأت کے میدانوں میں مسلمان علما کی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

طویل جوابی سوالات:

(1) اموی عہد میں علوم نقلیہ کے میدان میں کیا ترقی ہوئی ؟ بیان کیجیے۔

(2) اموی عہد میں شعر و شاعری کے میدان میں کیا ترقی ہوئی ؟ بیان کیجیے۔

(3) کیا اموی دور کو علوم و فنون کے حوالے سے سنہرا دور کہہ سکتے ہیں؟ واضح کیجیے۔

(4) اموی عہد میں علوم عقلیہ کے میدان میں کیا ترقی ہوئی ؟ بیان کیجیے۔

(5) اموی عہد کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا جائزہ لیجیے۔

20.7 سفارش کردہ کتابیں

1۔	تاریخ اسلام	ڈاکٹر حمید الدین
2۔	تاریخ الامت	محمد اسلم جیراج پوری
3۔	تاریخ اسلام	شاہ معین الدین
4۔	دمشق: تہذیب و تمدن کا گہوارہ	ڈاکٹر محمد رضوان علوی
5۔	ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ	ثروت صولت

☆☆☆